حضرت سحبان الہند مولانا الحاج حافظ احمد سعید صاحب

ناظم جمعیۃ علماء ہند کی

دوسری

تقریریں

یعنی

شریعت حقہ کے رموز و معارف اور سیاست اسلامیہ و وطنیہ

کے نکات و حقائق کا مجموعہ

جسے

ادارۂ اخبار انصاری نے

محبوب المطابع دہلی میں چھپوا کر شائع کیا ہے

فخر قوم زعیم ملت ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم و مغفور کی یادگار

میں

روزانہ انصاری دہلی

ہندوستان کے دارالحکومت سے جاری کیا گیا ہے جو بڑے سائز کے دس صفحات پر ہفتہ میں دو بار پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

اس اخبار کو ملک کے سربرآوردہ حضرات کی سرپرستی کا فخر حاصل ہوا اور اس کے مقاصد کی تائید جلیل القدر زعماء نے کی ہے۔

بلاد اسلامیہ کی خبریں، عالم فرنگ کے حالات، ہندوستان کے تازہ ترین تار، حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے فتاوی، حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب کے مذہبی مضامین، انگریزی اخبارات کے مستند سیاسی مقالات کے تراجم، دلچسپ نکات و لطائف، اور ادارۂ انصاری کے سیر حاصل تبصرے اس اخبار میں بالالتزام شائع ہوتے ہیں۔ نمونہ مفت طلب فرمائیے۔

قیمت سالانہ پانچ روپے اور ششماہی دو روپے بارہ آنہ

ہے۔ غرباء و طلباء کے لئے آئندہ رمضان المبارک تک رعایتی اعلان کیا گیا ہے جس کے مطابق سالانہ چندہ صرف تین روپیہ لیا جائیگا۔

منیجر اخبار انصاری گلی قاسم جان بلیماران دہلی

مولانا اور انکی علمی و ... با خبر ہیں، وہ جانتے ہیں کہ مولانا
جس طرح دینیات و تشریح ... کے بھی نامور شہسوار ہیں،
جس طرح اسلامی معاشرت ... سکتے ہیں، موجودہ مغربی تمدن
معاشرت کے نقائص و معائب پر ... ہیں، وہ جس طرح اسلامی
آئین و نظم و نسق اور دساتیر حکومت پر ... سکتے ہیں، عہد حاضر کی
سیاسی و معاشرتی تحریکات اور اُن کے تمام پہلو ... ہر فن کی طرح روشنی
سکتے ہیں، مولانا کی ان تمام خصوصیات علمی و نظری ... اندازہ کیجئے آپ کی قدرت
بیان، فصاحت و بلاغت گفتار اور شیرینی کلام کا، دلی کی ... اور اس پر مولانا کا مخصوص طرز
الفاظ کوثر و تسنیم کے آب زلال سے دھلے ہوئے اور پھر ان پر محاورہ ... بیان، کہاوتوں کی زیبائش،
پیاری پیاری اور ہلکی پھلکی ترکیبوں اور فقروں کی آرائش، سبک سبک ... بناوٹ و سجاوٹ
لطیف تشبیہوں، استعاروں اور کنایوں کی گھلاوٹ، کون کافر ادب ہوگا جو اس سب داستان
سن جائے اور اس کا دل نہ پسیج اٹھے، کسی شاعر نے اپنے حسن بیان کی تعریف میں کہا ہے ؎

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا ٭ بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

لیکن میرا پختہ خیال ہے کہ بارگاہ نبوت کی یہ دلچسپ اور لطف آفریں داستان مولانا احمد سعید صاحب کی زبان سے بگوش ہوش سن لیجائے تو نہ صرف رازداں، بلکہ غیر رازداں بھی رقیب بن سکتے ہیں

ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے ؎

سجدۂ تو برآورد از دل کافراں خروش ٭ اے کہ دراز تر کنی پیش کساں نماز را

کیا عجب ہے کہ سید کونین کے آستانہ جلال و عظمت پر مولانا احمد سعید صاحب کے قلم حقیقت رقم کی یہ پیہم سجدہ ریزیاں صداقت و حقانیت کے اس روشن چہرہ کو بے نقاب کر دیں جو موجودہ الحاد و زندقہ اور بے دینی و گمراہی کے تاریک بادلوں میں مستور ہو گیا ہے اور پھر وہ اپنے جلوۂ جہاں آرا کے ساتھ اس آب و تاب سے ضوفگن ہو کہ کافروں کے دلوں سے بھی خروش پیدا ہونے لگے،
و لیس ذلک علی اللہ بعزیز۔

خدا کرے یہ کتاب ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہونچے، ہر مذہب و ملت کے لوگ اس کا مطالعہ کریں اور مرد و عورت جوان، پیر سب اس کے مطالعہ سے محظوظ اور شاد کام ہوں۔
و یرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

سعید احمد اکبر آبادی ایم۔ اے
۸ راگست ۱۹۳۶ء

۱۰۵

(از حضرت مولانا ابو ... ے مولوی فاضل، پیش لفظ مدیر مدینہ بجنور دہلی)

چند سال سے ہندوستان ... جگہ سیرت کمیٹیاں قائم کی ہیں، اُن کے ماتحت سال بہ سال مخصوص دنوں ... میں ان کمیٹیوں کے اجلاس ہوتے ہیں، مقامی و غیر مقامی علماء و فضلاء ... مقالات پڑھتے ہیں اور زبانی تقریریں کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا ... صاحب مدظلہ کی یہ تقریر سیرت ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں کی زینت بنی ہوئی ہے ... حضرت مولانا کی تقریر کیا ہے؟ دینی و مذہبی حقائق، سیاسی و معاشرتی نکات و رموز ... حالات سے متعلق پُرلطف و مفید تفریحات و اشارات کا ایک نادر الوجود گنجینہ ہے، ممکن ہے ... سادہ لوح مسلمان اعتراض کریں کہ سیرت کی تقریر اور سیمن پرتھ کنٹرول، کانگرس کی شرکت ... ایکٹ وغیرہ ایسے جدید سیاسی و معاشرتی مسائل کا ذکر؟ ان دونوں میں کیا ربط ہوا؟ لیکن انکو چاہیے کہ صاحب سیرت یعنی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی جب حیات انسانی کے ... پہلوؤں اور مدنیت و معاشرت کے تمام گوشوں کو شامل ہے، تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ کی سیرت بیان ہو اور اس میں وقت کے مروجہ مسائل زیر بحث نہ آئیں، یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ "دین کامل" والے پیغمبر کا ذکر ہو اور اس کو صرف آجکل کے عام میلادوں کی طرح آپ کی عبادات اور سیرت کے ابتدائی اجزاء تک ہی محدود کر لیا جائے۔

مولانا نے اپنی تقریر میں موقع بموقع قصے و کہانیاں بھی بیان کی ہیں، ممکن ہے آجکل کے مغرب زدہ نوجوان قدیم طرزِ تصنیف کو دیکھکر ناک بھوں چڑھائیں، لیکن انہیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ قرآن مجید سے زیادہ مہذب و مرتب، فصیح و بلیغ، مکمل و اتم کوئی دوسری کتاب نہیں ہوسکتی، پس جب خود قرآن مجید کا ایک معتدبہ حصہ قصص اولین پر مشتمل ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اپنی تالیف و تقریر میں قصوں کا بیان کرنا سنجیدگی تصنیف کے خلاف ہے، بلکہ آپ دیکھیں گے کہ حضرت مولانا نے محل و موقعہ کے لحاظ سے قصے اور گذشتہ واقعات اپنے انداز خاص میں بیان کر کے اپنے بیان کو ... درجہ موثر و نتیجہ خیز اور پرلطف و دلچسپ بنا دیا ہے۔ مولانا دورِ حاضر کی اُن چیدہ شخصیتوں میں سے ہیں جو اسلامی ہند کے ہر گوشہ میں معروف و مشہور ہیں، مسلمانوں کی تمام سوسائٹیاں خواہ وہ راست پسندوں کی، مولویوں اور مولاناؤں کی ہوں یا مسٹروں اور صاحب بہادروں کی، قوم پرستوں اور حریت کوشوں کی ہوں یا رجعت پسندوں اور حکومت نوازوں کی، ہر مشرب و ملت کے لوگ

اور اس میں بھی شک نہیں کہ بعض غیر مسلم حضرات اس موضوع پر مسلمانوں سے بھی اچھی تقریر کر لیتے ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں محمد بن عبداللہ کے متعلق کہتے ہیں جن کی صداقت و امانت، حلم و بردباری، تحمل و جفاکشی، غریب پروری و فقر [illegible] ایثار و اخلاص کا اعتراف مکہ اور طائف کا ہر ایک بسنے والا انسان [illegible] جہل ہو یا ابولہب، ولید ابن مغیرہ ہو یا عقبہ بن ابی معیط [illegible] ن تو اس کا اقرار تھا کہ ان بے شمار خوبیوں کا حامل کوئی بچہ آج تک [illegible] دنیا حجاز کے کسی گھرانے میں بھی پیدا نہیں ہوا محمد بن عبداللہ [illegible] ف تھا اور نہ محمد بن عبداللہ کی ذات گرامی سے کسی کو اختلاف [illegible] انحراف یا مخالفت و معاندت کا سلسلہ جہاں سے شروع ہوتا ہے [illegible] ہی ہے جس کے بعد محمد بن عبداللہ کا لقب محمد رسول اللہ ہو جاتا ہے [illegible] قرآن نے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے یَآیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ [illegible] اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۝ یعنی اے محمد! آپ اس امر کا اعلان کر دیجئے [illegible] نوع انسان کو خطاب کر کے کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم تمام بنی نوع انسان کے لئے اس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا [illegible] ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے۔

نقطۂ فاصلہ

یہی وہ نقطہ ہے جو محمد رسول اللہ کو محمد بن عبداللہ سے جدا کر دیتا ہے اور یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے یگانے بیگانے اور دوست دشمن بن جاتے ہیں۔ یہی وہ دعویٰ ہے جس کے بعد ہر بہی خواہ اپنی دشمنی اور بدخواہی کا کھلم کھلا اعلان کر دیتا ہے یہی وہ دعویٰ ہے جس سے سرکار کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور یہی

وہ دعویٰ ہے جس سے مومن و منافق کی ابتدا ہوتی ہے اور یہی وہ نقطۂ ممیزہ ہے جو خبیث کو طیب سے علیحدہ کر دیتا ہے لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ خدا کی شان ہے جو لوگ سرکار کے لئے اپنی آنکھیں فرش راہ کیا کرتے تھے وہی اس دعوے کے بعد آپ کے راستے میں کانٹے بچھانے لگے اور جو آپ کی صفت و ثنا میں رطب اللسان تھے اُن کی زبانیں سب و شتم سے آلودہ ہو گئیں جو حضور کی ذات گرامی پر فخر کیا کرتے تھے وہ اعلان نبوت و رسالت کے بعد آپ کے وجود کو باعثِ ننگ و عار سمجھنے لگے جو لوگ آپ کو عاقل و فرزانہ کہا کرتے تھے وہی آپ کو مسحور و مجنون سمجھنے لگے۔ اور صرف یہی نہیں کہ اس قسم کے بُرے القاب خلوت و جلوت میں استعمال کئے جاتے تھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخلاف تمام اطراف و جوانب میں پروپگنڈا کیا جاتا تھا۔ جو لوگ موسم حج میں باہر سے آیا کرتے تھے اُن کو راستے ہی میں روک کر سمجھایا جاتا تھا کہ دیکھو محمد بن عبد اللہ کو جنون ہو گیا ہے اُس کے پاس نہ جانا اور اگر کوئی نووارد اس پر اصرار کرتا کہ ہم اُس مجنون کو ضرور دیکھیں گے اور اُس کے پاس جائیں گے تو اس نووارد کو یہ کہکر ڈرایا جاتا تھا کہ اُس کا جنون متعدی ہے اگر تم جاؤ گے تو تم بھی پاگل اور مجنون ہو جاؤ گے

ضماد کا واقعہ

قبیلہ شنوءہ کے ایک صاحب جن کا نام ضماد ہے اور جو اپنے قبیلہ میں ایک صاحب اثر اور بارسوخ شخص ہیں وہ بھی حج کی غرض سے مکہ معظمہ آئے اور ان کو بھی ان پروپگنڈسٹ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے ڈرایا لیکن ضماد نے ان ڈرانے والوں سے کہا کہ میں تو صدہا دیوانوں کو تندرست کر چکا ہوں۔ میں تو خود عامل ہوں اور صبح سے شام تک مجنون اور دیوانوں کا علاج کیا کرتا ہوں مجھ کو اُن کے پاس جانے سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے

بہتیرا اُن کو سمجھایا گیا لیکن ضماد نے ایک نہ مانی اور وہ مکہ معظمہ پہونچتے ہی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے نہایت بے تکلفی سے فرمایا۔ اے محمد مجھ سے لوگوں نے تمہارے متعلق بیان کیا ہے کہ تم کو جنون کے دورے ہوتے ہیں اور تم دیوانگی میں مبتلا ہو گئے ہو چونکہ میں اس مرض کا علاج کیا کرتا ہوں اور میرے پاس اس قسم کا عمل ہے جس سے یہ بیماری زائل ہو جاتی ہے اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ کا علاج کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضماد کی یہ بات سُنکر فرمایا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سُن لو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ تم میرا علاج کرنا۔ جب ضماد نے سننے پر آمادگی ظاہر کی تو آپ نے وہ خطبہ پڑھا جو عام طور سے کسی کلام کے ابتدا میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ۔ ضماد نے اس خطبہ کو نہایت توجہ کے ساتھ سُنا اور اس کو مکرر پڑھنے کی درخواست کی۔ اے محمد! جو کچھ آپ نے بیان کیا ایک دفعہ ان کلمات کو اور سُنا دیجئے چنانچہ سرکار نے ان الفاظ کو مکرر پڑھکر سُنایا۔ ضماد نے دوبارہ سنکر کہا واللہ انک لست بمجنون خدا کی قسم آپ دیوانے نہیں ہیں جو بات آپ نے مجھ بتائی ہے یہ تو بڑے بڑے سیانوں اور فرزانوں کو نصیب نہیں چہ جائیکہ دیوانے

ضماد نے اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضماد! کیا تم اپنے آپ کو ہی دوزخ سے آزاد کرانا چاہتے ہو یا دوسروں کو بھی اسلام میں داخل کرنے کی سعی کروگے۔ ضماد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے

قبیلے میں ایک با اثر شخص ہوں۔ میں انشاء اللہ دوسروں کو بھی ترغیب دوں گا،
چنانچہ ضماد جب واپس ہوئے تو ان کی مساعی سے بہت سے لوگوں نے اسلام
کو قبول کرلیا۔

محمد رسول اللہ

صدر محترم! میں گذارش کرنا چاہتا تھا کہ محمد بن عبداللہ کو تمام دنیا اچھا
کہتی ہے۔ محمد بن عبداللہ سے نہ کسی کو دشمنی ہے نہ کسی کو عداوت، سوال تو محمد
رسول اللہ کا ہے۔ میں اُن تمام غیر مسلم حضرات سے جو سیرت کے جلسوں میں تقریریں
کرتے ہیں یہ درخواست کروں گا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق
اپنے خیالات کا اظہار کریں تاکہ میں یہ معلوم کرسکوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
متعلق بحیثیت پیغمبر اور بحیثیت رسول کیا رائے رکھتے ہیں۔

رسُول کسے کہتے ہیں؟

حضرات! میں نے گذشتہ تقریر سیرت کے موقع پر بھی جو غالباً اٹاوے میں
ہوئی تھی اِس امر پر اظہار خیال کیا تھا اور میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ میں دُنیا
کی غیر مسلم اقوام کو رسول اور پیغمبر کا صحیح مفہوم سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں، اگر
غیر مسلم حضرات ہمارے نقطۂ نگاہ کو سمجھ لیں تو میرا خیال ہے کہ نہ صرف بہت سی غلط
فہمیاں دور ہو جائیں گی بلکہ بہت سے مناقشات ومنازعات کا سدِ باب ہو جائیگا
اور آیندہ کسی غیر مسلم کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر
کوئی مخالفانہ تنقید کرے یا آپ کی مقدس ذات کو کسی شرارت آمیز بحث کی جولانگاہ
بنائے۔ میں آج کی صحبت میں اسی مسئلہ پر پھر وضاحت کے ساتھ اظہار خیال کرنا
چاہتا ہوں تاکہ میں اِس امر کو صاف طور سے بتا سکوں کہ ہمارے نزدیک رسول
یا نبی یا پیغمبر کی حیثیت کیا ہے؟ تاکہ نہ صرف غیر مسلم حضرات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ

دار السلام کی صحیح پوزیشن معلوم ہوجائے بلکہ ہمارے گمراہ نوجوانوں کی بھی قیل و
قال کا دروازہ بند ہوجائے۔

مسلم نوجوانوں سے شکایت!

صاحبو! جب میں نے گذشتہ سال اس موضوع پر تقریر کی تو میری حیرت
کی یہ دیکھکر کوئی انتہا نہ رہی کہ خود ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی یہ معلوم نہیں کہ
رسول کسے کہتے ہیں مجھ سے بعض نوجوانوں نے یہ کہا کہ ہم تو آجتک یہی سمجھتے تھے
کہ جس طرح مختلف قوموں میں ریفارمر یا فلاسفر ہوا کرتے ہیں ایسے ہی ہمارے
حضور بھی ایک مصلح تھے جو قوم کی شکستہ حالت دیکھکر اس کی اصلاح کی طرف
متوجہ ہوئے اور اپنی اُولوالعزمی اور ارادہ کی پختگی کے باعث کامیاب ہوگئے
آپ نے اچھے اچھے اصول وضع کئے اور قوم کی بہت سی خرابیوں کو دور کر دیا۔

مفاسد کا منشأ

میں نے اُن سے عرض کیا یہی عقیدہ تمام مفاسد کا منشأ اور جملہ خرابیوں کی
جڑ ہے۔ چونکہ ہمارے یہ تعلیم یافتہ نوجوان جو ہم کو غیر تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں یہ خیال
کئے ہوئے ہیں کہ سرکار کی حیثیت محض ایک ریفارمر یا مصلح قوم یا ایک لیڈر کی
ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان اور قلم سے بسا اوقات اسلامی احکام پر تنقید
ہوتی ہے اور کبھی کبھی بعض منچلے یہ بھی کہدیتے ہیں کہ یہ احکام عرب کے لئے تو
موزوں تھے لیکن عجم کے لئے نہیں، خود آپ کے اس ناگپور میں ایک خاصے اچھے
جنٹلمین نے فرمایا کہ جناب اس تیرہ سو برس کے فرسودہ قرآن پر عمل کرنے کیلئے آپ
کب تک ہم کو مجبور کرتے رہیں گے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جو قانون حجاز کے
بدویوں کے لئے وضع کیا گیا تھا وہی قانون اس روشنی کے زمانہ میں بھی واجب العمل
قرار دیا جائے۔ آخر یہ مولوی کب تک قدامت پرستی میں مبتلا رہیں گے۔ ایک صاحب

دہلی میں فرماتے تھے کہ اگر آپ لوگ یعنی مولوی صاحبان قرآن میں ترمیم کرنے کو ڈرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے خدا آپ کو مارے گا تو آپ ہم لوگوں کو اختیار دیجئے کہ ہم اس قرآن میں مناسب ترمیم کر کے اس پر عمل کریں، آپ اس میں ہیم کریں گے نہیں اور ہم کو اجازت نہیں دیں گے تو رفتہ رفتہ اس قرآن کا بھی وہی حشر ہوگا جو دوسرے لوگوں کی کتابوں کا ہوا۔ آخر یہ بھی تو ایک انسان کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مان لیجئے کہ محمد رسول اللہ بہت بڑے عقلمند تھے اور بڑے معاملہ فہم اور ذہین اور طباع تھے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہہ گئے ہوں وہ پتھر کی لکیر ہے کہ کسی طرح مٹائی نہیں جا سکتی اور باوجود زمانہ بدل جانے کے اس میں تبدیلی ناجائز اور حرام ہے۔

حضرات! یہی وہ خیالات ہیں جو مختلف انداز میں ہمارے نوجوان ظاہر کیا کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کا تو گلہ ہی کیا ہے یہاں مسلمانوں کے نوجوانوں ہی کا اسلام خطرے میں ہے۔

خود ساختہ انسان

میں جناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں آپ کو معلوم ہے کہ آخر ان خرابیوں کا اصلی منشا اور ان مفاسد کی حقیقی جڑ کیا ہے؟ وہی ایک غلط خیال اور وہی ایک لغو نظریہ جو بدقسمتی سے دنیا نے نبوت کے متعلق قائم کر لیا ہے۔ اور یورپ جس کا پروپگنڈا کیا کرتا ہے اسی نظریہ پر یہ ہمارے نوجوان بھی ایمان لے آئے ہیں۔ ان بیچاروں کو دین و دنیا کی کچھ خبر نہیں ہے۔ اسلام کو یہ نہیں جانتے۔ قرآن انہوں نے کبھی نہیں پڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سے یہ ناآشنا ہیں اہل علم کی صحبت سے یہ محروم ہیں۔ ان غریبوں کا مبلغ علم جو کچھ ہے وہ کالج اور اسکولوں کی تعلیم ہے۔ جس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ عمر کا بہترین حصہ

اور باپ دادا کا بہترین ذخیرہ اس تعلیم کی نذر کر دیں اور پھر کسی مشین کے وفادار پرزے بن کر اپنی زندگی کے دن پورے کر لیں اور مرتے وقت خیال کریں کہ ہم دنیا میں بہترین زندگی بسر کر کے مر رہے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ سیکھا یا پڑھا وہ شاطران یورپ سے سیکھا اور ایسا سیکھا کہ اپنا پڑھا پڑھایا بھی سب بھول گئے۔ یورپ نے جو کچھ کہا وہ یہ بھی کہنے لگے، یورپ کی نظر میں نبوت کی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ نبی ایک خود ساختہ انسان ہوا کرتا ہے۔ جو خاص ملکات کے ماتحت ترقی کر جاتا ہے اور اپنی عقلمندی کے باعث قوم پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے۔ جو زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتا ہے وہی بڑا نبی ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ یورپ نہ کسی نبی کو سمجھتا ہے اور نہ کسی نبی کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ بدقسمتی سے رسول کو لوگوں نے ایک خود ساختہ انسان سمجھ لیا ہے اور اس کے متعلق یہ نظریہ قایم کر لیا ہے کہ وہ بھی معمولی لیڈروں کی طرح ترقی کرتے کرتے بڑا آدمی بنجاتا ہے اس لئے اس پر ہر قسم کی تنقید، اس کی زندگی پر ہر قسم کا اعتراض، اس کے اصولوں اور اس کے احکام پر ہر قسم کی نکتہ چینی جائز ہو سکتی ہے۔

نبوت کے متعلق غلط نظریہ

اسی لغو اور غلط تخیل کی بنا پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ہمیشہ رکیک اور بیہودہ اعتراض کئے گئے۔ مثلاً نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا انا لنرٰک فی ضلال مبین۔ اور ایک موقع پر کہا ما نرٰک الا بشرا مثلنا وما نرٰک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کٰذبین۔ دیکھئے حضرت نوح کی قوم کا یہ کہنا کہ ہم تم میں کوئی خصوصیت ایسی

۱؎ ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہے ۲؎ ہم دیکھتے ہیں تجھ کو مگر آدمی جیسے ہم اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں اوپری عقل سے اور ہم نہیں دیکھتے تم میں اپنے اوپر کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

نہیں پاتے کہ جس کے باعث تم ہم سے افضل شمار کیے جاؤ بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا اور کاذب خیال کرتے ہیں۔ یہ اسی غلط تخیل کا نتیجہ ہے کہ پیغمبر ایک خود ساختہ انسان ہے اس کو فضیلت، برتری اور ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک موقعہ پر اسی بدبخت قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی شان میں یہ الفاظ کہے ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون ویشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون یہ تو ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اگر ہم نے اپنے جیسے ایک آدمی کی اطاعت قبول کرلی تو ہم سے زیادہ کون خسارے میں ہوسکتا ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت نوح پر جو تنقید کی گئی اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ انؤمن لک واتبعک الارذلون۔ کیا ہم بھی تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ تیرے پیرو تو بہت ہی ارذل طبقے کے لوگ ہیں۔

ایک موقعہ پر تو ان کی قوم کے بعض ذمہ دار لوگوں نے صاف طور پر کہدیا ما ھذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم یہ بھی ہم جیسا آدمی ہے اس کے دل میں بڑا بننے کی خواہش ہے۔ یہ بستی والوں پر فضیلت چاہتا ہے اور تمام بستی کا لیڈر بننا چاہتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر کو جس نظر سے دیکھا وہ بھی ملاحظہ کریجیے۔ انا لنراک فی سفاھۃ وانا لنظنک من الکذبین ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تو کوئی بے وقوف ہے اور ہم تجھ کو جھوٹا خیال کرتے ہیں حضرت ہود نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا وہ صرف اس قدر تھا کہ انی رسول من رب العلمین۔ اے قوم میں کوئی خود ساختہ انسان نہیں ہوں جس کی عقل اور سفاہت پر بحث کی جائے بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔ قوم نے اس پیغمبر کے متعلق جو آخری فیصلہ کیا وہ بھی سن لیجیے۔ حضرت ہود کی تمام خدمات

اوران کی پند ونصائح کا صلہ ان الفاظ میں دیا گیا سواء علینا اوعظت ام لم تکن من الواعظین۔ تو چاہے ہم کو وعظ سنائے یا نہ سنائے ہمارے لئے دونوں حالتیں برابر ہیں۔ کیونکہ جب ہم کو تیرے وعظ پر عمل ہی نہیں کرنا پھر وعظ کہو تب برابر نہ کہو تب برابر۔

حضرت صالح علیہ السّلام کی قوم نے نبوت کا جو مفہوم سمجھا وہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے قالوا یا صلح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا اتنھٰنا ان نعبد ما یعبد اباؤنا واننا لفی شك مما تدعونا الیہ مریب۔

قوم حضرت صالح کو خطاب کرکے کہتی ہے، ہم تو تجھکو بہت ہونہار سمجھتے تھے اور تجھ سے بہت سی اُمیدیں وابستہ تھیں لیکن اب تجھے کیا ہوگیا تو ہم کو ان معبودوں کی پرستش سے روکنے لگا جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ ہم کو تو تیری باتوں پر اطمینان نہیں ہوتا۔

حضرت شعیب علیہ السّلام کی جن الفاظ میں عزت افزائی کی گئی وہ سب سے زیادہ خوفناک ہیں۔ یٰشعیب ما نفقہ کثیرا مما تقول وانا لنرٰك فینا ضعیفا ولولا رھطك لرجمنٰك وما انت علینا بعزیز۔ اے شعیب تیری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں ہم تجھکو کمزور سمجھتے ہیں۔ اگر تیری برادری کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھکو پتھروں سے مار ڈالتے، تو کوئی ہمارے اوپر سردار یا حکمران نہیں ہے۔

میرے معزز دوستو! میں نے تم کو چند نبیوں کے متعلق ان کی قوم کے خیالات سنائے ورنہ تم کو ہر پیغمبر کی زندگی میں یہ چیز نظر آئے گی۔ الفاظ کتنے ہی مختلف کیوں نہوں مگر سب کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی ہم کیوں ایک شخص کو اپنا مطاع اور متبوع قرار دیں اور وہ جو کچھ کہے اُسے تسلیم کرتے چلے جائیں

آخر کیا ہم انسان نہیں ہیں؟ ہمارے پاس عقل نہیں ہے۔ یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ ایک انسان کی عقل کے آگے تمام انسانوں کی عقول کو سربسجود کر دیا جائے۔ یہی وہ اعتراض ہے جو الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ ہر زمانہ میں کیا گیا ہے۔ ہاں افسوس اس کا ہے کہ پہلے صرف کافر یہ اعتراض کیا کرتے تھے اور اب آجکل وہ مسلمان بھی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں جو انٹرنس یا ایف اے میں فیل ہو جاتے ہیں یا اوراج ہونے کی وجہ سے ان کو ملازمت نہیں ملتی تو وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ کیوں صاحب یہ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم کیوں دیا ہے؟ کیوں صاحب! رمضان میں بھوکے مرنے سے کیا فائدہ ہے، کیوں صاحب! سود جیسی نفع کی چیز کو حرام کیوں کر دیا؟ کیوں صاحب! مرد تو چار عورتوں سے نکاح کر لیں اور عورت کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ بھی چار مردوں سے نکاح کرے؟۔

کیوں کو بند کرو

برادران ملت! میں آپ سے نہایت صفائی کے ساتھ ببانگ دہل کہنا چاہتا ہوں کہ اس کیوں کو بند کرو۔ ہم سے صرف ایک فیصلہ کرو اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے یا نہیں؟ آپ کی رسالت میں گفتگو کرنی ہے تو کرو۔ یہ کہو کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ اگر تم یہ کہو تو ہم اس کا جواب دینے کو آمادہ ہیں۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول اگر تسلیم کرتے ہو تو پھر اس کیوں کے دروازے کو بند کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمہاری کیوں سے ڈرتے ہیں یا تمہاری کیوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ بلکہ یہ بحث بالکل بیکار ہے۔ اگر تم رسول کا صحیح مفہوم سمجھتے ہو اور اسی صحیح مفہوم کے موافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہو تو پھر اس کے احکام میں چون و چرا اور کیوں اور کیا بالکل بے سود ہے۔ رسول تسلیم کر لینے کے بعد تو پھر اس کا ہر حکم

واجب التسلیم اور لائق تعمیل ہے۔

لارڈ ولنگڈن کی وائسرائلٹی

مثلاً فرض کیجئے آج کل ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ولنگڈن ہیں آپ ان سے یہ تو دریافت کر سکتے ہیں کہ حضور آپ کو وائسرائے کس نے بنایا ہے اور آپ کے وائسرائے ہونے کا کیا ثبوت ہے لیکن اگر آپ یہ تسلیم کر لیں یا آپ کو یہ ثابت ہو جائے کہ لارڈ ولنگڈن واقعی وائسرائے ہیں تو پھر ان کے احکام سے انکار کرنے یا ان کے احکام پر بلا وجہ جرح و تنقید کرنے کے کیا معنی؟ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے میں شک ہے تو بیشک آپ اس شک کو دور کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ ان کو رسول اللہ سمجھتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان کے احکام اور ان کے اوامر و نواہی پر کج بحثیاں کی جائیں یا معاذ اللہ ان پر جرح کی جائے یا ان کے فرامین کے ساتھ استہزار کیا جائے ہماری بھی عجیب حالت ہے، ایک طرف ہم مسلمان بھی ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل بھی ہیں اور دوسری طرف ان کے احکام سے روگردانی اور سرتابی بھی ہے۔

کیا آپ کیوں کا جواب دے سکتے ہیں

اگر یہی بات ہے تو کیا آپ ہر کیوں کا جواب دینے کو طیار ہیں؟ دیکھئے میرے ہاتھ میں یہ گلاب کا پھول ہے کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ اس کو سرخ رنگ کیوں دیا گیا ہے اور چنبیلی کو سفید رنگ کیوں دیا گیا ہے۔ جو خوشبو گلاب کے پھول میں ہے وہ چنبیلی کے پھول میں کیوں نہ رکھی گئی۔ اور جو چنبیلی کے پھول میں ہے وہ خوشبو گلاب کے پھول میں کیوں نہ ہوئی۔ آم میں جو مزہ ہے وہ آڑو میں کیوں نہیں۔ اور آڑو میں جو لذت ہے وہ آم میں کیوں نہیں۔ پانی اپنی سطح کو برابر رکھتا ہے کیوں پانی کی یہ طبیعت کیوں ہے۔ آگ جلاتی ہے کیوں جلاتی ہے جو کام آگ

کرتی ہے وہ پانی کیوں نہیں کرتا۔ اس قسم کے سوالات کا سلسلہ تو کہیں ختم ہونے والا نہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کون کون سی کیوں کا جواب دیتے ہیں۔

میری اس گذارش کا یہ مطلب نہیں کہ مسائل اسلامیہ انسانی عقول سے خارج ہیں، یا اُن پر عقل کی روشنی میں بحث کرنا ناجائز ہے یا اُن کے فوائد اور اُنکی خوبیاں عقل سے بالاتر ہیں لیکن میرا مطلب یہ ضرور ہے کہ ہر انسان کی عقل اس کا تحمل نہیں کرسکتی کہ وہ ہر چیز کو سمجھ لے۔ میرے بھائی مولوی حفظ الرحمان صاحب نے ابھی کیا اچھی مثال دی تھی کہ آنکھ کا کام دیکھنا ہے لیکن یہی آنکھ باوجود طاقت بینائی کے رات کو بیکار ہو جاتی ہے اور اسی آنکھ کو روشنی کی احتیاج ہوتی ہے۔ اگر خارجی روشنی نہ ہو تو آنکھ کچھ نہیں دیکھتی۔ اسی طرح عقل انسانی بھی بعض مقامات پر پہنچکر نبوت و رسالت کی روشنی کی محتاج ہوتی ہے۔ اگر نبوت کی روشنی نہ ہو تو ان معاملات کا سمجھنا یقیناً عقل انسانی کی طاقت سے باہر ہے۔

اصل روشنی کہاں ہے؟

صاحبو! میں تو یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ روشنی روشنی کرتے ہو۔ روشنی ہے کہاں؟ کیا روشنی کارلائل اور برنارڈ شا کے پاس ہے؟ کیا روشنی نٹشے اور ڈاروِن کے پاس ہے۔ ارے اصل روشنی تو انبیا علیہم السّلام کے دامنوں میں ہے باقی تو تاریکی ہی تاریکی ہے۔ تم یورپ کے دماغ میں روشنی ڈھونڈتے ہو۔ یورپ کے پاس تو نہ بصیرت ہے نہ بصارت، تم یورپ کی عارضی ترقی کو دیکھکر گمراہ ہوگئے ہو تم تو تاریخ دانی کے بڑے مدعی ہو کیا تم کو خبر نہیں دنیا میں آج تک کتنی تہذیبیں آئیں اور فنا ہوگئیں۔ بابل کی تہذیب۔ مصر کی تہذیب۔ روما کی تہذیب ایران و ہندوستان کی تہذیب؛ جب قومیں برسرِ اقتدار آتی ہیں تو یقیناً اپنے ساتھ بہت سی عجیب و غریب قوتیں لایا کرتی ہیں۔ اگر یورپ کے ساتھ آج چند مادی قوتیں

رونما ہوئی ہیں تو کیا ان شعبدہ بازیوں سے یورپ کو روحانی رہنما بھی کہا جا سکتا ہے؟

ترقی کس نے کی؟

میں تو یہ نہیں سمجھتا کہ جس ترقی کا ڈھول بج رہا ہے وہ ترقی کیا ہے اور وہ ترقی کس کی ہے۔ تم کہتے ہو ہم نے ریل بنائی ہوائی جہاز بنایا۔ میں عرض کرتا ہوں بہت اچھا یہ تو لکڑی اور لوہے کی ترقی ہوئی یا آگ اور پانی نے ترقی کی، جناب نے کیا ترقی کی؟ آپ فرماتے ہیں بجلی کی روشنی ایجاد کی۔ اچھا صاحب یہ مٹی کے چراغ کی ترقی ہوئی کہ پہلے مٹی کا دیولا تھا اب شیشے کی کپّی بن گیا۔ جناب نے کیا ترقی کی؟ میں تو آپ کی ترقی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس قسم کی ترقیاں تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ اِس وقت تک جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کی کس کو خبر تھی اور ابھی کون کہہ سکتا ہے کہ قدرت کے لامتناہی خزانوں میں اور کیا کیا قوتیں پوشیدہ ہیں اور ان کا علم اور ان کی دریافت کس کی قسمت میں لکھی ہے۔ اگر اس عارضی ترقی کو جو بھاپ اور بجلی کے ساتھ وابستہ ہے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا رُوحانی تعلیم پر کیا اثر پڑ سکتا ہے جو انبیاء علیہم السّلام کی مرہون منت ہے۔ یہ تمام ترقیاں تو یورپ کے اقتدار کے ساتھ ساتھ ایسی دفن ہوں گی کہ دنیا کو تلاش کرنے سے بھی میسّر نہ آئیں گی۔

مغلوں کا اقتدار

ابھی کل کی بات ہے کہ اس ملک میں مغلوں کا اقتدار تھا۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے شاہجہاں اور اورنگ زیب کے درباروں کی سیر کی ہوگی کیا اُن کے تصور میں یہ بات آسکتی ہوگی کہ ایکدن ان بادشاہوں کی اولاد بھیک مانگتی ہوئی بازاروں میں پھرتی ہوگی۔ لیکن آج میرے ساتھ آپ دہلی چلئے تو میں آپ کو دکھاؤں کہ جن کے باپ دادا ہاتھی کے ہودجوں اور ہواداروں میں بیٹھکر نکلا کرتے تھے آج اُن کی اولاد کے پاس بھیک مانگنے کا ثابت پیالہ بھی نہیں ہے

چشم عبرت بین کشا و حالِ شاہاں را نگر ٭ تا چناں از گردشِ گردونِ گرداں شد خراب
پردہ داری می کند بر قصرِ قیصر عنکبوت ٭ بوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

صاحبو! یہ مادی اقتدار اور یہ مادی ترقیاں تو بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ ان کا عروج و زوال تو ہنڈولے کی طرح زیر و زبر ہوتا ہی رہتا ہے۔ اسی انقلاب کیطرف قرآن کی وہ آیت اشارہ کرتی ہے جو تیسرے پارے میں مذکور ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے، آپ ہم کو اس طرح مخاطب کیا کیجئے اے اللہ تمام ممالک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے تو جسکو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔

انقلاب کی علت

آپ کو تو اس قسم کے انقلابات پر بھی تعجب ہوتا ہے مگر میں عرض کرتا ہوں یہ انقلاب تو ہماری تمہاری نظر میں ہے ورنہ وہاں تو محض صفت مالکیت کا مظاہرہ ہے اگر ایک چیز ایک ہی کے پاس چھوڑ دیں تو شاید دنیا کو ان کی صفت مالکیت میں شبہ ہو جائے اس لئے اس سے چھینی اسکو دی۔ اُس سے چھینی اس کو دی۔ یہی کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ لیں ؎

فی الحقیقت مالکِ ہر شے خداست ٭ چند روزے این امانت نزدِ ماست

جناب کی کچھ سمجھ میں آیا میں نے کیا عرض کیا؟ آپ تو خاک بھی نہ سمجھے ہوں گے اور سمجھ میں بھی کیوں کر آئے سمجھ ہو تو اس میں کچھ آئے۔ جہاں مادیات کے سمجھنے کی بھی اہلیت نہ ہو وہاں روحانیت کے مسائل سمجھنے کی قابلیت کہاں ہو سکتی ہے۔ اچھا ایک آسان بات کہتا ہوں اسکو سمجھو اور اگر وہ بھی سمجھ میں نہ آئے تو پھر اپنی

سمجھ پر بیٹھ کر رو۔ شبہ تو یہ ہوتا ہے کہ آخر یہ انقلاب کیوں ہوا کرتے ہیں۔ آج ایک حکومت کا عروج ہے کل اس کا زوال ہے۔ پھر جس کا آج عروج ہے کل اس کا زوال ہے اس کا زوال اس کا عروج جب سے دنیا بنی ہے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اس کی ایک لطیف وجہ تو وہ تھی جو میں نے ابھی عرض کی۔ اب ایک اور بات سنئے۔ حضرت حق داؤد علیہ السلام اور جالوت کی جنگ کا ذکر کرتے ہیں اور حضرت داؤد کے کامیاب ہوجانے کے بعد فرماتے ہیں۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ سسٹم جاری نہ کرتا اور بعض قوموں کے اقتدار کو بعض قوموں کے ہاتھ سے فنا نہ کراتا تو زمین میں بے انتہا فساد برپا ہوجاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ کسی قوم کو دوامًا اقتدار کا مالک نہیں بنا دیتا بلکہ ایک قوت سے دوسری قوت کو کمزور اور پامال کراتا رہتا ہے۔ فرمائیے اب تو جناب کی سمجھ میں عروج و زوال کا فلسفہ آ گیا۔

عقل کی بحث

ہاں صاحب وہ عقل کی بات رہ گئی، یہ بات تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عقول انسانی میں تفاوت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آپ ایک بات اچھی سمجھتے ہیں لیکن میری عقل میں اس بات کی خوبی نہیں آتی۔ میں آپ سے بحث کرتا ہوں لیکن آپ مجھکو مطمئن نہیں کرسکتے اور یہ کہدیتے ہیں کہ مولوی صاحب یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی، آپ کی عقل سے بالاتر ہے۔ ہم اپنے ایک مقروض کے خلاف دعویٰ کرنا چاہتے ہیں ایک وکیل صاحب سے مشورہ کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہاں مولوی صاحب دعویٰ ہوجائے گا۔ تیس روپے دیدیجئے ہم دریافت کرتے ہیں بھائی تیس روپے کیسے سو روپیہ تو ہمارا مقروض کھائے بیٹھا ہے ہم چاہتے ہیں اس سے روپیہ وصول ہوجائے

آپ ہم سے اور تیس روپیہ مانگتے ہیں۔ وکیل صاحب حساب سمجھاتے ہیں۔ کورٹ فیس کے اتنے روپے، وکیل کی فیس کے اتنے۔ طلبانے کے اتنے۔ ہم پھر بحث کرتے ہیں بھائی یہ روپے کیسے بتارہے ہو ہم اپنا روپیہ وصول کرنا چاہتے ہیں آپ اور اُلٹا ہم سے روپیہ طلب کرتے ہیں جب ہم زیادہ اُلجھتے ہیں تو آپ خفا ہو کر ہم سے کہتے ہیں جناب یہ قانونی بات ہے آپ نہیں سمجھ سکتے۔

تم نہیں سمجھ سکتے

اگر کوئی بات واقعی ایسی ہے جو ہم نہیں سمجھ سکتے تو کوئی بات ایسی بھی ہے جسکو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے۔ ہم تو انسانوں کی بات کو نہیں سمجھ سکتے اور آپ خدا کی ہر بات کو عقل سے تولنا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ کی عقل کہیں عاجز ہو جاتی ہے تو آپ اُس بات کے تسلیم کرنے یا عمل کرنے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ عقل واقعی بہت اچھی چیز ہے۔ ہر بات پر عقل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن عقل انسانی وہیں تک تو کام کر سکتی ہے جہاں تک اس کی رسائی ہے۔ فرض کیجئے ایک چھوٹا سا کانٹا جواہرات تولنے کا لیجئے آپ اس میں ہر قسم کے یاقوت اور ہیرے اور موتی کا وزن کیجئے وہ ہر چیز کا وزن آپ کو ٹھیک بتائے گا۔ لیکن اگر آپ اس میں کوہ ہمالیہ کی ایک چٹان کو تولنے بیٹھ جائیں تو کیا آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

عقل کی ترازو

میں تسلیم کرتا ہوں کہ عقل ایک ترازو ہے لیکن اس ترازو میں وہی چیز تولی جا سکتی ہے جو اس ترازو کی حیثیت کے قابل ہے۔ آج بھی آپ صدہا ایسی چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کا کل تک آپ کو یقین نہ تھا لیکن آج آپ اُن کا یقین کرنے پر مجبور ہیں۔ اور بہت سی باتیں تو ایسی ہیں کہ آپ نے ان کو دیکھا بھی

نہیں صرف اخبار میں پڑھا ہے لیکن آپ کو اُن باتوں پر ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ آپ اپنی آنکھ سے انہیں دیکھ چکے ہیں۔ اخبارات جن میں بیسیوں خبریں غلط بھی شائع ہوتی ہیں بلکہ بعض اخبارات تو غلط پروپگنڈے کی غرض سے ہی جاری کیئے جاتے ہیں اُن کی تو اتنی ساکھ آپ کی نظر میں قائم ہے کہ اخبار کا لکھا پتھر کی لکیر ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر آپ کو اسقدر شکوک و شبہات ہیں کہ جن کا ازالہ ناممکن ہو گیا ہے۔

طریقۂ استدلال

اس سلسلہ میں اگرچہ بحث بہت طویل ہو سکتی ہے اور یہ بحث ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے، ایک زمانہ میں یونانی فلسفہ کا قصہ تھا۔ آج یورپین فلسفہ کا قصہ ہے یونانی فلسفہ کی بنیاد تو چند بے ثبات تخیلات اور چند وہمی واختراعی اصول پہ رکھی گئی تھی لیکن آج کل کے فلسفہ کی بنیاد چند تجربات اور فرضی مشاہدات پر رکھی گئی ہے۔ اسی وجہ سے فلسفۂ جدید اس فلسفۂ قدیم سے کسی قدر مضبوط معلوم ہوتا ہے ان تمام جھگڑوں کا اصل فیصلہ تو وہ تھا جو حضرت مولانا نے فرمایا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ کیا خوب فرمایا تھا ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
گر باستدلال کار دیں بودے — فخر رازی رازدار دیں بودے
چند خوانی حکمتِ یونانیاں — حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں
آزمودم عقل دور اندیش را — بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ دیوانہ بننے کو طیار نہیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر دیوانے بنجاتے تو آدمی بن جاتے۔ اس راہ میں فرزانہ وہی ہے جو دیوانہ ہے تم عقل عقل کرتے پھرتے ہو جس دن عقل کی کہیں رسائی ہوگئی اس دن پاگل خانہ میں بیٹھے ہوئے ہوگے

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز | کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
این مدعیاں در طلبش بے خبرانند | آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت بہلول مجنون

اس راہ کے دیوانوں کو آپ کیا پوچھتے ہیں۔ حضرت بہلول تو مشہور ہی دیوانے ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی دیوانگی کا یہ حال تھا کہ صدہا فرزانے اُن سے سبق سیکھتے تھے۔ حضرت بہلول عام طور سے قبرستان میں بیٹھے رہا کرتے تھے اگر کوئی اُن سے دریافت کرتا کہ آپ نے زندوں کو چھوڑ کر مردوں کی صحبت کیوں اختیار کی ہے تو فرمایا کرتے تھے زندوں سے مردے اچھے ہیں۔ جب تک ان کے پاس بیٹھا رہتا ہوں کسی کی غیبت نہیں کرتے اور جب ان کے پاس سے چلا جاتا ہوں تو میری برائی نہیں کرتے۔ زندوں کے پاس جب بیٹھئے کسی نہ کسی کی برائی کرتے رہتے ہیں جب اُن کے پاس سے چلے جاؤ تو پیٹھ پیچھے اسی کی برائی شروع کر دیتے ہیں جو ان کے پاس بیٹھا تھا۔

قحط کا واقعہ

ایکدفعہ قحط کے آثار ظاہر ہوئے تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا بہلول تمہیں معلوم ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑ رہا ہے مخلوق پریشان ہے۔ بہلول نے فرمایا پھر مجھ سے کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا دعا کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ قحط کو دور کرے۔ حضرت بہلول نے فرمایا اگر خدا کی قسم ایک گیہوں کے دانہ کی قیمت ایک روپیہ بھی ہو جائے تب بھی اس معاملہ میں دخل نہ دوں گا۔ قحط کی فکر اس کو ہونی چاہیے جو رزق کا ذمہ دار ہے۔ رزق رسانی میری ڈیوٹی نہیں مجھے تو عبادت کا ذمہ دار بنایا ہے میں اپنے فرض کو ادا کرتا ہوں۔ کیا سری تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ

وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ ہم نے جنات اور انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ جس کام کے لئے مجھکو پیدا کیا گیا ہے میں اس کام کو چھوڑ کر ایسے کام میں مشغول ہو جاؤں جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں تو آپ ہی فرمائیے یہ کہاں تک درست ہوگا۔ رزق رسانی اور مخلوق کے لئے رزق کا اہتمام تو حضرت حق نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُہَا۔ زمین پر کوئی بسنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ اور سورہ ذاریات میں فرماتے ہیں وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ، تمہارا رزق اور جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سب کچھ آسمانوں میں ہے اور ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل ایسی ہی سچی ہے جیسے تم کسی بات کو سچ سمجھ کر کہو۔ اے سری! جب رزق کے وہ ذمہ دار ہیں اور میں اُن کے ذمہ میں مداخلت کروں تو وہ اگر یہ فرمائیں کہ تجکو اپنا کام انجام دینا تھا تو نے ہمارے کام میں کیوں مداخلت کی تو میرے پاس کیا جواب ہوگا وہ رزق دیں یا نہ دیں۔ ارزانی فرمائیں یا قحط نازل کریں میں تو اس معاملہ میں ایک لفظ بھی کہنا نہیں چاہتا

دیوانگی پسند ہے یا ہوشیاری؟

صاحبو! آپ نے دیکھا، آپ بھی ایسا دیوانہ بننا چاہتے ہیں۔ اگر دیوانے بنجاؤ تو تمام اُمور طے ہو جائیں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم تو عقلمند رہنا چاہتے ہو۔ اچھا اگر عقلمند رہنا چاہتے ہو تو آؤ پھر تھوڑا سا وقت نکال کر قرآن شریف کا مطالعہ کرو منٹ اور کینٹ کا فلسفہ تو بہت پڑھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فلسفہ بھی تو کسی وقت پڑھو پھر ہم کو بتاؤ وہ کون سی بات ہے جو تمہاری عقل سے خارج ہے اور وہ کون سا مسئلہ ہے جو تم عقل سے سمجھنا چاہتے ہو۔ لیکن

تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ کس قدر ناانصافی ہے کہ یورپ کا فلسفہ سیکھنے کیلئے
تو تمام عمر خرچ کردو اور بے شمار روپیہ خرچ کرو لیکن روحانی فلسفہ حاصل کرنے کیلئے
چند منٹ بھی خرچ نکرو اور بدون مطالعہ کئے ہوئے اسلام کے متعلق یہ رائے قائم
کرلو کہ یہ مذہب بہت تنگ ہے اور ارتقا کا دشمن ہے۔ مولوی لوگ بڑا تنگ خیال ہے
اگر مذہب ترقی کا دشمن ہے تو ہم ایسے مذہب کو دور سے سلام کرتا ہے یہ فرسودہ
مذہب بیسویں صدی میں ناقابل عمل ہے ہم ایسا مذہب نہیں مانگتا"

فرسودہ مذہب

صاحبو! میں عرض کرتا ہوں آپنے نہ تو مذہب کو خود کبھی اسٹڈی کیا،
اور نہ کبھی کسی مذہب جاننے والے کی خدمت میں حاضری کا جناب کو شرف حاصل
ہوا۔ آپ نے سنی سنائی باتوں پر افسوس ہے کہ رائے قائم کرلی۔ اس مذہب کا یہی تو
کمال ہے کہ جس طرح پہلے یہ قابل عمل تھا۔ اسی طرح آج بیسویں صدی میں بھی یہ
مذہب اتنا ہی قابل عمل ہے بلکہ اس بیسویں صدی میں اس مذہب کی اور زیادہ
ضرورت ہے جو مذہب قیامت تک کیلئے آیا ہو وہ بیسویں صدی میں کس طرح
ناکام ہو سکتا ہے۔

میرے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ میں جس قدر علم کی روشنی
بڑھتی جائے گی اتنی مذہب کی خوبیاں آپ کے سامنے آتی جائیں گی بشرطیکہ آپ
مذہب اور اس کی تعلیم کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ جس کو فرسودہ کہہ رہے
ہیں وہ فرسودہ یا پارینہ نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک روشن اور چمکدار ملت ہے جس میں
رات اور دن کا بھی فرق نہیں ہے چہ جائیکہ نئے اور پرانے کا۔ لیلہا و نہارہا
سواء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ایسی ملت بیضا لیکر آیا ہوں
جس کی رات اور دن دونوں روشنی اور چمک میں برابر ہیں۔

رُوحانی اور جسمانی علاج

مجھے تو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ جناب کی نظر میں جسمانی امراض کا جس قدر اہتمام ہے اس قدر روحانی امراض کا اہتمام نہیں ہے۔ آپ کی ایک انگلی میں تکلیف ہو جاتی ہے تو آپ بہتر سے بہتر ڈاکٹر کی تلاش کرتے ہیں اگر یہاں کوئی بہتر ڈاکٹر نہیں ملتا تو آپ کلکتہ اور بمبئی جاتے ہیں لیکن رُوح کے علاج کا آپ کے نزدیک کوئی اہتمام نہیں ہے آپ نے آج تک رُوحانی اصلاح کیلئے بھی کوئی سفر کیا؟ کسی اہل علم کی خدمت میں تشریف لیگئے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ رُوحانی اطباء سے دنیا خالی ہو گئی ہے: نہیں اب بھی اللہ کے بندے موجود ہیں لیکن آپ کے پاس اتنا وقت کہاں کہ آپ اس ضروری غرض کیلئے کوئی سفر کریں۔ اگر آپ کسی طبیب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی دوا استعمال ہی نہیں کرتے تو پھر آپ کو یہ حق کس طرح حاصل ہو گیا ہے کہ آپ اس طبیب کو اور اس کے طریقۂ علاج کو بُرا بھلا کہیں یا اس پر کوئی بیجا تنقید کریں۔ نہ طب پڑھتے ہو نہ طبیب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہو اور باوجود اس غفلت و بے پروائی کے طب نبوی پر اعتراض کرتے ہو اور اسکو لغو اور خلاف عقل قرار دیتے ہو اب تمہیں بتاؤ تمہاری یہ بیہودہ حرکت کہاں تک قابل برداشت ہو سکتی ہے۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ہے ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمتِ قرآنیاں راہم بخواں

مولانا ایک اور جگہ اہل علم اور اہل دل کی صحبت کا شوق دلاتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

جاہل دوا فروش

کبھی مذہب کا بہت شوق پیدا ہوا تو کسی جاہل میلاد خوان کو چوکی پہ لا بٹھایا۔ اس نے جھوٹی روایتیں انشاء اللہ ع قصے بیان کر دئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت باسعادت کے غلط واقعات تم کو سنا دئے۔ تم یہ سمجھے مذہب اسی کا نام ہے تم نے اس پر تنقید شروع کردی۔ نہ اس جاہل کو یہ معلوم کہ اس مجلس میں کیا ذکر ہونا چاہئے نہ تم کو یہ خبر کہ اس قسم کی مجالس کا ماحصل کیا ہے تم نے کبھی ان جاہل میلاد خوانوں سے یہ دریافت نہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کو بار بار دہرانے سے کیا مقصد ہے کیا اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف ہے۔ کیا مسلم یا غیر مسلموں کی جماعت کوئی دنیا میں ایسی بھی ہے جو حضور کی ولادت کا انکار کرتی ہے یا یہ کہتی ہے کہ حضور پیدا ہی نہیں ہوئے ایک ایسی بات جس کے دوست دشمن سب قائل ہیں اُس کے ذکر سے کیا فائدہ ہے البتہ اگر کوئی منکر ہوتا تو آپ کو ثبوت پیش کرنے کی حاجت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر واقعات کے ساتھ اگر علی سبیل التذکرہ آپ کی ولادت کا ذکر بھی آجائے تو مضائقہ نہیں لیکن صرف اس مسئلہ خاص کو مہمات دین سے سمجھ لینا اور اپنی مجالس کو صرف ایک ہی واقعہ کیساتھ خاص کر لینا اور وہ بھی موضوع روایات اور غلط واقعات کے ساتھ بیان کرنا ان ہی لوگوں کا وظیفہ ہو سکتا ہے جن کا مبلغ علم اور جن کی معلومات کا ذخیرہ چند اردو کے رسالے ہوں اور میں نے تو گذشتہ سال یہ بھی عرض کیا تھا کہ کسی شخص کی ولادت اور مولادت کی تفصیلات جس میں اُس کی والدہ کا بھی ذکر ہو اور ولادت کی نوعیت بھی بیان کیجائے۔ ایسی شرم اور پردے کی بات ہے جس کا کوئی مہذب سوسائٹی تحمل نہیں کرسکتی۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر اس جاہل میلاد خوان کی ولادت اور اس کی ماں کا نام لیکر ولادت کی نوعیت کا بیان عام مجمع میں کیا جائے تو یہ کمبخت بھی برداشت نہیں کرے گا۔ کس قدر تعجب ہے کہ جس چیز کو یہ بدنصیب اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اور اپنی توہین سمجھتے ہیں اس کو سردار اولین وآخرین کیلئے یہ کس طرح پسند کرتے ہیں۔ میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ ان جاہل میلاد خوانوں نے

جو طریقہ ذکر ولادت کا اختیار کیا ہے یہ سردار اولین وآخرین کی تعریف ہے یا توہین
یہ جاہل میلاد خوان کیا ہیں؟ ایک بے ادب اور گستاخوں کی ٹولی ہے جو خدا کے پیغمبر
کی عزت وآبرو کو کھوٹی پونجی کے بدلے فروخت کرکے اپنا پیٹ پالتے پھرتے ہیں،
لیکن جب تک دنیا میں جاہلوں کی تعداد زیادہ ہے جاہل ہی سننے والے اور جاہل
ہی بیان کرنیوالے ہیں اسوقت تک ان توہین آمیز مجالس کا انسداد کس طرح ہو
سکتا ہے۔ یہ جاہل اس توہین کو تعریف سمجھتے ہیں اور اس پر ہزارہا روپیہ خرچ کرنے
کو ثواب خیال کرتے ہیں اور جو شخص ان کو منع کرے اور ان کی توہین آمیز مجالس کے
خلاف آواز بلند کرے اس کو یہ معاذ اللہ دشمن اسلام اور دشمن رسول سمجھتے ہیں۔
والی اللہ المشتکی۔

ایک ضروری بات

ہاں صاحب! بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ میں بات تعلیم یافتہ حضرات کی
خدمت میں کچھ گزارش کر رہا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا تھا صحیح راہ تو یہی ہے
کہ دیوانے بن جاؤ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم اس کے لئے تیار نہیں ہو بلکہ تم کہتے
ہوگے واہ صاحب! یہ اچھے مولوی آئے کہ سبکو دیوانہ ہی بناتے ہیں۔ میں عرض
کرتا ہوں بہت اچھا خفا نہ ہوجیئے۔ آپ سیانے بنے رہیئے لیکن مجھے ایک بات کا
جواب دیدیجئے۔ آپ کے نزدیک کسی دعوے کے ثابت کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ کیا
آپ فلسفہ کے ہر مسئلہ اور سائنس کی ہر بات کو مشاہدہ کراکے سمجھاتے ہیں؟ کیا ہر
تھیوری کو آپ منطقی دلائل سے بیان کرکے سمجھائیں گے، خواہ میں آپ کی منطقی دلیل
سمجھوں یا نہ سمجھوں؟ آپ میرے سامنے دلائل کے انبار لگا دیں گے یا کسی اور طریقہ
سے بھی آپ مجھ کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

ٹماٹر کے وٹیمنز

مثلاً فرض کیجئے آجکل ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان ٹماٹر کا بہت استعمال کرتے ہیں۔ کچے پکے جیسے بھی مل جائیں ٹماٹر کو کھائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ہر پڑھے لکھے نوجوان کی جیب میں ٹماٹر اسی طرح پڑے رہتے ہیں جس طرح مشہور ہے کہ پہلے زمانہ کے مولویوں کی جیب میں استنجے کے ڈھیلے پڑے رہتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ جناب ٹماٹر جس کو ہم لال بیگن کہتے ہیں آپ اس قدر کیوں استعمال کرتے ہیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ اس میں وٹیمنز بہت زیادہ ہیں یعنی وہ اجزا جو بہت جلد تحلیل ہو کر روح کی غذا بن جاتے ہیں۔ پھر اگر ہم دریافت کریں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس میں وٹیمنز بہت زیادہ ہیں تو کیا آپ ہمارے سامنے کیمیاوی ترکیب سے وہ اجزا ثابت کریں گے یا کسی ڈاکٹر کا نام لیکر کہیں گے کہ فلاں ڈاکٹر جو اس فن کا ماہر ہے اس کی تحقیقات یہ ہے کہ اس میں وٹیمنز بہت زیادہ ہیں یہ طریقہ استدلال کوئی انوکھا نہیں ہے بلکہ تمام دنیا میں رائج ہے۔ تاریخی روایات کے کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو ہومر کی شاعری سے استدلال کیا جاتا ہے اور ہومر کا بیان صحیح اور قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ فلسفہ کی بحث ہو تو سقراط اور افلاطون کے کلام سے استدلال کیا جاتا ہے۔ روحانیات کا کوئی مسئلہ ہو تو کانٹ اور ہیوم کی تحقیقات سے اپنے مقابل کو خاموش کیا جاتا ہے۔ غرض جو شخص جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کی تحقیق کو ہم بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ جب کبھی ہم کو بندروں کی اولاد بننے کا شوق ہوتا ہے تو ہم ڈارون کی تھیوری سے استدلال کرتے ہیں۔

میرے عزیزو! اگر دنیا میں یہ طریقہ استدلال رائج ہے اور ماہرین فن کی رائے کا اعتبار ہے اور بلا کسی قسم کے اعتراض اور چون وچرا کے یورپین محققین کی تحقیق قابل تسلیم ہے تو انبیاء علیہم السلام جو اپنے فن اور فلسفہ کے ماہر ہوتے ہیں کیوں نہ

اُن کی رائے اور ان کی تحقیق کو آخری چیز سمجھ کر اس پر ایمان لایا جائے ، میں آپ کو انصاف کا واسطہ دیکر ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تاریخی معلومات میں اگر گبن کی رائے آخری رائے ہے تو الہٰیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے آخری رائے کیوں نہ ہو ، اگر مذہب کی مخالفت میں ہیوم کا قول آخری قول ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول مذہب کی حمایت میں آخری قول کیوں نہ ہو - اگر ڈارون کی تھیوری مسئلہ ارتقاء میں قابل تسلیم ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیوری کیوں نہ قابل تسلیم ہو اگر گوئٹے اور کانٹ کے کلام سے استدلال کیا جاسکتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام سے کیوں نہیں استدلال کیا جاسکتا - کیا آپ کے نزدیک ڈے کارٹ اور ہیگل کی تحقیق انبیاء علیہم السلام کی تحقیق سے بھی زیادہ وقیع ہے تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ - اگر جناب کی یہ رائے ہے تو مجھے افسوس ہے کہ یہ رائے نہایت قابل حقارت و نفرت ہے -

انبیاء علیہم السلام اور فلاسفہ

اگر آپ نے میری گذشتہ تقریر سیرت پڑھی ہوگی تو آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے بار بار اس امر پر توجہ دلائی ہے کہ حکما اور فلاسفہ صرف ظن اور تخمین کی اتباع کرتے ہیں - ان کے پاس اٹکل ہے ، تجربہ ہے ، اندازہ ہے ، خرص ہے ، اس سے زیادہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے ، ظنون فاسدہ اور اوہام کاسدہ اور دلائل باردہ کا ایک ڈھیر ہے جس سے یہ دنیا کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں - لیکن انبیاء علیہم السلام کے پاس حق ہے مشاہدہ ہے ، آنکھوں کی دیکھی بات ہے - ان کے پاس رائے نہیں ہوتی جس پر بحث کی جائے بلکہ ان کے پاس تو مشاہدہ اور یقین ہوتا ہے جس کی تغلیط و تکذیب نہیں کیجا سکتی - فلاسفہ کے کلام پر بحث کی جاسکتی ہے - ان کے خیالات کا رد کیا جاسکتا ہے - بسا اوقات وہ خود بھی اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں

جن لوگوں نے فلاسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابتداء میں اگر انہوں نے کسی مسئلہ کے متعلق کوئی رائے قائم کی تھی۔ اور بعد میں اُن کو اپنی غلطی محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیا۔ اکثر ملحدین نے مرتے وقت اپنی خیالات کی تبدیلی کا اعلان کیا۔ جہاں ظن اور قیاس ہوگا وہاں تمام طور سے یہ تبدیلیاں آپکو نظر آئیں گی۔ لیکن انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آپ ایک ایسا واقعہ بھی نہیں بیان کر سکتے جہاں انہوں نے اپنے نظریہ میں تبدیلی کا اعلان کیا ہو، توحید الٰہی۔ وجود خداوندی۔ قیامت۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، یہ وہ موٹے موٹے اصول ہیں جن کی حمایت ہر زمانے کے پیغمبر نے کی ہے۔ اور اس مضبوطی اور یقین کے ساتھ کی ہے کہ ان کو کبھی اپنی زندگی میں اس بات کا وہم بھی نہیں ہوا کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں، اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے...

یقین اور شک

میرے دوستو! کیا تم یقین اور شک کا فرق نہیں سمجھتے۔ ایک فریق کے پاس شک ہے اور ایک کے پاس یقین ہے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں ان دونوں میں کس کی بات قابل اعتبار ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اندازے اور تخمین سے کہتا ہے، آج ۵ ربیع الاوّل ہے لیکن ایک وہ شخص ہے جس نے اتوار کی شام کو اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے تو کیا آپ کے نزدیک دونوں کی حیثیت برابر ہے۔ ایک وہ ہے جو زمین پر بیٹھ کر آسمان کے متعلق رائے قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں ہے صرف حدِ نگاہ کا نام آسمان ہے۔ ایک وہ ہے جو آسمان تک گیا ہے اس نے آسمانوں کی سیر کی ہے وہ کہتا ہے میں آسمانوں کو دیکھکر آیا ہوں تو کیا آپ کے نزدیک یہ دونوں برابر ہیں۔ ایک شخص کے پاس دلائل تو ہیں مگر ایسے دلائل ہیں جن کا مبنیٰ ظنیات ہیں، اور ایک شخص کے پاس دلائل کا طومار نہ سہی لیکن بات اور واقعہ اس کا

چشم دید ہے اگر ان دونوں میں اختلاف ہو تو آپ کے نزدیک کس کی بات صحیح ہوگی
اسی فرق کی طرف حضرت حق نے اشارہ فرمایا ہے ارشاد فرماتے ہیں مالھم بہٖ من
علم الا اتباع الظن۔ ان لوگوں کے پاس صرف اٹکل کی پیروی ہے ان کو صحیح
علم حاصل نہیں ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں ان عندکم من سلطٰن بھٰذا،
تمہارے پاس کوئی دلیل اور سند نہیں ہے۔ اٹکل سے گھڑت باتیں کرتے ہو۔
پندرہویں پارے میں ارشاد ہے مالھم بہٖ من علم ولا لاٰبآئھم کبرت
کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ علم نہ ان کے پاس ہے
نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھا باوجود اس جہالت کے منہ سے ایسی باتیں کہتے
ہیں جو نہایت خوفناک ہیں یہ سوائے جھوٹی باتوں کے اور کچھ نہیں کہتے۔ ایک اور
مقام پر فرماتے ہیں وما لھم بذٰلک من علم ان ھم الا یظنون۔ ان کے پاس
کوئی صحیح علم نہیں محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں اور گمان کی پیروی کرتے ہیں۔
سورۂ نجم میں ارشاد ہوتا ہے مالھم بہٖ من علم ان یتبعون الا الظن وان
الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ ان لوگوں کے پاس کوئی پکی اور پختہ بات نہیں ہے
محض گمان اور اٹکل کی پیروی ہے اور کہیں گمان اور ظن بھی حق و یقین کا ہمسر
ہو سکتا ہے۔ اور فرماتے ہیں ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس
یہ سوائے اٹکل اور اپنے غلط نظریوں کے کسی دوسری چیز کی پیروی نہیں کرتے،

روشنی اور تاریکی

میرے عزیزو! ایکطرف نور ہے اور ایکطرف تاریکی۔ ایکطرف موت ہے اور
ایکطرف زندگی۔ ایکطرف اندھے ہیں اور دوسری طرف آنکھوں والے، ایکطرف
بہرے ہیں اور ایکطرف کانوں والے، ایکطرف گمراہی کی حرارت اور گرمی ہے اور
ایکطرف ہدایت کا نور اور اسکی ٹھنڈک ہے، ایکطرف جہلا کا زبان دراز گروہ ہے

اور ایکطرف علما اور متدین حضرات کی جماعت ہے، ایک طرف چند تجربات اور چند تھیوریاں ہیں اور ایکطرف مشاہدات و یقین اور اذعان و علم کا اطمینان ہے۔ تو کیا یہ دونوں جماعتیں آپ کے نزدیک برابر ہیں۔ اسی فرق کیجانب حضرت حق نے متعدد مقامات پر تصریح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

هل یستوی الاعمی والبصیر کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہے؟
افلا تتفکرون تم لوگ غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے۔

سورۂ فاطر میں فرماتے ہیں۔

وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمت ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات۔
اندھے اور آنکھوں والے برابر نہیں اور نہ نور و تاریکی برابر ہے اور نہ حرارت و برودت اور دھوپ اور سایہ مساوی ہے اور نہ مردے اور زندہ برابر ہیں۔

سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے۔

هل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون
کیا ذی علم اور جاہل دونوں برابر ہیں۔

اسی فرق کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مثل الفریقین کالاعمی والاصم والبصیر والسمیع هل یستویان مثلا افلا تذکرون
دونوں جماعتوں یعنی انبیا اور فلاسفر کی مثال ایسی ہے کہ ایکطرف اندھے اور بہرے ہیں اور دوسری طرف کان اور آنکھوں والے ہیں کیا یہ دونوں جماعتیں برابر ہو سکتی ہیں پھر تم کو کیا ہو گیا کہ صحیح بات پر غور نہیں کرتے۔

میرے محترم دوستو! یہ ان لوگوں کا نقشہ ہے جن کی تحقیق کو تم نص قرآنی سمجھے بیٹھے ہو۔ خواہ وہ آپکے ہیومر ہوں یا سقراط، افلاطون ہوں یا ٹیلر۔ ڈے کارڈ

ابراہیم ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی دولت و ریاست کو چھوڑ کر فقیری
اختیار کر لی تھی۔ اس تبدیلی خیالات کے اسباب کچھ بھی ہوں بہر حال دنیا کو
چھوڑ کر فقیری اختیار کر لینا بڑے حوصلہ مندوں کا کام ہے۔ اس تبدیلی کے بعد
ابراہیم ادہم جس مقام پر پہنچے اور جو مدارج علیا طے کئے اُن کے ذکر کا یہ وقت نہیں
ہے۔ ہر چند کہ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ مادی حکومت سے دست کش ہو گئے
تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو روحانی طاقت کے اُن مراتب پر فائز کر دیا جو ہر
شخص کا حصہ نہیں ہیں۔ یہی ابراہیم ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ ایک رئیس بھی
اس جہاز میں سوار تھا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر اس رئیس نے اپنے ملازموں
اور حاشیہ نشینوں سے کہا ہمارے لئے کوئی تفریح کا سامان مہیا کرو۔ ملازموں نے
کہا ہم کو ایک ایسا آدمی دیا جائے جس پر ہم کوئی نقل کریں۔ کشتی کے مسافروں پر
نظر ڈالی تو حضرت ابراہیم ادہم ایک سیدھے سادے اور بے تکلف سے آدمی
معلوم ہوئے۔ رئیس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ ملازمین نے ان کو چھیڑنا شروع
اور چپت مارنا شروع کر دیا۔ جب رئیس کی یہ ناشائستہ حرکت حد سے تجاوز کر گئی
تو حضرت حق کی طرف سے ارشاد ہوا ابراہیم ہم اس جہاز کو غرق کر دیتے ہیں۔
حضرت ابراہیم نے عرض کیا اے پروردگار ان کو غرق کرنے کی بجائے ان کے قلوب
کو ہدایت سے نواز دے تجھ کو غرق کرنا بھی آسان ہے اور ڈوبتے ہوؤں کو بچانا
بھی آسان ہے حضرت ابراہیم کی یہ دعا قبول ہو گئی اور رئیس نے اپنے پیشہ
کے تائب ہو گیا اور حضرت ابراہیم ادہم سے اُس نے معافی طلب کی۔

حضرت ابراہیم بن ادہم کا ایک اور واقعہ

حضرت ابراہیم ادہم کی زندگی کے بہت سے واقعات اسی قسم کے ہیں جن سے آپ کی
اخلاقی قوت و طاقت نمایاں ہوتی ہے۔ ایک سوار کا قصہ بہت مشہور ہے اُس نے

ان سے آبادی دریافت کی تھی حضرت ابراہیم نے اسکو قبرستان کی جانب اشارہ کردیا وہ وہاں سے نہایت غصّے میں پلٹ کر آیا اور اس نے حضرت ابراہیم کو مارنا شروع کر دیا لوگ جمع ہوگئے اور انہوں نے اس سوار کو تنبیہ کی ارے کمبخت یہ تو بہت بزرگ ہیں۔ اُس نے کہا یہ کیسے بزرگ ہیں انہوں نے مجکو دہوکہ دیا میں نے ان سے آبادی دریافت کی تھی انہوں نے مجکو گورستان بتادیا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا میں نے تجکو دہوکہ نہیں دیا تو نے مجھ سے آبادی کو دریافت کیا تھا میں تو صبح سے شام تک یہی دیکھتا ہوں کہ لوگ شہر سے آتے ہیں اور گورستان میں جاکر آباد ہوتے ہیں گورستان آباد ہوتا ہے اور شہر خالی ہوتا ہے جو جگہ روز خالی ہوتی ہو اس کو آبادی نہیں کہتے۔ سوار اس حقیقت کو سننے کے بعد بہت شرمندہ ہوا اور حضرت ابراہیم سے اپنی غلطی کی معافی کا خواستگار ہوا حضرت ابراہیم نے فرمایا تو ایک کوڑا مارکر جب دوسری بار اپنا کوڑا اُٹھاتا تھا میں اُسی وقت پہلے کوڑے کو معاف کر دیا کرتا تھا۔ یہ حضرات ہیں جنکو اخلاق کا بہت بڑا حصّہ ملا تھا اور حقیقتہً عزائم امور کے یہی بزرگ وارث تھے باوجود اس مرتبہ کے تواضع اور انکساری کی یہ حالت ہے کہ کسی نے دریافت کیا ابراہیم کیا شغل ہے فرمانے لگے شغل کیا ہے اپنی تو یہ حالت ہے ؎

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا ✽ فلادیننا یبقے ولاما نرقع
فطوبیٰ لعبد اٰثر اللہ ربّہ ✽ وجاد بدنیاہ لما یتوقع

یعنی اپنے دین کو پھاڑ پھاڑ کر دنیا میں پیوند لگا رہے ہیں اور دنیا کے لئے دین کو برباد کر رہے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھی نہیں رہتی اور دین بھی ختم ہو جاتا ہے، مبارک وہ بندہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو اختیار کر لیا اور دنیا کو آخرت کی اُمیدوں کے لیے قربان کر دیا۔

شہدائے بیرمعونہ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت حق جل مجدہ اگر اس

اُمت سے ناراض ہوتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرماتے ہیں،
جیساکہ طائف اور غزوہ احد میں وقوع پذیر ہوا اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ درمیان میں مداخلت
فرماکر حضور کے غصّہ کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں جیساکہ بیرمعونہ پر جو صحابہ شہید کیے
گئے تھے اُن کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا تھا اور آپ نے
کفار کے اُن قبائل کو بددُعا دی تھی جو ان صحابہ کرام کو شہید کرنے میں شریک تھے
آپ نے نماز میں اُن کے لیے بددُعا شروع کی اور جب اس بددعا کا سلسلہ طویل ہوا
تو حضرت حق نے ارشاد فرمایا لیس لک من الامر شئ اویتوب علیہم
اویعذبھم فانھم ظلمون ۔ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ ان لوگوں کی
ہلاکت وتباہی کیلئے دُعا کریں بلکہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم چاہیں اُن کو توبہ کی توفیق
دیدیں اور وہ مسلمان ہوجائیں یا اُن کو عذاب کریں اور اُن کو اُن کے ظلم کا بدلہ دیں

حضرت حمزہ کا واقعہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر بھی
ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا، سرکار سخت رنجیدہ تھے، اُسی رنج وافسوس کیحالت
میں آپ نے آمادگی ظاہر کی اور فرمایا کفار پر ستر بار بددعا کروں گا ۔ اس موقع پر بھی
حضرت حق نے سفارش کرتے ہوئے فرمایا وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما
عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصبرین ۔ اگر آپ بدلہ ہی لینا
چاہتے ہیں تو اتنا ہی بدلہ لیجئے جتنا آپ کے ساتھ ظلم ہوا ہے اور اگر آپ صبر کرلیں
تو اللہ تعالیٰ صابروں اور ضبط کرنے والوں کو بہترین بدلہ دینے والا ہے چنانچہ
اس آیت کے بعد آپ نے اپنے ارادہ کو ترک کردیا اور حضرت حمزہ کی شہادت پر
صبر کیا ۔ یہ بحث تو بیچ میں آگئی تھی اور آئی بھی کہاں سے تھی اس آیت سے شروع
ہوئی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمائی تھی ۔

تندی و ترشی یا تختیات سے کام نہ لیجئے بلکہ تبلیغ کی راہ میں صبر و تحمل سے کام لیجئے۔

کفار مکہ اور رحمۃ للعالمین | اسی قسم کا ایک اور واقعہ ذہن میں آگیا، ذرا اپنے موضوع سے دور جا پڑوں گا، لیکن اب جو چیز خود بخود ذہن میں آجائے اسکے چھپانے کو جی نہیں چاہتا، ایک قاضی صاحب کا واقعہ ہے جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو ان کی بیوی نے مرغی کی ہنڈیا سامنے رکھدی، قاضی صاحبؒ نے دریافت کیا یہ مرغی کہاں سے آئی۔ بیوی نے جواب دیا کسی محلہ والے کی آگئی تھی، قاضی صاحبؒ نے کہا یہ تو حرام ہے بیوی نے کہا میں نے تین آوازیں تو دیدی تھیں کہ کسی کی مرغی ہے تو لیجاوٗ۔ قاضی صاحب نے فرمایا تین آوازوں سے کیا ہوتا ہے یہ تو بہر حال حرام ہے، بیوی نے کہا اب تو معذوری ہے۔ تھوڑی دیر میں قاضی صاحبؒ نے سوچ کر فرمایا اچھا گھی اور مسالہ کس کا ہے بیوی نے کہا وہ تو اپنے گھر کا ہے، قاضی صاحب نے فرمایا اچھا تو شوربا دیدو، بیوی پیالے میں شوربا نکال رہی تھیں کہ ہنڈیا میں سے ایک بوٹی بھی آپڑی۔ بیوی نے چاہا بوٹی اٹھا کر ہنڈیا میں ڈالدیں، قاضی صاحبؒ نے فرمایا جو خود آئے اُسے آنے دو، بیوی نے کہا یوں تو مرغی بھی خود ہی آئی تھی میں تھوڑی بلانے گئی تھی۔ قاضی صاحب نے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر ہنڈیا کو پیالے ہی میں لوٹ دو۔

بھائی اگر کوئی چیز خود بخود ذہن میں آجائے تو اُسے سن لیجئے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسی سے نفع پہنچائے کیونکہ ذہن میں ڈالنے والے بھی تو وہی ہیں۔

کفار مکہ کا مطالبہ | کفار نے حرم میں جمع ہو کر خدا تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کی اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ یا اللہ اگر یہ قرآن جو محمد بن عبداللہ لائے ہیں تیرا نازل کیا ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب

نازل کردے، کفار نے یہ دعا ان الفاظ میں کی کہ جن سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی پریشان ہوئے اور وہ حضرات جو قرآن کو حق سمجھتے تھے ان کو عذاب نازل ہونے کا یقین ہوگیا کیونکہ عذاب کو کفار نے قرآن کی صداقت کے ساتھ مشروط کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر قرآن حق نہیں ہے تو عذاب نازل نہ ہو اور اگر قرآن سچی کتاب ہے تو عذاب نازل ہو جائے، ان ظالموں نے قرآن کی صداقت و عدم صداقت کو نزول عذاب کے ساتھ دائر کردیا تھا۔

کفار کی دعا کا جواب ایک طرف کفار کا یہ خطرناک مطالبہ ہے اگر عذاب نازل نہیں ہوتا تو قرآن کی صداقت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر حرف آتا ہے، اور اگر عذاب نازل ہوتا ہے تو اگرچہ قرآن کی حقانیت ثابت ہو جاتی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رحمت و شفقت کی شہرت کو نقصان پہنچتا ہے حضرت حق جل مجدہ نے رحمۃ للعالمین کی عام شہرت کا تحفظ فرمایا اور کفار کے مطالبہ کا جواب ان الفاظ میں دیا۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں کہ آپ مکہ معظمہ میں موجود ہیں، ان پر عذاب کس طرح نازل کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ جو لوگ عذاب طلب کررہے ہیں ان پر اگر عذاب نازل بھی ہو جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اسی لئے بار بار قرآن میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے۔ ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ وکلمھم الموتی وحشرنا علیھم کل شیء قبلا۔ اگر ہم ان کی فرمائش کے مطابق قرآن کی صداقت کیلئے ان پر فرشتے نازل کردیں اور مردے ہوئے لوگ زندہ ہو کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور جن جن باتوں کا یہ مطالبہ کرتے ہیں وہ باتیں ان کے سامنے جمع کردی جائیں تب بھی یہ ایمان نہ لائیں گے اسی طرح سورۂ حجر میں فرمایا ولو فتحنا

علیہم بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون - اگر آسمانوں کے دروازے ان کے لئے کھول دئے جائیں اور یہ آسمانوں پر چڑھ جائیں تب بھی اسلام کو قبول نہیں کریں گے بلکہ یہ کہیں گے ہم پر جادو کر دیا ہے اور ہماری دیدہ بینا بند کر دی گئی ہے -

گمراہی کا محاصرہ صاحب! یہ گمراہی اور ضلالت بھی ایسی بری بلا ہے کہ جب کسی بدقسمت انسان کو گھیر لیتی ہے اور اس کا محاصرہ کر لیتی ہے تو پھر اس سے نجات آسان کام نہیں ہے۔ انسان بعض دفعہ حق کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح کوئی آفتاب کو دیکھتا ہے لیکن باوجود حق کو سمجھنے اور دیکھنے کے پھر بھی وہ اعراض کرتا ہے اور انکار پر آمادہ رہتا ہے - [illegible] ان میں عصبیت اور حمیت جاہلیت بہت زیادہ ہوتی - لیکن آج آپ کی پڑھی لکھی دنیا اسلام کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے کیا عیسائی دنیا اسلام کے خلاف جو کچھ کر رہی ہے وہ جان بوجھ کر نہیں کر رہی ہے کیا کارلائل نے جس کے آپ بڑے معتقد ہیں قرآن کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ واقعی صحیح سمجھ کر کہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور اُن کی لائی ہوئی کتاب کی توہین یہ ایسی دو متضاد باتیں ہیں جو کارلائل جیسے سمجھدار آدمی ہی کی قلم سے نکل سکتی ہیں اور تو دنیا کا کوئی پڑھا لکھا انسان ایسی حماقت نہیں کر سکتا - ہندوستان کے ہندو اسلام کے خلاف جو زہر اگلتے رہتے ہیں کیا وہ واقعی جہالت سے ایسا کرتے ہیں، کیا وہ اسلام کو نہیں جانتے کیا اُن کا یہ پروپگنڈا حقیقتاً صداقت و راستبازی پر مبنی ہے کیا وہ مسلمانوں کے عقائد اور اُن کے اعمال سے واقفیت نہیں رکھتے - کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس سے ناآشنا ہیں -

پست اقوام کے لیڈر کا ایک واقعہ گذشتہ رمضان کا ذکر ہے ایک صاحب

بڑے سوٹڈ بوٹڈ میرے مکان پر تشریف لائے میں نے دریافت کیا جناب کون ہیں
فرمانے لگے جناب میں پست اقوام کا نمائندہ ہوں۔ میں نے عرض کیا میرے پاس
کیوں تشریف لائے ہیں میں تو آپ کی برادری کا نہیں ہوں اور میں جس برادری
سے تعلق رکھتا ہوں اس میں کوئی نہ پست ہے نہ کوئی ذلیل ہے۔ کہنے لگے جناب
ہم دہلی میں اپنی ایک کانفرنس کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو تو ہماری مدد نہیں کرتے،
آپ ہماری امداد کیجئے۔ میں نے کہا بھائی صاحب! آج کل کی دنیا کاروباری دنیا
ہے۔ مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سنکر اس نمائندہ نے کہا ہم اپنی کانفرنس میں تمام مذاہب
کے لوگوں کو دعوت دیں گے کہ وہ اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں
ہماری سمجھ میں جو مذہب آجائے گا اُسے ہم قبول کریں گے اور شاید ہم اسلام ہی
قبول کرلیں۔ میں نے ان کی یہ باتیں سنکر اُن سے عرض کیا جناب کی ذات کیا ہے
فرمایا میں چمار ہوں۔ ملک کا نمائندہ ہوں اور دلی سے آیا ہوں ہم چمار کانفرنس کر رہے
ہیں اور مذہب پرچار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہماری مدد کیجئے اور ہم کو مسلمانوں سے
چندہ کرا دیجئے۔ میں نے ان کی تمام گفتگو سننے کے بعد اُن سے کہا۔ جناب آپ
مسلمانوں کو ہزار برس سے دیکھ رہے ہیں، آپ کی عورتیں ہمارے گھروں میں
آتی ہیں گھر کے تمام کام کرتی ہیں محنت مزدوری کرتی ہیں لیکن آپ ابھی تک
اسلام سے واقف نہیں ہیں، آپ چاہتے ہیں جو آپ کو اسلام سمجھایا جائے،
ہماری عبادات سے آپ واقف، ہمارے عقائد سے آپ واقف، پچاس دفعہ
صبح سے شام تک کہتے ہو مسلمانوں کا مذہب پکا ہے اور پھر ابھی تک تم اسلام
سے نا آشنا ہو، تمہارا مقصد اسلام لانا نہیں ہے بلکہ تم ہندوؤں کو دھمکی دیکر
حقوق حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں تم جاؤ اور ہندو جانیں
ہمارے پاس نہ اتنا روپیہ ہے نہ اتنا وقت ہے کہ ہم تمہارے حقوق کیلئے

سے لڑیں تم ہمارے کندھے پر بندوق رکھ کر چھوڑنا چاہتے ہو۔ ہندوؤں سے کہو گے ہم مسلمان ہوتے ہیں ورنہ ہم کو حقوق دلواؤ۔ ان سے حقوق حاصل کرنا تمہارا اصلی مقصد ہے۔ اس سے زیادہ نہ تمہاری غرض ہے اور نہ تمہاری خواہش ہے رہا تمہارا مسلمان ہونا تو تم کو ہزار بار خواہش ہوا اور تم یہ سمجھو کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب واقعی مذہب ہے تو وہ اسلام ہے تب مسلمان ہو جاؤ ورنہ جوتے ہیں جاؤ ہمارے پاس کھرا سونا ہے ہم کو خوشامد کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی مرنے کے بعد نجات چاہتا ہے تو اس کے لئے اسلام کے دامن پھیلے ہوئے ہیں ورنہ اسے چاہئے کہ وہ اپنی راہ لے اگر تم سمجھتے ہو کہ مسلمان ہونے کے بعد تم کو وہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو تم کو تمہاری قوم ہزار برس بھی نہیں دے گی تو آؤ اسلامی برادری کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ورنہ بالخیر و شما بسلامت، ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے اگر تم کو اپنی بھلائی اور خیریت و انسانیت کی ضرورت ہے تو آجاؤ ورنہ جاؤ۔

ٹوڈی مسلمانوں کی تعریف یہ نمائندے صاحب میرے اس خشک جواب سے بہت متاثر ہوئے اور فرمانے لگے جناب معاف کیجئے، ان کانگریسی مسلمانوں سے تو وہ سرکاری مسلمان اچھے ہیں۔ جنہوں نے انگلستان میں ہماری بڑی مدد کی اور ہم کو ہندوؤں سے علیحدہ حقوق دلوائے اور ہندوؤں سے علیحدہ ایک جماعت تسلیم کرانے میں ہماری امداد کی میں نے اُن سے کہا بابوجی! آپ کو بی۔اے کس گدھے نے کر دیا ہے آپ کو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ کو علیحدہ ایک اقلیت تسلیم کرانے کی غرض کیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کارروائی آپ کی بھلائی کیلئے کی گئی ہے؟ یا آپ کو انگریز نے اپنی غرض کے لئے آلہ کار بنایا ہے چاپلوس ٹوڈی مسلمانوں نے محض انگریز کی خواہش پوری کرنے کیلئے اپنا نقصان کیا ہے

میاں فضل حسین کی غلط پالیسی

صاحبو! مجھے افسوس ہے کہ آج پھر ایک تلخ بحث آ گئی، میں تقریر سیرت کو اس سے بچانا چاہتا تھا مگر کیا کروں ایک چیز آ گئی اور وہی مرغی والا قصہ ہے کہ اچھوت جو کچھ دن آپ سے علیحدہ ہو رہے ہیں اپنے قوم کی علیحدگی اور ان کو اقلیت تسلیم کرنے کی پالیسی اصل میں میاں فضل حسین کی ایک ایسی غلط پالیسی ہے جس کا اثر اگر یہ پالیسی کامیاب ہو گئی تو ہمیشہ کے لئے ہو گا جس کی تلافی ناممکن ہو گی۔ اچھوتوں کی ایک جداگانہ اقلیت کا تعلق جہاں تک مسلمانوں سے ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑھکر مسلمانوں کی کوئی حماقت نہیں ہو سکتی کہ وہ اچھوت اقوام کو ہندوؤں سے علیحدہ ایک اقلیت تسلیم کریں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر اس پالیسی سے ہندوؤں کو چڑانا اور پریشان کرنا مقصود ہو تو یہ پالیسی بہت اچھی ہے لیکن سوائے میاں فضل حسین اور ان کی ذریت کے کون ایسا احمق مسلمان ہو گا جو پرائے شگون کیلئے اپنی ناک کٹائے گا محض انگریزوں کو خوش کرنے اور ہندوؤں کو چڑانے کیلئے اپنے پاؤں میں کلہاڑی مار کر بیٹھ جائے صرف اتنی بات کے لئے کہ انگریزوں کا کام ہو جائے اور ہندوؤں کے دو حصے ہو جائیں کوئی مسلمان اپنی تباہی کے لئے یہ پالیسی نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی لغو حرکت وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں نہ خدا کا خوف ہو اور نہ اس کے دل میں مسلمانوں کی محبت ہو بلکہ اس کا مقصد انگریزی حکومت کو خوش کر کے اپنے لئے ذاتی نفع حاصل کرنا ہو

یہ مہرہ ہمارے لئے بیکار ہو جائیگا

صرف یہی بات نہیں کہ سکھوں کی طرح اچھوت اقوام کی علیحدگی مسلمانوں کے لئے پریشان کن ہو گی بلکہ یہ مہرہ اسوقت تو اس لئے اچھا معلوم ہو رہا ہے

کہ اس کی علیحدگی سے ہندو اکثریت کی تقسیم ہو جاتی ہے لیکن اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ یہی مہرہ جو تازہ تازہ وفادار ہوگا اس کو بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ مسلمانوں کو بھی کسی نہ کسی دن حکومت سے مقابلہ کرنا ہے یہ دوستی ہمیشہ تو نبھنے والی نہیں۔

اچھی ہندو جس کی گھٹی میں غلامی، حکومت پرستی اور وفاداری پڑی ہوئی ہے اور جس کی نگاہیں ہندوستان کی چار دیواری کے باہر جانے کی عادی نہیں ہیں وہ حکومت سے برسرپیکار ہو سکتا ہے تو مسلمان جس کا مفاد قدم قدم پر انگریزوں سے ٹکراتا ہے وہ کب تک وفادار رہے گا؟ اگرچہ ہماری بے حیائی اور بے غیرتی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ نہ کراچی کے ہولناک واقعہ سے متاثر ہوئی ہے نہ عقبہ اور معان کی دست بردسے ہماری وفاداری متزلزل ہوتی ہے، لیکن آخر تا کجے اگر خدانخواستہ کسی دن مسلمانوں نے بھی آنکھیں بدلیں اور ہندوؤں نے حکومت کا ساتھ نہ دیا تو اسوقت یہی پست اقوام کا مہرہ ہوگا جسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ آخر انگریز کو تو ہندوستان پر حکومت کرنی ہے وہ تمہاری طرح بے وقوف تو نہیں ہے کہ جس طرح تم اسپین کو چھوڑ کر بھاگ آئے تھے وہ بھی ہندوستان کو چھوڑ کر بھاگ جائے پھر اگر تم باوجود لکھے پڑھے ہونے اور سینکڑوں برس حکومت کرنے کے بعد بھی اپنے ملک و قوم کے غدار ہو سکتے ہو اور ہندو کے مقابلے میں انگریز سے مل کر تحریک آزادی کو کچلوا سکتے ہو تو پھر چمار اور بھنگیوں کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے وہ تو بقول ہندوؤں کے پانچ ہزار برس کے غلام ہیں اور ابھی بہت پیچھے ہیں وہ تمہارے مقابلہ میں کیوں نہیں آسکتے اور حکومت سے ملکر اسی طرح تم کو شکست کیوں نہیں دے سکتے جس طرح تم نے حکومت سے مل کر ہندوؤں کو شکست

دی ہے بہر حال پست اقوام کو علیحدہ کرنے اور ان کو جداگانہ نیابت دینے سے جو نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا اُس کا اندازہ اسوقت کرنا مشکل ہے، خدا کا شکر کرو کہ یہ بلا ٹل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک سیاسی مصیبت سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

وطنی جماعت کی شرکت

کیا جو لوگ آزادی کے نام پر کوئی تحریک جاری کریں اُن کے ساتھ شریک ہو جانا کوئی گناہ کی بات ہے۔ کیوں صاحب! کیا ہم کو اسپین سے نہیں نکالا گیا، کیا ہم کو مالٹا سے نہیں نکالا گیا کیا ہم کو شام سے نہیں نکالا گیا، کیا ہم کو یونان اور ہنگری سے نہیں نکالا گیا دنیا کا وہ کون سا حصہ ہے جہاں ہماری حکومت نہ تھی اور ہم کو وہاں سے نہیں نکالا گیا اور ہمارا سیاسی اقتدار نہیں مٹایا گیا، کیا یولا جیس کے رضاکاروں نے ہم کو اسپین کی حکومت سے دستبردار ہونے پر مجبور نہیں کیا آج دنیا میں کوئی قوم کسی دوسری قوم کو برداشت کر سکتی ہے، کیا چینی اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان پر جاپانی حکومت کریں، کیا روسی اس بات کو گوارا کر سکتے ہیں کہ ایرانی ان پر حکومت کریں، کیا افغانی اس امر کو برداشت کر سکتے ہیں کہ اٹلی اُن پر حکومت کرے، کیا ابن سعود اسکو گوارا کر سکتا ہے کہ عرب پر ترک حکومت کریں۔ ارے! اور تو اور ابی سینیا کے حبشی تو اس کو برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ اُن پر اٹلی کی مہذب قوم حکومت کرے پھر اگر دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے اور پانچسو برس سے ہمارے ساتھ یہی سلوک ہو رہا ہے کہ ہر جگہ سے ہم کو نکالا جا رہا ہے تو وہی کام ہم کر رہے ہیں، خدا کے واسطے ہم نے کون سا نیا گناہ کیا ہے، ہم نے تو وہ مقدس کام کیا ہے کہ اگر تم میں ایمان اور اپنے وطن کی محبت ہوتی تو تم بھی وہی کرتے جو گذشتہ دور میں ہم نے کیا ہے لیکن اتنا یاد

رکھو اگرچہ تم اس عمل خیر سے محروم رہے لیکن تمہاری اولاد تم جیسی وطن فروش نہ ہوگی بہر حال یہ تو وہ گناہ ہے کہ ہمیشہ کمزور نے زبردست کے خلاف کیا ہے، این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔

ہندوؤں سے کون ملا ہوا ہے

خدا جانے تم کو کس احمق نے ایک سبق یاد کرا دیا ہے کہ جمعیۃ علما کے مولوی ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں، کیوں صاحب ہم تو محض پلیٹ فارم پر بیٹھنے اور کانگریس میں شریک ہونے کے باعث ہندوؤں سے مل گئے اور تم ہندوؤں کی سینکڑوں رسمیں اپنے گھروں میں جاری کر کے بھی ہندوؤں سے نہیں ملے۔

تم شادی غمی میں سینکڑوں وہ رسمیں کرتے ہو جو ہندو اپنی شادی غمی میں کرتے ہیں لیکن تم ہندوؤں سے ملے ہوئے نہیں ہو۔ دولہا کے سہرا باندھنا کنگنا باندھنا، گھوڑے پر بٹھا کر بیاہنا، ناگپور میں نہاری کی رسم، ساچق میں میووں کی ہنڈیاں بھیجنا، چوتھی کھیلنا، چلے کرنا، اسی طرح غمی میں پھول کرنا، تیجہ کرنا، ناتم کرنا، یہ تمام رسومات جو آپ کے ہاں ہوتی ہیں اور جن کے نام بھی ابھی تک ہندوانی ہیں، کیا جناب یہ رسمیں مکہ اور مدینہ سے لیکر آئے تھے، اور آرسی مصحف کی رسم کیا مدینہ میں ہوا کرتی تھی۔

تم کو شرم نہیں آتی تمہارا ایک بھائی مسلمان دکان کھول کر بیٹھتا ہے تم اس سے سودا نہیں لیتے اور اس کے مقابل ہندو سے سودا لیتے ہو اور تم ہندوؤں سے ملے ہوئے نہیں ہو۔ ہندوؤں کے سے نام رکھتے ہو۔ بچوں کے سروں پر چوٹیاں رکھتے ہو، گلے میں پیروں کے نام کے کلاوے ڈالتے ہو، غرض وہ کونسی کفر و شرک کی رسم ہے جو تم نہیں کرتے لیکن تم سب کچھ کرنے کے بعد بھی ہندوؤں سے ملے ہوئے نہیں ہو اور کانگریسی مسلمان ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں اگر تم مجکو

اجازت دو تو سینکڑوں ایسی رسمیں تمہارے گھروں سے نکال کر دکھلا دوں جو
تم نے ایران اور ہندوستان سے لی ہیں اور مقدس اسلام میں ان کا وجود
بھی نہیں ہے لیکن تم نے ان کو اپنے گھروں میں اس طرح رائج کر دیا ہے کہ اب ان کا علیحدہ
کرنا مشکل ہو گیا ہے اور اب ان رسموں پر اس مضبوطی سے عمل کرتے ہو کہ ان کا چھوڑنا
تو کیسا کوئی ان کے خلاف منہ سے ایک لفظ بھی نکالے تو اس کے دشمن ہو جاتے ہو
کیا ان ہندوانی رسومات کی پابندی کے بعد بھی تم ہندوؤں سے ملے ہوئے نہیں
ہو لیکن تمہارے پاس غیرت و حیا ہو تو تم کو غور و فکر کا موقع ملے۔

چماروں کا نمائندہ

میں عرض کر رہا تھا کہ وہ صاحب جو بہت سوٹڈ بوٹڈ
تھے اور اپنے کو چماروں کا نمائندہ بتاتے تھے میری
خشک باتوں سے بہت مایوس ہوئے لیکن میں نے ان سے صاف طور پر کہدیا
کہ تم جانتے ہو اسلام ایک سچا مذہب ہے اور اس کے اصول انسانی ارتقا کیلئے
مفید ہیں لیکن باوجود جاننے کے تم اسلام قبول نہیں کرتے تمہارے سامنے مذہب
کا سوال نہیں ہے بلکہ تمہارے سامنے قومیت کا تحفظ ہے۔ ہندوؤں کو ہمیشہ
فکر ہے کہ کہیں ہندو قوم مسلمانوں میں جذب نہ ہو جائے، عیسائیوں کو بھی یہی
خطرہ ہے کہ کہیں مسلمان عیسائیوں کو نہ کھا جائیں جب اس روشنی کے زمانہ
میں لوگوں کی تنگ ظرفی اور حمیت جاہلیت کی یہ حالت ہے اور قوم پرستی کے
پیچھے ایسے دیوانے ہیں کہ اسلام جیسے مقدس مذہب کو حق جانتے ہوئے بھی
نہیں قبول کرتے تو بھلا کفار مکہ کی عصبیت کا کیا ٹھکانہ ہوگا، وہ نمائندے صاحب
یہ کہکر تشریف لیگئے کہ اچھا صاحب پھر کسی وقت حاضر ہوں گا بہر حال میری
گذارش کا مطلب یہ ہے کہ وہ کون سا غیر مسلم ہے جو ہم سے واقف نہیں ہے یا
ہماری تہذیب سے ناآشنا ہے۔

ہم اپنے سے خود واقف نہیں

ہاں اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ہم سے تو تمام دنیا واقف ہے لیکن ہم خود نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں اگر ہم دنیا کی طرح ہم خود اپنے سے واقف ہوتے تو شاید آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی تم انبیاء علیہم السلام کے نام لیوا ہو کر ہر ملحد و بے دین کے پیچھے ہو لیتے ہو تم کو خبر نہیں کہ تمہارا جس جماعت کے ساتھ تعلق ہے وہ جماعت کسی کے پیچھے چلنے نہیں آئی تھی بلکہ دوسروں کو اپنی اتباع و اقتداء کا سبق دینے آئی تھی، آپ تمام پیغمبروں کی زندگی پڑھ جائیے ہر نبی یہی کہتا ہے انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ و اطیعون میں ایک خدا کا رسول ہوں اس کی وحی کا امین ہوں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو، آج تمہاری حالت یہ ہے کہ تم مقتدا بن کر مقتدی اور متبوع بنکر تابع بن گئے ہو۔

خدائی تہذیب کے نمونے

آج اگر دنیا میں یہ سوال پیدا ہو کہ خدا اپنے بندوں کو جس تہذیب اور جس پروگرام پر عمل کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے وہ کونسی تہذیب ہے اور وہ کون سا انسان ہے جو خدا کے پروگرام پر عمل کرتا ہے تو تم ہی بتاؤ کہ کیا سوامی شردھانند اور سوامی دیانند یا پنڈت مالویہ دکھایا جائے گا یا کنٹربری بشپ اور لائڈ جارج کو دکھایا جائے یا ڈاکٹر مونجے کی طرف اشارہ کیا جائے گا، ظاہر ہے کہ صرف ان لوگوں کو بتایا جائیگا جو انبیاء علیہم السلام کے پیرو اور اُن کے نام لیوا ہیں پھر اگر انبیاء علیہم السلام کے نام لیواؤں کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ پیغمبروں کو چھوڑ کر دنیا کے ہر ملحد و بے دین کو اپنا سردار و پیشوا بنائے بیٹھے ہوں اور دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنی تہذیب چھوڑ کر دوسروں کی تہذیب اختیار کر چکے ہوں تو پھر کسے دکھایا جائے؟۔

کیوں صاحب! یہ تو بتائیے کہ آپ ہندوستان میں تقریباً بارہ سو برس سے

رہتے ہیں کیا آپ کو دیکھ کر ہندوؤں نے داڑھی رکھنی شروع کر دی، کیا ہندو
عورتوں نے مسلمان عورتوں کی دیکھا دیکھی پاجامہ پہننا شروع کر دیا، ہندو تو اتنے
قدامت پرست ہیں کہ انہوں نے آج تک اپنے تمدن کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا
گاندھی جی اتنے بڑے لیڈر ہیں اور انگریزی دور کے لیڈر ہیں لیکن ان کی وضع قطع
بالکل پرانے ہندوؤں سے ملتی جلتی ہے۔ اس زمانے میں بھی ہندوؤں کی یہ حالت
ہے کہ ہندی زبان کی حمایت و ترویج میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تقریباً
دو سو سال سے یہاں انگریز بھی تشریف رکھتے ہیں، کیا انگریزوں نے جناب کی ٹوپی
اور انگرکھا استعمال کیا، دہلی کی سلیم شاہی جوتی آپ نے کسی انگریز کو پہنے ہوئے
دیکھا؟ انگریزوں کی عورتیں بھی آپ کے ہاں آتی جاتی ہیں آپ نے کسی میم صاحبہ
کو چوڑی دار پاجامہ یا انگیہ کرتی پہنے ہوئے دیکھا یا کسی یورپین عورت کو برقع
استعمال کرتے ہوئے دیکھا، اکثر عیسائی عورتیں مسلمانوں کی بچیوں کو پڑھانے
آتی ہیں وہ ایک عورت ہوتی ہے جو انگلستان یا امریکہ سے یہاں آتی ہے۔
تمہارے گھر کی بہت سی ہندوستانی عورتیں ایک عورت پر اپنا اثر نہیں ڈال
سکتیں اور اس کے یورپین لباس کو تبدیل نہیں کرا سکتیں۔ انگریز تمہاری تہذیب
کو اختیار نہ کریں۔ نہ وہ تمہارے تمدن کو نقل کر کے دیکھیں اور تمہاری یہ حالت
کہ دنیا بھر کی تہذیب اختیار کر لو گویا تمہاری نہ کوئی تہذیب ہے اور نہ تمہارا کوئی
تمدن ہے۔ ہندوؤں کے میلے تماشے دیکھے تم بھی میلے منانے لگے، ان کو ہولی
میں شراب پی کر ناچتے کودتے دیکھا تم بھی محرم میں تاڑی پی کر ریچھ اور شیر بن گئے
ان کو پتنگ اڑاتے دیکھا تم بھی پتنگ اڑانے لگے، ان کو بسنت پنچمی مناتے دیکھا
تم بھی بسنتیں منانے لگے، انگریزوں کی دیکھا دیکھی داڑھی منڈانے لگے کرزن
کو دیکھا تو مونچھیں منڈا بیٹھے، وہ پگڑی ٹوپی اور عمامہ کو چھوڑ کر ہیٹ کو زیب سر کیا،

یورپین عورتوں نے بال کٹائے تو تم نے اپنی بیوی اور والدہ محترمہ کے بال کتروا دیے یورپین عورتوں کو ہال میں ناچتا دیکھا تو تم بھی اپنی بیوی اور بہن کو نچانے لے گئے اُن کو بے پردہ دیکھ کر تم نے بھی اپنے حرم کا پردہ چاک کر دیا اور یہاں ناگپور میں تو سُنا ہے کہ بعض گھرانوں میں نا اتفاقی کے اسباب یہی ہیں کہ خاوند بے نقاب کرنا چاہتے ہیں اور بیویاں انکار کرتی ہیں گویا میاں بیوی کی ان بن صرف اتنی سی بات پر ہے کہ پردہ اُڑا دیا جائے یا قائم رکھا جائے۔

عورتوں کو عریانی کا شوق

یورپین عورتوں کا شوق عریانی تو اس قدر حد سے تجاوز کر گیا ہے کہ قانون ہی سے مجبور ہیں ورنہ بالکل ہی برہنہ ہو کر بازاروں میں پھریں۔ اب بھی یہ حالت ہے کہ کہ موزے پہنتی ہیں تو اُن کا رنگ جسم کے رنگ سے اسقدر ہم رنگ ہوتا ہے کہ برہنہ ہی معلوم ہوتی ہیں، دور سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ننگی ہیں۔ لیکن قریب جا کر دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ موزے پہنے ہوئی ہیں، یورپین عورتیں تو روز نت نئی چیز پیدا کرتی ہیں اور آپ کی یہ حالت ہے کہ جو وہ کرتی ہیں آپ چاہتے ہیں کہ وہی آپ کی والدہ محترمہ اور آپ کی زوجہ مکرمہ بھی کریں، اگر یہی اہل و عیال رہے تو دیکھنا چاہئے کہ آپ کا انجام کیا ہوتا ہے۔

کاسیات عاریات

قربان جائیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا خوب فرمایا: کاسیات عاریات ممیلات مائلات بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو کپڑا پہنے ہوئے ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہیں۔ دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشتاق ہوتی ہیں۔ سزا کے طور پر فرمایا ایسی عورتیں جنت ہی سے محروم نہیں بلکہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہیں، ایک عورت کا ایک ہی وقت میں ملبوس ہونا

اور برہنہ ہونا یہ ایسی دو متضاد باتیں ہیں کہ جن کا جمع ہونا بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ جب تک باریک کپڑوں کا رواج نہ ہوا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا یہ مطلب ہوگا کہ عورتیں کپڑا تو پہنے ہوئے ہونگی لیکن تقوی اور پرہیزگاری کے لباس سے ننگی ہونگی پھر جب ڈوریا اور وائل لیٹ نکلی تو خیال ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی باریک لباس کی طرف اشارہ فرمایا ہوگا کہ کپڑا پہن کر بھی گویا ننگی ہیں جب کپڑا بدن کو نہ ڈھانکے تو اس کا عدم و وجود برابر ہے لیکن آج کل عورتوں نے جو لباس کا طریقہ اختیار کیا ہے اس نے تو تیرہ سو سال پہلے کے الفاظ کی ایسی صحیح تشریح کی ہے کہ اب کسی تاویل کی حاجت ہی نہیں باوجود لباس کے پھر برہنہ ہیں اگر موزے اتار دیں تب بھی وہی حالت ہے اور پہن لیں تب بھی وہی حالت ہے کیونکہ ان کے موزے ہی جسم کے ہمرنگ ہیں جنکا پہننا اور نہ پہننا دونوں برابر ہیں۔ اس حدیث کے اور ایک معنی بھی ہیں جو حدیث ہی سے ثابت ہیں یعنی بہت سی دنیا میں کپڑا پہننے والیاں قیامت میں برہنہ ہونگی اس وعید میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو کپڑا اتنا چست پہنتی ہیں جس سے انگلی پنڈلی کی ساخت صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔

پردے کی شرعی حیثیت

مجھ کو اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شریعت اسلام میں عورت کیلئے پردے کا حکم موجود ہے اور اگر پردے کا حکم موجود نہ ہوتا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ شریعت کا ایک نقص اور عیب ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی تہذیب میں ہمیشہ سے پردہ داخل ہے، بے پردگی انہی قوموں کا دستور العمل ہے جو نبوت کی روشنی سے محروم ہیں گذشتہ نبیوں کی تہذیب میں بھی پردے کا حکم ملتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں تو اتنی تصریح موجود ہے کہ کوئی پڑھا لکھا انسان اس سے انکار نہیں

کر سکتا۔ بحث صرف اس میں ہے کہ پردے کی حدود کیا ہیں اور چونکہ پردے
کی حدود متعین کرنے میں ہر زمانے کی حالت اور ماحول کو دخل رہا ہے بلکہ اوقات
کی بھی رعایت کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پردے کے سلسلہ میں جوان اور بوڑھی
عورتیں بھی زیر بحث آئی ہیں، جتنی پابندی جوان عورتوں کے لئے کی گئی ہے،
اتنی عجائز اور بوڑھی عورتوں کے لئے نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح رات اور دن کے
احکام میں بھی فرق ہے اور زمانہ کی آب و ہوا اور لوگوں کے فسق و فجور کو بھی اس معاملہ
میں دخل ہے یہی وجہ ہے کہ پردہ کی ایک خاص حد مقرر کرنے میں مشکلات درپیش
ہیں، قرآن شریف میں جس قدر احکام اس سلسلہ میں موجود ہیں وہ اگرچہ نہایت
واضح ہیں لیکن ان کی تشریح و توضیح اور تفسیر بیان کرتے ہیں تو تکرار زمان و مکان
اور عورت کی حالت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اس لئے بعض اقوال بظاہر ایک دوسرے
سے مختلف ہو گئے ہیں اور آجکل کے بعض حضرات اس سے ناجائز فائدہ
حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کو پردے کے سلسلہ میں جو کچھ
کہا گیا ہے وہ صرف ان کے لئے مخصوص ہے حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔
اور نہ آیت میں اس قسم کا کوئی اشارہ ہے جس سے بلا وجہ پردے کے احکام کو
صرف ازواج مطہرات کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ ازواج مطہرات کو خطاب
کرنا محض اس غرض سے ہے تاکہ دوسری عورتیں اور زیادہ محتاط رہیں اور یہ
سمجھکر محتاط رہیں کہ جب نبی کی عورتوں کو پردہ کرنے اور گھر میں بیٹھنے کی اس
قدر تاکید ہے تو ہم کو تو اور بھی زیادہ پردے میں احتیاط کرنی چاہئے، یہ مطلب
نہیں کہ بس یہ حکم نبی کے گھرانے کے لئے ہے اور ہم بالکل آزاد ہیں اور اگر فرض
کیجئے کہ پردہ کا تعلق صرف نبی کے گھرانے سے ہوتا تو سورۂ نور میں عام طور پر

مسلم خواتین کو کیوں خطاب کیا جاتا۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ کی تفسیر

سب سے معزز دوستو! میں نے آپ سے عرض کیا پردے کی بحث میں عورت کی عمر اور زمان و مکان کی رعایت اور ضرورت و عدم ضرورت کا لحاظ یہ ایسے امور ہیں جن کی ہمیشہ رعایت کی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ پردہ کی کوئی ایسی حد جو ہر زمانے اور ہر حالات میں ہر ایک عورت کیلئے یکساں ہو مقرر نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً فرض کیجئے کسی عورت کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ جانا اور کسی عورت کا گھوڑ دوڑ دیکھنے کی غرض سے کلکتہ جانا یہ دونوں سفر برابر نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک عورت نماز کے لئے مسجد میں جائے اور دوسری تفریح کیلئے کسی پارک میں جائے ان دونوں کا حکم برابر نہیں ہے ایک بڑھیا عورت کا باہر نکلنا کسی طرح بھی جوان عورت کے نکلنے کے مساوی نہیں ہے۔ پردے کی بحث میں جہاں ان تمام باتوں کی رعایت ہے وہاں محرم اور غیر محرم کا بھی سوال ہے پھر محرم میں ذی رحم محرم اور خاوند میں فرق ہے اس لیے جس زینت کا ظاہر کرنا عورت کیلئے جائز قرار دیا گیا ہے وہ وہی زینت ہے جس میں خاوند اور ذی رحم محرم شریک ہیں۔ انہی لوگوں کے ساتھ قرآن نے عورتوں اور بچوں وغیرہ کو بھی شامل کر دیا ہے عورت کا بناؤ سنگار جس کو زینت سے تعبیر کیا گیا ہے اس زینت کو کسی غیر محرم کیلئے ظاہر کرنا خود قرآن ہی کے الفاظ سے حرام ہے۔ زینت کا لفظ اتنا عام ہے کہ اس میں جس طرح زیور اور عمدہ لباس داخل ہو سکتا ہے اسی طرح ہاتھ پاؤں کی مہندی اور مسی و سرمہ وغیرہ بھی داخل ہو سکتے ہیں اور جب زینت میں یہ چیزیں داخل ہیں تو پھر عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو کس طرح مباح النظر کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کہ زینت کی دو قسمیں کی جائیں

ایک صنعی اور آپ چہرہ خلقی سے ہاتھ پاؤں اور چہرہ مراد لیا جائے اور صنعی سرمہ اور مہندی وغیرہ مراد لئے جائیں۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد جو زینت سے مراد ہو تو صنعی زینت کا لیا جائے یعنی صنعی زینت تو ظاہر ہے کہ بالقصد ظاہر نہ ہو اور اگر زینت کا وہ حصہ پوشیدہ رکھنا ضروری نہیں ہے جس کا ظاہر کرنا مجبوری ہو اور جس کو ظاہر کئے بغیر عورت کوئی کام کاج نہ کر سکے مثلاً پاؤں اور جوتی یا برقع اور چادر لیکن بعض روایات آئی ہیں جن کی بنا پر مفسرین نے ما ظہر کی تفسیر یہ فرمایا ہے کہ عورت اپنے چہرہ اور پہنچوں تک اپنے ہاتھوں کو کھول سکتی ہے۔ بعض حضرات نے چہرے اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کے ساتھ عورت کے پاؤں یعنی قدم کو بھی ستر سے مستثنیٰ کیا ہے اور یہ تفسیر اسی بنا پر ہو سکتی ہے جب زینت سے مراد خلقی زینت مراد لی جائے۔ جن لوگوں نے عورت کے چہرے اور ہاتھ کی ہتھیلیوں اور قدم کو ما ظہر میں داخل کرتے ہوئے ستر سے مستثنیٰ کیا ہے انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ عورت جسم کے اُن حصوں کو ہر جگہ دکھاتی پھرے یا ان کا حکم محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے یکساں ہے اور عورت کے ان اعضاء پر غیر محرموں کو نظر کرنا جائز ہے ہر چند کہ ضرورت کیلئے عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ زینت کے اُن حصوں کو ظاہر کر سکتی ہیں لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ اسی کے ساتھ ساتھ مردوں کو بھی یہ حکم دیدیا جائے کہ تم عورت کے چہرے اور اس کے ہاتھوں کو خوب گھورا کرو۔ ایک چیز کو ستر سے مستثنیٰ کر دینے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تمہیں اس کا دیکھنا بھی جائز ہے عورتوں کو بوقت ضرورت چہرہ کھولنا جائز ہے لیکن ہم کو اس کے چہرہ کا دیکھنا ناجائز ہے۔ مثلاً مرد کا چہرہ تو ستر میں داخل نہیں، مرد تو اپنا چہرہ ہر وقت کھول سکتا ہے لیکن عورت کو اجنبی مرد کا چہرہ دیکھنا ناجائز ہے

اتنی بات تو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ [illegible] نہ دیکھے غیر محرم
عورت نہیں دیکھ سکتی تو اس کے چہرہ کو آپ کس طرح دیکھ سکتے ہیں جو محض
مجبوری کی وجہ سے کھولا گیا ہے [illegible] اسی لئے زینت کی بحث سے پہلے
نگاہ کو پست رکھنے کا [illegible] استدلال نہ کرلیں
کہ جس کا ظاہر کرنا جائز ہے اس کا دیکھنا بھی جائز ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔
قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم وقل للمؤمنٰت
یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن۔ مردوں کو حکم دیجئے
کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی نگاہوں کو پست رکھیں تاکہ اس دروازے
کے بند ہوجانے اور اس پھاٹک پر قفل پڑجانے سے جرائم کا سدباب ہوسکے۔
اسی طرح عورتوں کو یہ حکم دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں تاکہ کسی بڑے گناہ میں
مبتلا نہ ہوسکیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ماظہر کی تفسیر چہرے اور
ہاتھ کی ہتھیلیوں کے ساتھ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حال کی تفسیر محل سے کی گئی،
کیونکہ یہ اعضا محل زینت ہیں خود زینت نہیں ہیں جیسا کہ چہرہ کی زینت مسّی
اور سرمہ ہے ہاتھوں کی زینت مہندی ہے اور پاؤں کی زینت چٹکی چھلے وغیرہ ہیں
لیکن زینت اور اسباب زینت کو چھوڑ کر تفسیر میں ان اعضا کو مستثنیٰ کیا گیا جو
زینت کے محل ہیں ہاں اگر زینت کو عام لے لیا جائے اور مراد یہ ہو کہ پیدائشی زینت
اور خارجی زینت کسی کو ظاہر نہ کریں مگر [illegible] کا کچھ حصہ اور
ہاتھ کی ہتھیلیاں اور قدم ظاہر کرسکتی ہیں تو اس تقدیر پر حال کی تفسیر محل سے نہ
ہوگی بلکہ مطلب صاف ہوجائے گا اور پیدائشی زینت کا لفظ عورت کے جسم
کو اور خارجی زینت کا لفظ [illegible] کو شامل ہوگا۔ کما اشار الیہ الاستاذ

الفاضل مولانا شبیر احمد العثمانی مدظلہ ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اسی مفہوم کو ادا کرنے کیلئے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زینت کے ترجمہ میں بجائے سنگار کے بناؤ کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن محاورہ کی تبدیلی کے باعث نہ اب سنگار سے یہ مفہوم ادا ہوتا ہے اور نہ بناؤ سے اگرچہ بناؤ اقرب الی المفہوم ہے بعض حضرات نے زینت کے ساتھ مقامات یا مواقع کے لفظ کا اضافہ کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اردو میں کوئی ایک لفظ ایسا ملنا دشوار ہے جو زینت کے عام مفہوم کو ادا کر سکے البتہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ذکاوت طبع اور حضرت مدظلہ کا فہم رسا ایک لفظ کو تلاش کر لیتے ہیں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ کا خیال ہے کہ اگر زینت کے ترجمہ میں لفظ زیبائش استعمال کیا جائے تو دونوں قسم کی زینتوں صنعی اور خلقی کو شامل ہو سکتا ہے غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ استثناء کو متصل رکھتے ہوئے وجہ اور رکعت تفسیر کرنا چاہتے ہیں اور مجاز مرسل اور مجاز حذف سے بھی بچنا چاہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن حضرات نے زینت سے صنعی مراد لیا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو انہوں نے اوپر کی چادر اور برقع اور پاؤں کی جوتی کو ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے اور جن حضرات نے زینت سے پیدائشی زینت مراد لی ہے انہوں نے جسم کے بعض ضروری حصوں کو ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے۔

پردہ مفاسد کیلئے سد باب ہے

میرے دوستو! پردہ کے سلسلے میں دو باتیں ضرور یاد رکھیئے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ پردہ کی حدود خواہ کچھ بھی مقرر کریں لیکن مسلمانوں کا پردہ ایسا ہونا چاہیئے جو مسلمان عورتوں کو ممتاز کر دے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو تنبیہ

کرتے ہوئے فرمایا ہے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی یعنی نبی کی عورتیں گھر میں رہیں اور زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ پھرتی پھریں۔

پردہ عورت کا ایک حق ہے

زمانہ جاہلیت میں آپ کو معلوم ہے کہ عورت کیلئے بنی نوع انسان نے کوئی پرواہ نہیں کی تھی اور اسکے تمام حقوق مردوں نے غصب کر لئے تھے عورت مردوں کی ایک ایسی ملک تھی کہ اُسے جس طرح چاہیں استعمال کریں نہ نکاح کا کوئی خاص قانون تھا اور طلاق و خلع کا تو کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ راہ چلتی عورت پر اگر ایک سُرخ کپڑا ڈال دیا گیا تو اس کپڑے کا ڈال دینا ہی اس کا بیوی بن جانے کے لئے کافی تھا۔ عورتوں کا فروخت کرنا تو ایک معمولی بات تھا۔ منکوحہ عورتیں بھی فروخت کی جاتی تھیں اور شاید آپ نے تو سُنا ہوگا کہ یورپ میں کس طرح عورتیں فروخت ہوتی تھیں اور بعض صاحب تو ایک شراب کے پیالے میں اپنی بیوی کو فروخت کر دیا کرتے تھے عورتوں کا رہن رکھنا بھی عام طور سے رائج تھا۔ غرض عورت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اور جب عورت ایک مملوکہ چیز تھی تو پھر اس کی ملک یا پردہ پوشی کا تو سوال ہی کیسے یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اسلام کی تعلیم دیکر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

عورت کی عزت

اور آپ نے دنیا کو یہ بتایا کہ عورت ایک عزت کی چیز ہے اور میری شریعت میں عورت کو نصف ایمان کا مرتبہ دیا گیا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ایمان کے بعد اگر کوئی نعمت ہے تو وہ نیک بیوی ہے عورت کو مستقل ایک خزانہ کی حیثیت دی گئی اور یہ بتا دیا گیا کہ عورت خدا کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اس کو سکینِ نفس کا لقب دیا گیا اور عورت کا نام

نفرت [illegible] نازک مزاجی کا اظہار کرتے ہوئے
رحمت اور نرم برتاؤ کیسے اپنانے اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی سفارش
کی گئی۔ اس کے حقوق کی تشریح و توضیح کی گئی، وراثت میں اس کا حق تسلیم کیا گیا، مکہ
معظمہ میں حج اکبر کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے [illegible] عورتوں کے حقوق کی تعلیم دی اور یہ
بتایا کہ میں نے کلمۂ حق کا مطلب بتایا ہے جس سے عورت تمہارے لئے حلال ہو جاتی
ہے میں ہی تم کو اس کے حقوق کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور یہ بتاتا ہوں کہ ان کو
اذیت نہ پہنچانا اور ان سے حسن اخلاق کا برتاؤ کرنا اور یہ بھی فرمایا کہ بہترین اخلاق
اس شخص کا ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے۔

گھر کا کاروبار سرکار اپنے ذمہ لے کر انجام دیتے تھے تاکہ امت یہ سمجھ لے کہ گھر کا
تمام بوجھ عورت پر نہ ڈال دیا جائے بلکہ مرد کو بھی اس کا ہاتھ بٹانا چاہئے، عورت
طبعاً حیادار ہے وہ مردوں سے بچنا چاہتی ہے، ان کی حیا کا یہ تقاضا ہے کہ وہ
پردے میں رہیں، عورتیں بازاری زندگی سے سخت پریشان تھیں، ان کو بازاروں
میں نکل کر مردوں سے باتیں کرنے میں شرم و حیا مانع ہوتی تھی سرکار دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے صاف [illegible] جب گھر سے نکلتی
ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے [illegible] قرآن [illegible] جاہلیت کی
طرح باہر مت نکلا کرو، جس طرح اسلام نے عورت کے تمام حقوق عزت و شرافت تسلیم
کئے اسی طرح اس کا یہ حق بھی تسلیم کیا کہ وہ پردہ کرے، اپنے گھر کی چار دیواری میں
رہے بلا ضرورت غیر مردوں سے گفتگو نہ کرے۔ آج جو لوگ پردہ کے خلاف کوشش
کر رہے ہیں وہ عورت کا ایک حق غصب کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان میں بعض
مسلمان ایسے بھی ہیں جو عورت کو ورثہ نہیں دیتے جس طرح یہ لوگ ورثہ غاصب
اور ظالم ہیں [illegible] وہ لوگ بھی [illegible] ظالم ہیں جو عورت سے پردہ کا حق چھینکر

غصب کرنا چاہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کافروں نے ان کا یہ حق غصب کر رکھا تھا۔ اللہ کے پیغمبر نے عورت کو یہ حق دلوایا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم میں سے کون شخص ایسی جرأت کرے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دئے ہوئے حق کو غصب کرے میرا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے ، میری گذارش کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام سے قبل عورت کو بے پردہ بازاروں میں پھرایا جاتا تھا ، آپ پردے کی حد خواہ کچھ ہی مقرر کریں لیکن آپ کا پردہ ایسا ہونا چاہیئے کہ کفر کی بے پردگی کے مقابلہ میں آپ کا پردہ مابہ الامتیاز ہو۔ اور ایک عورت مسلمہ کو غیر مسلمہ سے جُدا کرنے والا ہو۔

دوسری بات اس سلسلہ میں مجھے دوسری بات جو عرض کرنی ہے وہ بھی سمجھ لیجئے۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کو دیکھنا یہ کوئی غیر معقول بات نہیں ہے جس طرح ایک مرد مرد کو اور ایک عورت عورت کو دیکھ سکتی ہے اسی طرح عقلاً اس میں بھی کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی کہ ایک مرد عورت کو اور ایک عورت مرد کو دیکھے کیونکہ انسان کو انسان کا دیکھنا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ لیکن اسلام جس کا مبنیٰ عقل صحیح پر رکھا گیا ہے دوسری شق کو (یعنی ایک اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا یا اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا) ناجائز قرار دیتا ہے ممکن ہے کہ آپ حضرات کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ آخر اس دیکھنے میں کیا خرابی ہے۔

اسلامی قانون کی حکمت میرے دوستو! میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ پردہ مفاسد کا سدِ باب ہے اجنبی مرد و عورت کی دیدہ بازی چونکہ ایک بہت بڑی بُرائی کی طرف مفضی ہوتی ہے اس لئے اسلام نے اس بڑی خرابی اور بُرائی سے محفوظ رکھنے کیلئے یہ حکم دیا ہے کہ مرد اپنی نگاہ کو اور عورتیں اپنی نگاہ کو نیچا رکھیں اسلئے آیت کا دوسرا

جملہ ہے دیکھئے تو اقرب نہیں ہے۔ ایک سستی عقل کا انسان کہہ سکتا ہے کہ دوسرا
جملہ کو پہلے جملہ سے کیا مناسبت ہے، کہاں غض بصر اور کہاں حفاظت فروج
آنکھ کو شرمگاہ سے کیا تعلق ہے جو ایک آیت میں دونوں کو جمع کیا ہے لیکن
میری گذارش سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا ہوگا کہ چونکہ دیدہ بازی ایک سبب
اور ضرور ذریعہ ہے زنا کا اس لئے دونوں باتوں کا ایک ہی آیت میں ذکر کیا
گیا ہے یعنی اپنی نگاہ کو نیچا رکھو اور اپنے کو زنا سے بچاؤ۔ گویا آنکھیں زنا کا
دروازہ اور بدکاری کا پھاٹک ہیں۔

زنا کا قانون

میرے معزز دوستو اس سے پیشتر کہ میں آپ کے پردے
کے مسائل پر کچھ اور عرض کروں یہ چاہتا ہوں کہ آپ زنا کے
قانون کو سمجھ لیں۔ زنا یعنی ایک اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو یہ جانتے ہوئے بلا
نکاح کے استعمال کرنا کہ یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہے اس کا نام شریعت
میں زنا ہے۔ اس فعل بد کی شریعت اسلامیہ میں دو سزائیں رکھی گئی ہیں۔ ایک
سزا تو سنگسار کرنا ہے بشرطیکہ یہ عورت و مرد مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کے ساتھ
لطف مباشرت حاصل کر چکے ہوں، گویا ایک جائز طریقے سے لطف مباشرت
حاصل کر لینے کے بعد پھر اس فعل بد کا ارتکاب شریعت کی نگاہ میں موجب قتل ہے
دوسری سزا زانی اور زانیہ کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا
ہے جس مرد اور عورت نے جائز طریقہ کے ساتھ کبھی لطف مباشرت حاصل نہ کیا ہو
اور ان سے اس جرم کا ارتکاب ہو جائے تو انکو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر حاکم اسلام مناسب
سمجھے تو ایک سال کے لئے ان کو شہر سے جلاوطن بھی کر دے، میں اسوقت یہ عرض کرنا نہیں چاہتا کہ آخر زنا
کی سزا اسلام نے اس قدر سخت کیوں مقرر کی ہے۔ اگرچہ میرا خیال ہے کہ دنیا میں آج تک
کوئی مہذب قانون ایسا ملے گا جس نے زنا کی سزا سخت سے سخت نہ مقرر کی

کوئی سوسائٹی کتنی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو لیکن زنا جیسی فحش چیز دنیا میں ہر مہذب انسان کیلئے ناقابل برداشت ہے کوئی شخص اپنی ماں بہن یا بیٹی یا بیوی کو اس فحش حالت میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔

پھر جس عورت سے کسی شخص کا ناجائز تعلق ہوگا وہ عورت یقیناً کسی نہ کسی کی بیوی بیٹی یا بہن اور ماں ہوگی۔ جب تم اپنی عورتوں کے لئے اس فعل شنیع کو پسند نہیں کرتے تو دوسروں کی عورتوں سے اس قسم کا تعلق کس طرح پیدا کر سکتے ہو۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ زنا نہ صرف انسانی مساوات کے خلاف ہے بلکہ نسلِ انسانی کی ترقی کے لئے قاطع ہے۔ چونکہ یہ فعل نسل انسانی کو تباہ کرنے کے مرادف ہے اسی لئے شریعت نے اس جرم کی سزا قتل مقرر کی ہے اور اس فعل کو اتنا خطرناک بتایا ہے کہ اس کے قریب جانے کو بھی یہ کہکر منع کیا ہے ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ۔ زنا کے قریب بھی مت جاؤ یہ بہت بڑی بےحیائی اور رسوائی کا کام ہے۔

قانونی شہادت اگرچہ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ زنا کے لئے شہادت میں سخت قیود عائد کی گئی ہیں اور زنا کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے چار ایسے مرد گواہوں کی ضرورت ہے جنہوں نے معاملہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور اگر گواہ جھوٹے ثابت ہوں تو ان کے خلاف مقدمہ چلا کر انکو جھوٹی گواہی کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس بارے میں قانون شہادت اس قدر سخت ہے کہ اگر مجرم خود اقرار نہ کرے تو جرم کا ثابت ہونا آسان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں اس قسم کے مقدمات بہت کم ملیں گے جن میں زانی کو سنگسار کیا گیا ہو۔ شریعت اسلامیہ نے چونکہ سزا نہایت ہولناک مقرر کی تھی اس لئے شہادت کو اس قدر سخت کر دیا تاکہ کوئی بیگناہ

قتل نہ کر دیا جائے۔ بہت سے گناہگاروں کا سزا سے بچ جانا اس سے کہیں بہتر ہے
کہ ایک بےگناہ سنگسار کر دیا جائے۔

لعان کا قانون

زنا کی شہادت میں جو قیود عائد کی گئیں تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ زنا کے متعلق کوئی جھوٹا مقدمہ تو کیا پیش ہوتا سچا دعوی بھی کرنا مشکل ہو گیا۔ قانون شہادت کی اس سختی کا اثر ایسے مقدمات پر پڑنا یقینی تھا جہاں کوئی شخص اپنی بیوی کو اس امر مکروہ میں مبتلا پائے چنانچہ اس قسم کا ایک مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا۔ ایک صحابی نے عرض کیا، حضور والا اگر ہم کسی غیر عورت کو زنا میں مبتلا دیکھیں اور شہادت مہیا نہ کر سکیں تو صبر کر سکتے ہیں لیکن اگر کوئی بدقسمت انسان اپنی گھروالی کو اس فعل شنیع میں مبتلا پائے تو کیسی مصیبت ہے اگر بیوی یا اس سے ناجائز تعلق رکھنے والے کو قتل کر دے تو آپ قصاص میں قتل کریں اگر چار گواہ مہیا کرنے جائے تو بھلا اتنی دیر زانی کہاں انتظار کر سکتا ہے اور اگر صبر کرے تو ایک غیور انسان کی طاقت سے باہر ہے، غیر عورت کے معاملہ میں تو صبر کیا جا سکتا ہے لیکن اپنی بیوی کے زنا پر صبر کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایک ایسی مشکل تھی کہ جس کا حل بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے لئے ایک علیحدہ دفعہ یعنی آیت لعان نازل کی گئی اور ارشاد ہوا۔ والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھدٰت باللہ انہ لمن الصدقین والخامسۃ ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکذبین ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھدٰت باللہ انہ لمن الکذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصدقین۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے خلاف زنا کا دعوی کرے اور زنا کی شہادت نہ ہو تو ایسی حالت میں قاضی کے سامنے ہر ایک میاں بیوی کو

پانچ پانچ قسمیں کھانی چاہئیں، خاوند یعنی مدعی چار مرتبہ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے دعوی میں سچا ہوں اور پانچویں قسم ان الفاظ میں کھائے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔

خاوند کی قسم کے بعد بیوی یا اقرار کرے کہ میرا خاوند سچا ہے اور یا وہ بھی پانچ قسمیں اس طرح کھائے۔ چار مرتبہ کہے میں خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ میرا خاوند جھوٹا ہے پانچویں مرتبہ کہے اگر میرا خاوند سچا ہو تو مجھ پر اللہ تعالی کا غضب نازل ہو۔ اگر سو راتفاق سے دونوں قسمیں کھالیں تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے گا، یہ ہے وہ لعان کا قانون جس کی تفصیل آج بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے حضرت حق جل مجدہ نے زنا کی شہادت کو عدم نہیں کیا بلکہ اس کو اسی طرح چست رکھا اور میاں بیوی کے مسئلہ کو حل کردیا، دیکھا آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کا کمال، ایک آپ کے قانون ہیں کہ سینکڑوں آدمی اس کو بناتے وقت غور کرتے ہیں اور بڑے بڑے قانون دان دماغ صرف کرتے ہیں اور وہ قانون کمبخت شائع ہونے نہیں پاتا کہ اس میں ترمیمات شروع ہوجاتی ہیں۔ آج ضابطہ فوجداری کی یہ حالت ہے کہ اس میں اتنی چیپیاں لگی ہوئی ہیں جیسے کسی غریب آدمی کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تعزیرات ہند کو نصف صدی میں ترمیمات کی بھرمار نے اتنا مسخ کردیا ہے کہ اگر لارڈ میکالے زندہ ہوکر اُسے دیکھے تو تعزیرات ہند کو پہچان بھی نہ سکے۔ اگر کوئی وکیل صاحب یا آنریری مجسٹریٹ صاحب تشریف رکھتے ہوں تو میں اُن سے دریافت کرتا ہوں کہ کیوں صاحب میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔ دونوں قانون آپ کے سامنے ہیں۔ ایک انسانی قانون ہے جس کی کمزوری اور اس کا نقص کسی طرح ختم نہیں ہوتا اور ایک خدائی قانون ہے جس کے کمالات شمار ہونے میں نہیں آتے۔

زنا کے متعلق احتیاطی تدابیر

محترم دوستو! زنا کی سزا اور اس کی سختی کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلام میں یہ گناہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اسلام زنا کو نہایت ہی نفرت و حقارت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ چونکہ اس گناہ کا اخلاق حیا اور انسانیت پر بہت برا اثر پڑنے والا تھا اس لئے اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ زنا کو حرام اور ناجائز کہکر چھوڑ دیا ہو بلکہ اس کے لئے ہر قسم کی احتیاطی تدابیر بھی بتائی ہیں تاکہ زنا کا حتی الامکان وقوع نہ ہو۔ زنا کے متعلق صرف یہ کہنا ناکافی ہوگا کہ زنا فحش اور بیحیائی کا نام ہے بلکہ زناکاری کی عمومیت فتنہ و فساد اور قتل و قتال کی بھی موجب ہے۔ آج کل فی صدی پچاس ساٹھ فوجداری کیس اسی زنا اور لواطت کے مرہون منت ہیں۔ جب یہ اتنی بری چیز ہے تو اسلام نے ایک طرف اس کی حرمت کے احکام جاری کئے پھر اس جرم کی سزا نہایت ہولناک مقرر کی پھر احتیاطی تدابیر کے سلسلہ میں مفصل احکام جاری کئے، ان ہی احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت کو پردے کا حکم دیا۔ اس کو گھر میں بیٹھنے کی تاکید کی اور بلا کسی محرم کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سفر کو ممنوع قرار دیا حتیٰ کہ سفر حج جیسا مقدس سفر بھی محرم کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ گویا اگر عورت کے ہمراہ کوئی ذی محرم جانے والا نہ ہو تو عورت پر حج ہی فرض نہیں، پھر غیر مرد کو دیکھنا حرام کیا گیا اپنی نگاہ کو نیچا رکھنے کا حکم دیا گیا۔ غیر مردوں سے بلا ضرورت گفتگو کرنے کو منع کیا گیا اور اگر گفتگو کا موقع آجائے تو گفتگو کا طریقہ بتایا گیا کہ گفتگو کا لہجہ نرم نہ ہو تاکہ کسی غیر مرد کے قلب میں گفتگو کا خاص اثر نہ ہو جائے۔ عورت کی اس نماز سے جو وہ گھر کے صحن میں پڑھے اس نماز کو اچھا بتایا گیا جو گھر کے دالان میں پڑھی جائے اور دالان کی نماز سے وہ نماز اچھی بتائی گئی جو کوٹھری

میں ادا کی جائے۔ مسجد نبوی کی نماز جس کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے عورت کے لئے اِس نماز سے اُس نماز کو بہتر بتایا گیا ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے۔ اسی طرح مردوں کو غیر عورتوں کے دیکھنے سے منع کیا گیا اور اپنی آنکھیں کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا۔ مردوں کو اجنبی لڑکیوں یا لڑکوں کے پاس بیٹھنے اور اپنے بال بچوں سے دل بہلانے کی تاکید کی گئی ہے۔

زنا کے اقسام

ان تمام احتیاطی تدابیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ زنا صرف کسی خاص فعل بد کا ہی نام نہیں ہے بلکہ آنکھوں کا بھی زنا ہے کانوں کا بھی زنا ہے، پاؤں اور ہاتھوں کا بھی زنا ہے، دل اور دماغ کا بھی زنا ہے کسی غیر عورت کو قصداً دیکھنا یا کسی اجنبی عورت سے بلا وجہ باتیں کرنا، یا اس کو بلا ضرورت ہاتھ لگانا یا اس کی طرف بُرے ارادہ سے جانا یا اس کی محبت کو قلب میں جگہ دینا یا کسی غیر محرم عورت کی باتوں کو سننا یا ایسی باتوں کو سوچنا اور ملنے کے طریقوں پر غور کرتے رہنا ان سب کو زنا سے تعبیر کیا ہے۔

چار عورتوں کی اجازت

مردوں کو زنا سے محفوظ رکھنے کے لئے حسب ضرورت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کو میں ابھی عرض کروں گا۔ زانی اور زانیہ کے متعلق عذاب اُخروی کا جہاں ذکر کیا گیا ہے وہ ایسا ہولناک ہے جس کے سننے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں زناکاروں کو جس بری حالت میں دیکھا ہے اُس کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں ہے کبھی معراج کی تفصیل کا موقع ملا تو انشاء اللہ عرض کروں گا۔ اسی طرح زنا سے بچنے اور غیر محرم عورتوں کی صحبت سے دور رہنے کے جو فضائل ذکر کئے گئے ہیں ان کا بھی یہ موقعہ نہیں ہے ان کو بھی کسی دوسرے وقت کیلئے موقوف کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ زندگی رہی اور

موت نے کچھ موقع دیا تو بار زندہ صحبت باقی۔

بحث کا خلاصہ میں نے جو کچھ عرض کیا اس سے آپ اتنا سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلام کے نزدیک زنا ایک بدترین گناہ ہے جس سے شریعت اسلامیہ مسلمانوں کو بچانا چاہتی ہے۔ علاوہ سزا کے عذاب آخرۃ سے ڈرا کر چاہتی ہے کہ مسلمان اس گناہ میں مبتلا نہ ہوں اور ثواب کا تذکرہ اسی غرض سے کیا گیا ہے، ان تمام باتوں کے علاوہ احتیاطی تدابیر کے سلسلہ میں پردے کا حق بھی عورتوں کو دیا جاتا ہے اب اگر آپ اس حق کو غصب کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح کیجئے کہ زنا اور فحش کی ترویج نہ ہونے پائے۔ میں نے دو باتیں عرض کی ہیں کہ پردے کی آپ کوئی حد مقرر کیجئے لیکن اس امر کا خیال رکھئے کہ عورت مسلمہ غیر مسلمہ سے ممتاز رہے اگر کسی اجتماع میں یہ دونوں شریک ہوں تو مسلمہ اور غیر مسلمہ کا امتیاز باقی رہے۔ نیز مفاسد کا دروازہ نہ کھلنے پائے۔

اس تمام بحث کے بعد میں اپنے تعلیمیافتہ طبقہ سے ایک بات نہایت مودبانہ عرض کرتا ہوں، زنا کا قانون آپ نے سن لیا کیوں صاحب اس قانون کی موجودگی میں کیا عورت کو بےنقاب کیا جا سکتا ہے۔ پردے سے پیشتر تو زنا کی بحث کیجئے۔ بجائے اس کے کہ آپ یہ کہیں کہ صاحب پردے کی قیود کو ڈھیلا کیجئے پہلے یہ فرمایئے کہ مولوی صاحب قانون زنا ہلکا کرنے کی سعی فرمایئے۔ زنا کی حرمت کے باوجود احتیاطی تدابیر کو ہلکا کرنا یا کم کرنا ایسا ہی بےمعنی ہے جیسا سول نافرمانی کی موجودگی میں آرڈیننس کی واپسی کا مطالبہ۔

سول نافرمانی اور آرڈیننس یوں سمجھئے کہ سول نافرمانی بقول آپ کے ایک باغیانہ تحریک اور ایک بہت بڑا جرم ہے جس کا بند کرنا اور روکنا امن عامہ کیلئے بہت ضروری ہے۔ گورنمنٹ اس تحریک کے انسداد

کی غرض سے احتیاطی تدابیر کے سلسلے میں آرڈیننس جاری کرتی ہے۔ آرڈیننس نہایت سخت ہے، رعایا اس سے پریشان ہوتی ہے، لوگ وائسرائے پر زور دیتے ہیں کہ آرڈیننس واپس لیجئے وہ کہتا ہے جب تک سول نافرمانی بند ہوگی یہ قوانین واپس نہیں لئے جا سکتے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ سول نافرمانی تو جاری ہو اور احتیاطی تدابیر ختم کر دی جائیں۔ آپ جانتے ہیں احتیاطی تدابیر کا تو یہ عالم ہے کہ سول نافرمانی کو بند ہوئے بھی دو سال ہو گئے لیکن قوانین کا نفاذ اب تک موجود ہے اور لطف تو یہ ہے کہ مسلمان ان قوانین کے حامی ہیں اور ان کو دوبارہ پاس کرانے کیلئے گورنمنٹ سے اشتراک عمل کرنے کو تیار ہیں ایک طرف ملکی معاملات میں احتیاطی تدابیر کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف دین کے معاملات میں احتیاطی تدابیر کے آپ اتنے مخالف ہیں۔ تماشا یہ ہے کہ زنا کی گرم بازاری کا تو یہ عالم ہے کہ ہر شخص آزاد ہے، ہر بالغہ عورت کو عصمت فروشی کی آزادی ہے، زنا کا قانون تو اتنا نرم کر دیا گیا کہ شاید جب سے دنیا بنی ہوگی کسی حکومت نے بھی اس فعل شنیع کو اتنا آزاد نہ کیا ہوگا جتنا آج ہے ایک طرف تو زنا کی یہ حمایت اور اس پر بے پردہ دری کیلئے آپ کا یہ اصرار سبحان اللہ کیا اچھی عقل ہے۔ اسی عقل کے بڑے بڑے عالم، مؤرخ، علامہ معاویہ پر اعتراض ہے۔ اگر زنا کے متعلق آج اسلامی قانون رائج ہوتا تب آپ کا یہ کہنا کسی حد تک تسلیم کیا جا سکتا تھا کہ جب رجم اور سنگساری جیسی خوفناک سزا موجود ہے تب تو پردے کے قانون کو ڈھیلا کر دیا جائے لیکن اس زناکاری کے دور میں پردے کے اٹھانے کا مطالبہ آپ ہی جیسا کوئی عقلمند کر سکتا ہے کسی شریف انسان کی تو یہ ہمت نہیں کہ وہ ایسی نامعقول بات کا مطالبہ کرے۔

میرے عزیزو! میں آپ سے نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

کہ جن لوگوں میں زنا کچھ زیادہ معیوب نہیں ہے وہ تو اپنی عورتوں کو بے پردہ پھرا سکتے ہیں لیکن جن قوموں کے نزدیک زنا کی سزا قتل ہو وہ قومیں کسی طرح بھی موجودہ بے پردگی کو برداشت نہیں کر سکتیں وہ قومیں جو عورتوں سے محنت و مشقت کرانا چاہتی ہیں اور ان کو دفتروں میں ملازم رکھنا چاہتی ہیں وہ یقیناً پردے کی مخالفت کر سکتی ہیں لیکن جو قومیں نان و نفقہ عورت کا حق سمجھتی ہیں اور جن کے قانون میں یہ امر صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کا روٹی کپڑا مرد کے ذمے فرض ہے وہ قومیں کس طرح اپنی عورتوں کو گھر سے نکلنے پر مجبور کر سکتی ہیں باقی رہا یہ معاملہ کہ کسی دینی یا ملکی ضرورت کے لیے اپنے محرم کے ہمراہ پردے کی احتیاط کے ساتھ کہیں جانا ہو تو اس کے جواز میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

ایک سے زائد شادی پر اعتراض

برادران ملت! غالباً میری اس تفصیلی گزارش اور زنا کے قانون کو سمجھنے کے بعد اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا ہو گا جو بعض جاہلوں کی طرف سے چار شادیوں کے متعلق کیا جاتا ہے میں تو نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ دنیا کی جس قوم کو اعتراض کرنا ہے وہ پہلے اپنی سوسائٹی میں زنا کا اسلامی قانون رائج کرے اور اس کے بعد ہم پر اعتراض کرے، دنیا کی مہذب قوموں نے زنا کو عام کر دیا ہے، مرد اپنی ضرورت کو نہ معلوم کہاں کہاں پورا کر لیتے ہیں، اور پھر اسلام کی شادیوں پر اعتراض کرتے ہیں جو کام شادی سے ہوتا ہے وہ تم بلا شادی کے کر لیتے ہو پھر تمہیں شادی کی ضرورت کیا ہے تم تو اگر ایک نکاح پر بھی اعتراض کرو تو تم حق بجانب ہو۔

چار نکاحوں کا مسئلہ

کیوں صاحب! کیا اسلام نے ہر مرد کے لئے

چار نکاح ضروری قرار دئے ہیں۔ ہاں تو اسلام نے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے کہ مرد اگر ضرورت محسوس کرے تو اس کے لئے یہ سہولت ہے کہ وہ دوسری یا تیسری شادی کرلے۔ فرض کرو آج کل مردم شماری کا فتنہ پیش کیا جاتا ہے میں تو اس ملک کی اکثریت سے کہا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی تعداد نہ بڑھاؤ۔ ہمارے ہاں ایک قانون ایسا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو دو سال میں ہم اس سے دوگنا ہو سکتے ہیں۔ ایک مرد سال بھر میں چار بچے پیدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ نو مہینے میں ایک عورت پر حمل کے آثار پورے طریقے سے مرتب ہو جاتے ہیں اگر ایک شخص کی چار بیویاں ہوں اور وہ تین تین مہینے ہر بیوی کے پاس زندگی بسر کرے تو پورے ایک سال میں چار بچوں کا باپ ہو سکتا ہے جس وقت چوتھی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ اس وقت اس کی پہلی بیوی حمل کے تمام فضولیات سے پاک ہو چکی ہوگی۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں فرمائیے آپ کو اس مسئلہ پر کونسا اعتراض ہے اور کیا یہ حساب جو میں نے بتلایا ہے غلط ہے؟

میں پھر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ قانون نکاح پر اعتراض کرنے سے پیشتر زنا کے قانون کا اچھی طرح مطالعہ کر لو اور مجھے بتاؤ کہ جو قانون زنا کی کسی حالت میں بھی اجازت نہ دیتا ہو اگر وہ ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت دیتا ہے تو کون سا مضحکہ خیز کام کرتا ہے۔ گھر میں بیٹھ کر جو چاہو کہہ لو لیکن میدان میں آؤ تو ہوش و حواس کے ساتھ آؤ۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا آسرا

دہلی کے بازار فتحپوری میں ایک ڈاکٹر صاحب احسان احسان اینڈ کو کی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے ان کا قاعدہ یہ تھا کہ مدرسہ فتحپوری میں سے جو طالب علم نکلا اُسے اشارے سے بُلا لیا۔ ادھر اُدھر کی باتیں اس سے ملائیں کچھ مذہب کی باتیں کیں اور اس سے دریافت

کیا کیوں صاحب جس طرح مرد کی جان ہے اسی طرح عورت کی بھی روح ہے، طالب علم جواب دیتا ہاں صاحب روح تو دونوں میں ہے پھر ڈاکٹر صاحب فرماتے جس طرح مرد کی خواہش ہے اسی طرح عورت کا بھی دل ہے طالب علم کہتا ہاں صاحب جب دونوں انسان ہیں تو دونوں کا دل بھی ہے دونوں کے پاس خواہشات بھی ہیں جب طالب علم ان باتوں کا اعتراف کر لیتا تو بہت ہی منہ بنا کر کہتے کیوں صاحب اسلام خدائی مذہب ہے لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی مرد کو تو چار عورتوں سے شادی کی اجازت ہے اور عورت غریب کو دو مردوں سے بھی شادی کی اجازت نہیں طالب علم جن کی ابتدائی تعلیم ہوتی تھی، وہ بیچارے چپ ہو جاتے تھے اور یہ ڈاکٹر صاحب خوب چہچہا کر کہتے جیسے ہم، ویسے وہ، جس طرح ہم کھاتے ہیں عورت بھی کھاتی ہے ہم پیتے ہیں عورت بھی پیتی ہے جیسے ہم ویسے وہ پھر شادی میں فرق کیوں ہے؟ ایک دن اتفاق سے ایک مولانا جو اہل علم تھے وہ اس دوکان پر کوئی دوا خریدنے گئے، ڈاکٹر صاحب کو تو یہ بیماری تھی ہی کہ ہر ایک سے مذاق کرتے تھے، ان کو مولوی صورت دیکھ کر ان سے بھی دریافت کر بیٹھے اور وہی الفاظ دہرائے جیسے ہم ویسے وہ پھر فرق کیوں ہے۔ مولانا صاحب نے ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی مگر ڈاکٹر آن بانت کہ چپ نہ ہوئے تو خود مولوی صاحب سمجھ گئے کہ ڈاکٹر صاحب علم کی بات کو سمجھتے ہی نہیں تو انہوں نے ادھر ادھر کی باتوں میں ڈاکٹر صاحب کو لگا کر دریافت کیا، ڈاکٹر صاحب آپ کے کتنے بچے ہیں، ڈاکٹر صاحب بولے آپ کی دعا سے چار بچے ہیں دو لڑکے دو لڑکیاں، مولوی صاحب نے نہایت خشک منہ سے دریافت کیا، ڈاکٹر صاحب ان چاروں میں سے آپ نے کتنے جنے اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے پیٹ سے کتنے ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے مولانا صاحب آپ بھی

مذاق کرتے ہیں۔ کہیں مرد کے ہاں بھی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کیوں صاحب اگر مرد وعورت ہر اعتبار سے مساوی ہیں تو پھر اس کا کیا مطلب کہ وہ بیچاری تو چار بچے جنتے اور آپ ایک بچہ بھی نہ جنیں یہ کون سا انصاف ہے کہ وہ ہر قسم کی تکلیف برداشت کرے اور آپ کرسی پر بیٹھے رہیں جیسے آپ ویسے وہ جب مساوات ٹھہری تو پھر ہر بات میں مساوات ہونی چاہیئے اب تو بیچارے ڈاکٹر صاحب زبان چاٹتے رہ گئے اور کوئی جواب بن نہ آیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

بعض قصص کی کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے کہ ایک دفعہ چند عورتیں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت امام صاحب کا تبحر علمی، آپ کا تفقہ، آپ کا فہم اور آپ کی فراست ضرب المثل ہے، آج دنیا میں کروڑوں مسلمان ہیں جو مسائل فقہیہ میں فقہ حنفی کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں۔

تقلید کا مطلب

ہم لوگ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ اس تقلید کا مطلب بھی اتنا ہی ہے کہ ہم امام صاحب کے قیاس کو اوفق بالقرآن والحدیث سمجھتے ہیں، دوسرے مجتہدین کی تنقیص نہیں کرتے بلکہ بعض مواقع پر ان کے مذہب پر بھی فتوی دیتے ہیں۔ تقلید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے معاذ اللہ قادیانیوں کی طرح رسالت کے مقابلہ میں کوئی کیمپ قائم کیا ہے جس طرح بعض مخالف ہمارے متعلق مشہور کرتے ہیں یوں علمی موشگافیوں کے لئے تو بڑی گنجائش ہے لیکن اس سے زیادہ کوئی حقیقت ائمہ مجتہدین کی تقلید کی نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔ بہرحال حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی خدمت میں چند عورتیں حاضر ہوئیں اور انہوں نے

عرض کیا حضرت اس کی کیا وجہ ہے اسلام نے مردوں کو تو ایک زائد شادی
کا حق دیا ہے لیکن عورتوں کو یہ حق نہیں دیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو
اپنی خداداد قابلیت سے سمجھایا لیکن ان عورتوں کو اطمینان نہیں ہوا حضرت امام
صاحب بھی کچھ متفکر ہوئے آپ نے فرمایا اچھا اس وقت تو جاؤ اور کل پھر آؤ۔
شاید اللہ تعالیٰ تمہارے اطمینان کی کوئی شکل پیدا کر دے۔ عورتیں چلی گئیں،
امام صاحب اندر حویلی میں تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے امام صاحب سے
آپ کے تفکر کی وجہ دریافت کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام واقعہ صاحبزادی
کو سنا دیا اور یہ فرمایا کہ ابھی تک کوئی ایسی بات سمجھ میں نہیں آئی جس سے عورتیں
مطمئن ہو جائیں۔ اور اس شبہ کا جواب ان کی سمجھ کے موافق ان کو دیدیا جائے
صاحبزادی نے عرض کیا حضور کل جب یہ عورتیں آئیں تو ان کو میرے پاس
بھیج دیجئے میں ان شاء اللہ ان کا جواب ان کی منشا کے موافق دیدوں گی۔ چنانچہ
جب وہ دوسرے دن وہ عورتیں پھر آئیں تو امام صاحب نے فرمایا تمہارے شبہ کا جواب
تم کو میری لڑکی دے گی تم سب ان کے پاس جاؤ اور ان سے ملاقات کرو۔ چنانچہ عورتیں
امام صاحب کی صاحبزادی کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ صاحبزادی نے ان کا
اعتراض سنکر کہا تم سب اپنی چھاتیوں سے تھوڑا تھوڑا دودھ نکالو۔ ہر عورت
نے علیحدہ علیحدہ چند قطرے پیالیوں میں نکال کر صاحبزادی کے سامنے رکھدیے
صاحبزادی نے کہا اس تمام دودھ کو ایک برتن میں ملا دو چنانچہ دودھ کو ملادینے
کے بعد امام صاحب کی صاحبزادی نے فرمایا کہ اب تمام عورتیں اپنے اپنے دودھ کو
علیحدہ کر لو۔ عورتیں اس مطالبہ کو سنکر دنگ رہ گئیں اور انہوں نے اپنا عجز
ظاہر کرتے ہوئے کہا صاحبزادی دودھ ملا دینے کے بعد بھلا علیحدہ کس طرح
ہو سکتا ہے اور یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ کونسا قطرہ کونسی عورت کا ہے

صاحبزادی نے فرمایا بس یہی [illegible] ہے اور شریعت اسلامیہ
کی اس بلند نظری کا اظہار ہے کہ [illegible] ایک سے زائد شادی کا
موقع دیا لیکن [illegible] اس طریقہ جواب سے
مطمئن ہو گئیں۔

عورت کے حقوق [illegible] ادا کئے

تم نے [illegible] حقوق کا [illegible] حقوق [illegible] تو مجھے
بتاؤ تو عورت کے حقوق [illegible] میں عورت
کو [illegible] تعلیم نہیں [illegible] اس کو گھر میں بٹھا کر
روٹی [illegible] حقوق [illegible] عورت کو دائیں
طرف [illegible] اور رات کو
[illegible] کی اجازت دینا اور
[illegible] تمام [illegible] بال کتر کے ٹنڈ کرا دینا
دینا یہ سب عورت کے [illegible] آپ کو مبارک
کرے [illegible] غیرت [illegible] کا ساتھ نہیں دے سکتا،
اسلام تو حیا اور غیرت سکھاتا ہے۔ اسلام نے تو حیا کو ایمان کا جزو اعظم ٹھہرایا ہے، اگر
آجکل کے بد تہذیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم و حیا کو دیکھتے تو شاید حضور کی
نبوت کا انکار کر دیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت

[illegible] ایک [illegible] پیغمبر

جو عورتوں کی طرح حیا کرتا ہے [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کی غیرت کا
تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ [illegible] اور

اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت دار ہے، اسی لئے وہ اپنے بندوں پر فحش اور بے حیائی کو حرام کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قضائے حاجت کو تشریف لیجایا کرتے تھے تو ہمیشہ ایسی جھاڑیاں تلاش فرماتے تھے جن میں انسان کی نظر نفوذ نہ کر سکے اور اگر جھاڑیاں نہ ملتی تھیں تو ریت کو سمیٹ کر ایک چھوٹا سا ٹیلہ بنا لیا کرتے تھے اور اس کی آڑ میں بیٹھکر قضائے حاجت کرتے تھے۔ جبتک زمین سے قریب نہ ہو جاتے اپنا تہبند اونچا نہیں کرتے تھے۔

اللہ اللہ کہاں انبیاء کی تہذیب اور کہاں یورپ کی بدتہذیبی، اور عجیب لُطف یہ کہ آج کل عورت جس قدر برہنہ ہو اتنی ہی مہذب یعنی اگر عورت اپنے جسم کو برہنہ کر دے تو وہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ اور شائستہ سمجھی جائے اور اگر مرد پاؤں کا موزہ بھی کسی وقت اتار دے تو وہ غیر مہذب خیال کیا جائے، گویا برہنگی مرد کیلئے بدتہذیبی اور عورت کے لئے تہذیب سمجھی جاتی ہے، مرد کو سوسائٹی میں موزہ اتارنا بھی ناجائز اور عورت کو ننگا ہو جانا بھی جائز۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ خیر اتنا تو معلوم ہوا کہ جسم کو کھولنا اور بدن کا ظاہر کرنا تمہارے نزدیک بھی تہذیب کے خلاف ہے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مرد کیلئے تو یہ فعل بدتہذیبی ہے لیکن اگر عورت ایسا کرے تو اعلیٰ درجہ کی تہذیب ہے۔

ارے صاحب! آپ کی تہذیب کی تفصیل کہاں تک عرض کروں آپکے ہاں تو بیٹی بناؤ کرکے اور کلوں پر پوڈر مل کر باپ سے دریافت کرتی ہے، باپ میں کیسی معلوم ہوتی ہوں اور باپ کہتا ہے تم بڑی حسین ہو جیسے تمہارے گلے خوشنما ہیں اور جیسی تمہاری آنکھیں رسیلی ہیں ایسی میری دوسری اولاد کی نہیں ہیں۔ بھلا ایک تہذیب کہ کنواری لڑکی اپنے باپ اور بھائی سے اپنے حسن کی تعریف کرائے اور کہاں یہ تہذیب کہ کوئی نوجوان لڑکی اپنے حقیقی بھائی یا باپ

کے ساتھ تنہا مکان میں رات کو نہ رہے، قوانین الکفر و این الاسلام۔

اسلام خدائی تہذیب کا نام ہے

حضرات! اسلام ایک آئین کا نام ہے۔ اسلام ایک تہذیب کا نام ہے، اسلام اس تمدن کو کہتے ہیں جو خدا کے پیغمبر خدا کی طرف سے لیکر آتے ہیں، خدائی تہذیب، خدائی تمدن، خدائی آئین پر عمل کرنے کا نام اسلام ہے یاد رکھئے وہ ہر بدتہذیبی، بے غیرتی، بے حیائی کا تحمل نہیں کر سکتا۔ اس میں کچھ برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے قانون کتنا ہی آزاد ہو لیکن پھر قانون ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کے قانون کی کس قدر تعریف کرتے ہو اور کہتے ہو۔ اس قانون میں بہت آزادی ہے شخصی حکومتیں بہت بری تھیں۔ آج جمہوری حکومت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے لیکن میں دریافت کرتا ہوں کہ باوجود اس روشن قانون اور ضمیر کی آزادی کے اگر میں آج آپ کے جلسہ میں گورنمنٹ پر نکتہ چینی شروع کروں تو کیا مجھ پر دفعہ ۱۲۴ (الف) کے تحت مقدمہ نہیں چلے گا، کیا میں کسی کو قتل کر سکتا ہوں، کیا میں کسی کا مال چھین سکتا ہوں، کیا میں کسی کو گالی دے سکتا ہوں، قانون پھر قانون ہے کسی نہ کسی بات کو تو ناجائز کہے گا۔

سوسائٹی کا قانون

آپ سوسائٹی کا قانون بنا لیجئے۔ تو کیا اسمیں ہر بات کی اجازت ہوگی، آپ کسی قانون میں کتنی ہی ضمیر کی آزادی رکھئے لیکن کچھ نہ کچھ امور تو ایسے ہوں گے جن کو آپ ناجائز قرار دیں گے کیا ضمیر کی آزادی کا یہ مطلب ہوگا کہ جس عورت پر جی چاہے قبضہ کر لو جس شخص پر غصہ آئے اُسے قتل کردو جس کی دوکان پر سے جی چاہے کوئی چیز اٹھا کر کھا جاؤ جس کے گھر میں جی چاہے بلا اجازت گھس جاؤ اور کوئی ٹوکے تو کہدو کہ جناب ہر شخص کو ضمیر کی آزادی حاصل ہے، اگر ضمیر کی آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے اور یقیناً

نہیں ہے بلکہ ہر قانون میں کچھ ایسی پابندیاں ہوتی ہیں جہاں ضمیر کی آزادی کو پامال کرنا پڑتا ہے اور ضمیر کی آزادی کا نیا مطالب بیان کرنے پر سوسائٹی مجبور ہوتی ہے، خواہ اخلاق و مروت سے یا معاشرت انسانی کے نام سے یا حقوق انسانیت اور شہری حقوق کے نام سے بہر حال کسی نہ کسی گوشہ میں قانون کا پابند ہونا پڑتا ہے جب دنیاوی قانون میں بھی ان امور کی رعایت کرنی پڑتی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اسلامی قانون کے نام سے آپ کو اس قدر وحشت کیوں ہوتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک قانون لارڈ میکالے نے بنایا ہے اور ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا ہے، ایک انگلستان کی پالیسی کے ماتحت بنایا گیا ہے، دوسرا خدائی حکومت کے ماتحت بنایا گیا ہے، میں نہیں سمجھ سکتا تعزیرات ہند کی پابندیاں تو بابرکت اور سایۂ رحمت سمجھی جائیں اور ان کی عزت و احترام پر حلف وفاداری اٹھایا جائے لیکن قرآن کی پابندیاں قابل اعتراض اور ناقابل عمل قرار دی جائیں اور بیسویں صدی کے لئے ان کو ناممکن العمل بتایا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس قانون میں ترمیم کردی جائے تو قابل عمل ہو سکتا ہے۔

قرآن میں تبدیلی

تم ہی جیسے بزدلوں کے حق میں تو قرآن نے کہا ہے۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ۔ جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور قرآنی احکام کو واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے تو وہ لوگ کہتے ہیں جو ہماری ملاقات سے ناامید ہو چکے ہیں کہ اس قرآن کی بجائے کوئی دوسری کتاب لاؤ یا اس میں کچھ تبدیل و ترمیم کردو، اے محمد آپ کہدیجئے قرآن میں ترمیم و تبدیل میرے اختیار سے باہر ہے میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کرسکتا، میں تو خود اس

قرآن پر عمل کرنے کا اتنا ہی ذمہ دار ہوں جتنے تم ہو، آپ تو مولویوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ قرآن میں ترمیم کر دیجئے۔ لیکن آپ کو معلوم نہیں یہ اختیار تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ تھا۔ بھلا مولوی بیچارے کیا کر سکتے ہیں۔

انطاکیہ والوں کا قصہ

شاید آپ نے حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ سنا ہوگا جب یہ انطاکیہ میں پہنچے تو اس گاؤں کے لوگوں نے ان دونوں معزز مہمانوں کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ لیکن باوجود اس ذلیل حرکت کے بھی حضرت خضر نے ان کی ایک دیوار کو جو گرنے کے قریب تھی ہاتھ لگا کر سیدھا کر دیا۔ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے انطاکیہ والوں کے متعلق فرماتے ہیں فابوا ان یضیفوھما یعنی اہل انطاکیہ نے موسیٰ اور خضر کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں اہل انطاکیہ نے خیال کیا کہ اس واقعہ سے ہم تمام دنیا میں بدنام ہو رہے ہیں چلو حضرت علی کو کچھ روپیہ دیکر اس میں تھوڑی سی تبدیلی کرا لو۔ چنانچہ یہ لوگ بہت سا روپیہ لیکر خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا یہ روپیہ ہم بیت المال کیلئے لائے ہیں۔ یہ روپیہ بیت المال میں داخل کر لیجئے اور قرآن میں جہاں ہماری بستی کا ذکر آیا ہے وہاں ایک حرف کی تبدیلی کر دیجئے اور با کو تا سے بدل دیجئے۔ اس میں کچھ بڑا فرق بھی نہ ہوگا نیچے سے ہٹا کر اوپر دو نقطے لگا دیجئے تاکہ فاتوا ان یضیفوھما پڑھا جانے لگے اگر آپ ہم پر اتنی مہربانی کریں تو ہماری بدنامی دور ہو سکتی ہے کیونکہ اس تبدیل کے بعد یہ مطلب ہو جائیگا کہ اہل انطاکیہ نے ان بزرگوں کی مہمان نوازی کے فرائض انجام دیئے۔ حضرت علی نے فرمایا تم مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتے ہو کہ اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی نہ کر سکتے۔ قرآن میں تبدیلی تو صاحب وحی کے بھی اختیار میں نہ تھی چہ جائیکہ میں اس میں کوئی ترمیم کر سکوں

اسلام نے عورت کو عورت سمجھا

میرے دوستو! میں نے ابھی اُن حقوق کی طرف اشارہ کیا ہے جو اسلام نے عورت کو دیئے ہیں وقت کی قلت کے باعث میں تفصیل نہیں کر سکا لیکن پھر بھی اجمالاً وہ سب کچھ ظاہر کر دیا جو اس بحث سے تعلق رکھتا تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام نے عورت کو اتنی عزت دی ہے اور عورت کو اتنے حقوق دیئے ہیں کہ اگر تمہارا یورپ دوبارہ بھی زندہ ہو کر آئے تو وہ حقوق عورت کے تسلیم نہیں کر سکتا جو اسلام نے اُس کو دیئے ہیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اسلام نے عورت کو عورت رکھا، اسلام نے اس کی نسائیت کا ہر امر میں لحاظ رکھا جو کچھ دیا یہ سمجھ کر دیا کہ عورت کو دیا جا رہا ہے اُس نے عورت کو غیرت و حیا کا مجسمہ اور شرم و عصمت کی ایک تصویر سمجھا۔ اسلام نے عورت کو ایک صنف ضعیف تصور کرتے ہوئے مرد کیلئے شریک زندگی سمجھا۔ اسلام نے عورت کو جو کچھ دیا یہ سمجھ کر دیا کہ یہ فتنوں اور امتحانات کا پیکر ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ عورت کو صرف مرد کی اطاعت کا ذمہ دار بنا کر سب کچھ عورت ہی کو دیدیا۔ عورت سے اتنا ہی تو مطالبہ ہے کہ اگر جنت میں جانا چاہتی ہے تو مرد کو راضی رکھو۔ اس کے علاوہ عورت کے ذمہ اور کیا ہے، باقی تو جو کچھ ہے سب مردوں پر ہی ہے۔ غرض اسلام نے عورت کو جو کچھ دیا وہ عورت سمجھ کر دیا، تمہاری طرح اسلام نے عورت کو لونڈا نہیں بنایا اور نہ اس کو نمائش کی کوئی چیز بنایا کہ لوچندی کے میلوں میں سجائی جائے بلکہ وہ تو ایک شرم و حیا کی گڑیا ہے جو صرف اس شخص کی دل بستگی اور اطمینان و سکون کیلئے پیدا کی گئی ہے جس کو خود اُس نے اپنی خوشی سے اپنا خاوند بنانا تسلیم کر لیا ہے۔ اسلام نے اس کو ناچنے والی پتلی نہیں بنایا جو آپ کی محافل میں ننگی کھڑی ہو کر آپ کو اپنا ناچ دکھائے اور آپ کے دوستوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر ناچے وہ ایک شخص

کے لئے ہے اور صرف ایک شخص کیلئے اور وہ وہ شخص ہے جس کی بیوی ہونا اس نے
منظور کر لیا ہے تو آپ کے لئے ہے آپ کے دوست تو لینے نہیں ہیں ہے وہ عورت
سالن کی ہنڈیا نہیں ہے جس کا نمک ہر شخص چکھنے بیٹھ جائے تم نے عورت کو جس
طرح ایک کھلونا بنا لیا ہے یہ طریقہ نہ تو فطری ہے اور نہ اسلام اسکو پسند کرتا ہے
اور نہ کوئی شریف تہذیب اس کا تحمل کر سکتی ہے اور نہ یہ چیز زیادہ دنوں چل سکتی ہے

عورت کا مرتبہ اور اس کا اعزاز

مجھے افسوس ہے کہ آپ کا یورپ اسلام کو
یہ کہہ کر بدنام کرتا ہے کہ اسلام کی نظر میں یا
اسلامی قانون میں عورت کی کوئی عزت نہیں ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ عورت
کی عزت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے
عورت کو اپنی محبوب ترین چیزوں میں شمار کیا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی
بارگاہ رسالت سے عورت کے لئے جس اعزاز کا اعلان کیا گیا ہے کیا اس عزت کے
بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کی کوئی عزت نہیں۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ آپ میں سے ہر شخص نے سُنے ہوں گے جو آپ نے
تین چیزوں کی محبوبیت کے متعلق ظاہر فرمائے ہیں چنانچہ آپ کا ارشاد ہے

حُبِّبَ اِلَیَّ مِن دُنیاکم ثلٰث النساء والطیب وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ

اس تمہاری دنیا میں سے میرے قلب میں تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے،
ایک عورت، دوسرے خوشبو، تیسرے نماز میں اسوقت آپ کو یہ نہیں بتانا
چاہتا کہ ان تینوں چیزوں میں کیا مناسبت ہے، اور ان میں باہمی ارتباط کیا ہے۔
اور مجہول کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں محبت
ڈال دی گئی ہے کس طرف اشارہ ہے یہ تمام علمی باتیں ہیں اور تم کو علمی ذوق ہے
نہیں، پھر تمہارے سامنے علمی باتیں بیان کرنا اضاعت وقت کے مرادف ہے

تم کو تو جاہل میلاد خوانوں نے تباہ کر رکھا ہے، تم علم کی قدر کیا جانو!

نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک

اچھا ایک بات تو بتاؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، نماز کا تعلق تو سارے ہی جسم سے ہے بالخصوص زبان اور قلب کا تعلق نماز سے بہت گہرا ہے، نماز میں کوئی دیکھنے کی چیز تو ہے نہیں پھر نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہنے کے کیا معنی؟

سیکرٹری عزیزو ہماری تمہاری نماز تو واقعی ایسی ہے کہ اس میں دیکھنے کی کوئی چیز نہیں ہے لیکن ہماری تمہاری نماز ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے وہ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

کبھی قبلہ رُخ جو کھڑا ہوا تو حرم سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

آپ کے ملا عراقی فرماتے ہیں ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بھائی ہماری نماز کیا ہے حقیقی نماز جس کا نام ہے اس کا تعلق تو درحقیقت آنکھوں ہی سے ہے۔ ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے ؎

جائز نماز کب ہو جو مسجد میں تو نہ ہو
ہم سجدہ کب کریں کہ جو تو روبرو نہ ہو
کس کام کا وہ گل ہے کہ جس گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

صاحبو! ایک اور حدیث پہلے سن لو تب تمہاری سمجھ میں شاید وہ بات آجائے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سے اتنے قریب ہو کر بیٹھ گئے کہ حضرت جبریل کے گھٹنے سرکار کے گھٹنوں سے ملے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام اس اجنبی شخص کی اس جرأت پر متعجب ہوئے اور یہ غور کرنے لگے کہ کون شخص ہے صحابہ کو اس پر اور بھی تعجب ہوا کہ یہ شخص مدنی تو ہے نہیں۔ مدینہ میں کبھی اس کو دیکھا نہیں اور نہ یہ شخص مسافر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس پر سفر کے آثار نہیں ہیں۔ بہر حال صحابہ منتظر ہیں کہ یہ شخص کیا کرتا ہے۔ حضرت جبریل نے جو انسانی شکل میں تھے سرکار سے دریافت کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتاؤ ایمان کیا ہے۔ سرکار نے جواب دیا، ایمان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں پر، اس کے فرشتوں پر، قیامت کے دن پر، تقدیر پر، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر انسان ایمان لائے، حضرت جبریل نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ صحابہ کو اور بھی تعجب ہوا کہ یہ کوئی سائل ہے یا ممتحن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب پر وہ شبہ نہ کیا جاوے جو ہمارے طالب علم کیا کرتے ہیں ما الایمان کے جواب میں ان تؤمن باللہ و ملائکتہ کہنے سے تعریف الشئ بنفسہ لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت جبریل کے سوال ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفس ایمان کی تعریف نہیں دریافت کرتے تھے بلکہ ایمان کے متعلقات دریافت کرنا چاہتے تھے ورنہ اس کا جواب تو صرف اذعان و تصدیق ہوتا۔ اسی لیے میں نے ایمان کی تفصیل کہا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ محدود سے ایمان شرعی مراد لیا جائے اور حد سے ایمان لغوی مراد ہو۔

پھر حضرت جبریل نے کہا۔ اسلام کیا ہے آپ نے فرمایا پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، اللہ تعالیٰ کی توحید اور پیغمبر کی رسالت کا اقرار کرنا، حج کرنا، زکوٰۃ دینا، پھر انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت جبریل نے دریافت کیا یا رسول اللہ احسان کیا ہے سرکار نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

ان تعبد اللہ کانک تراہ یعنی احسان یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت اسطرح
کی جائے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ وان لم تکن تراہ فانہ یراک اور اگر تو
اس کو نہ بھی دیکھے تب بھی وہ تجکو دیکھتا ہی ہے۔ یہ حدیث بہت لمبی ہے لیکن مجھے
تو صرف ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جو حضرت بیں وہ درجہ جس کا نام احسان ہے
اور جو سب سے اعلی ہے اور جس مرتبہ کے لوگوں کا نام شریعت میں مقرب ہے اور جسکی طرف
سورۂ واقعہ میں اشارہ فرمایا ہے والسابقون السابقون اولئک المقربون
جو لوگ ہر نیکی میں سبقت کرنے والے ہیں انہی کا نام مقربون ہے پھر فرمایا فاما
ان کان من المقربین فروح وریحان وجنت نعیم اگر کوئی بندہ مقربین
میں سے ہے تو اس کے لئے جنات نعیم کے علاوہ اور بھی آرام واطمینان کے بڑے
بڑے سامان ہیں۔ اس وجہ سے لوگوں کی عبادت یہ ہے کہ گویا عبادت کی حالت
میں ان کا معبود اُن کے سامنے ہے پھر اگر کسی کو نماز میں یہ درجہ حاصل ہو جائے
تو بتاؤ کہ اس کی لذت کا اثر آنکھوں ہی پر تو ہوگا اس لیے فرمایا کہ نماز میں میری آنکھوں کی
ٹھنڈک پنہاں ہے۔ اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی
لاحق ہوتی تھی تو آپ فوراً نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے تاکہ نماز کا وہ کیف جس
سے آنکھیں خاص طور پر لطف اندوز ہوتی ہیں اس پریشانی کو دور کر دے جو خارجی
اسباب کی بنا پر پیش آگئی ہے اور چونکہ عبادت کا تعلق آنکھوں کے ساتھ ہے
اس لئے ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فلا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم
من قرۃ اعین کسی شخص کو نہیں معلوم کہ اس کی آنکھوں کو خوش کرنے اور
ٹھنڈا کرنے کیلئے ہم نے کیا کیا سامان مہیا کر رکھے ہے یعنی وہ محسنین جو عبادت
اس طرح کرتے ہیں گویا ہم کو دیکھ رہے ہیں تو ہم ان کو اجر بھی ایسا دیں گے جس سے
اُن کی آنکھیں مالا مال ہو جائیں گی۔ بہر حال ان سوالات کے بعد حضرت جبریل تشریف

لیگئے اور آپ نے یہ فرمایا کہ دیکھو یہ شخص کہاں گیا۔ لوگوں نے باہر نکل کر دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا۔ سرکار نے فرمایا یہ جبریل تھے تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے شاید حدیث میں پہلے اسلام کا سوال ہے۔ پھر ایمان کا پھر احسان کا پھر قیامت کا۔ اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نماز کو آنکھ کی ٹھنڈک کیوں کہا گیا۔

اچھا ایک بات اور یاد رکھو۔ عبادت خواہ نماز ہو یا کوئی اور عبادت، ہر قسم کی عبادت اطمینان و سکون چاہتی ہے خوشبو دماغ کیلئے موجب فرحت و سکون ہے اور نیک عورت قلب کیلئے موجب تسکین بھی ہے اور عبادت خداوندی کے لئے معین و مددگار بھی ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ساتھ ساتھ عورت اور خوشبو کا ذکر فرمایا۔ کیا عورت کو محبوب ترین اشیا میں شمار کرنے کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں عورت کی کوئی عزت و وقعت نہیں ہے

اصحاب کرام کی محبوب ترین اشیاء

میں نے شہاب الدین قلیوبی کی نوادرات میں دیکھا ہے کہ حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قلب میں تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے مجہول کا صیغہ اسلئے استعمال کیا تاکہ یہ ظاہر کیا جائے کہ مجھے اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ جس کے قبضے میں قلب ہے اسی نے ان چیزوں کو محبوب بنا دیا ہے بہر حال جب سرکار نے یہ فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں النظر الیک والجلوس بین یدیک وانفاق مالی علیک۔ آپ کی طرف دیکھنا آپ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہنا۔ اور اپنا مال آپ کی ضروریات پر خرچ کرنا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر وقول الحق وان کان مُرّاً۔ لوگوں کو نیک بات کا حکم کرنا۔ بری باتوں سے روکنا۔ اور سچی بات کہنا خواہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سنکر فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں
اطعام الطعام وافشا السلام والصلوۃ باللیل والناس نیام
مساکین کو کھانا کھلانا۔ سلام علیک کی اشاعت کرنا یعنی بکثرت مسلمانوں کو سلام کرنا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھنا جب لوگ سو رہے ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میرے دل میں بھی تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ الضرب بالسیف واقراء الضیف والصوم بالصیف
کفار کے ساتھ جہاد کرنا۔ مہمان کی مہمان نوازی کرنا۔ اور گرمی کے موسم میں روزے رکھنا۔

صحابہ کرام یہ باتیں کر رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ مجکو بھی تین چیزیں محبوب ہیں اداء الامانۃ وتبلیغ الرسالۃ وحب المساکین۔ امانت کا ادا کرنا۔ احکام رسالت کی تبلیغ کرنا اور مساکین سے محبت کرنا۔

پھر حضرت جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ کو بھی تین چیزیں بہت محبوب ہیں۔
لسان ذاکر وقلب شاکر وبدن علی البلاء صابر۔ وہ زبان جو ہر وقت ذکر کرتی رہے وہ قلب جو ہر حالت میں شاکر رہے اور وہ جسم جو ہر قسم کے مصائب پر صبر کرے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ روایت پہونچی تو آپ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔ تحصیل العلم فی طول اللیالی وترک التعاظم والتعالی وقلب من امور الدنیا خالی۔ لمبی لمبی راتوں میں علم حاصل کرنا۔ بڑائی اور فخر کی باتوں کو ترک کر دینا۔ اور ایسا قلب جو دنیا کے بکھیڑوں سے خالی ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔
مجاورۃ الرسول فی روضتہ۔ وملازمۃ تربتہ وحرمتہ وتعظیمہ

اھل بیتہ وعترتہ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روضۂ اطہر کی مجاوری ، آپ کی تربت شریف اور آپ کے حجرے کی حاضری ۔ آپ کے اہل بیت کی عزت و عظمت کرنا ۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں عشرۃ الناس بالتلطف وترک ما یؤدی الی التکلف والاقتداء بطریق التصوف لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا ۔ تکلف کی باتوں کو ترک کر دینا ۔ تصوف اور احسان کے طریقہ پر چلنا ۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں متابعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اخبارہ [illegible]

ایک شبہ کا جواب

بعض پردے کے مخالفین نے ایک اور طریقہ اختیار کیا ہے ۔ یہ عورت کے غلط حامی اور دوست نما دشمن کہا کرتے ہیں کہ عورتوں کو گھروں میں مقید کرنا اور بلا محرم کے اُن کو سفر کرنے سے منع کرنا یہ ان کی توہین ہے اور اس قسم کی پابندیوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک عورت کا کوئی اعتماد نہیں اور آپ کی نظر میں عورت ناقابل اعتبار ہے ۔ میں عرض کرتا ہوں اس کا مبنیٰ بھی وہی یورپین تخیل ہے کہ عورت و مرد میں ہر اعتبار سے مساوات ہونی چاہئے اور قدرت نے جو فرق رکھا ہے اس فرق کو مٹا دینا چاہئے اگر اس تخیل کو آپ چھوڑ دیں تو تمام باتیں دور ہو سکتی ہیں اور ہر شبہ کا جواب دیا جا سکتا ہے ، آپ کا یورپ ہر اعتبار سے مرد و عورت کو یکساں کرنا چاہتا ہے اور قانون فطرت یہ کہتا ہے کہ ولیس الذکر کالانثیٰ عورت کسی طرح بھی ہر حیثیت سے مرد کے مساوی نہیں ہو سکتی ۔ اصل اختلاف تو یہ ہے کہ مرد و عورت میں فرق ہے ۔ مرد عورت کی زندگی کا سہارا ہے دنیا میں ہر قسم کے انسان ہیں ۔ شرارت پسند لوگوں سے عورت کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ یا تو گھروں میں رہے یا کسی ذمہ دار مرد کو اپنے ہمراہ لیکر گھر سے نکلے تاکہ کوئی شریر اس کو گزند نہ پہنچا سکے ۔ میں تو پھر عرض کرتا ہوں جہاں عفت و عصمت کا سوال ہوگا وہاں یہ سب باتیں ہوں گی اور جہاں عورت کی عفت و عصمت

کوئی اہم چیز نہ ہوگی وہاں نہ پردے کا سوال ہے نہ گھروں میں بیٹھنے کا سوال ہے نہ محرم وغیر محرم کی کوئی قید ہے، رہا عورت کا اعتماد و اعتبار تو بھائی اگر عورت کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کو گھر میں چھوڑ کر مرد کہیں باہر ہی نہیں نکلتا بلکہ چوبیس گھنٹے گھر ہی میں بیٹھا رہتا۔ اب ہم دہلی سے سات سو میل پر تقریر کر رہے ہیں اگر ہم کو خدانخواستہ اپنی بیوی پر اعتماد نہ ہوتا تو ہم اتنا طویل سفر کس طرح کر سکتے تھے اس کے علاوہ ہماری عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں سے تو زیادہ افضل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے ینساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن۔ اے نبی کی عورتو! اگر تم پرہیزگاری اور تقوی اختیار کرو تو تمہارے برابر مرتبہ میں کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ ان ذی مرتبہ عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ یہی حکم دیتا ہے وقرن فی بیوتکن اے نبی کی عورتو تم گھر میں رہا کرو اور اپنے گھروں سے اس طرح نہ نکلا کرو جس طرح زمانہ جاہلیت میں نکلا کرتی تھیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عائشہؓ

اس وقرن فی بیوتکن پر مجھے جنگ جمل کا ایک واقعہ یاد آگیا، جنگ جمل اس لڑائی کو کہتے ہیں جو بدقسمتی سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مابین بعض غلط فہمیوں کی بنا پر ہوئی تھی حضرت عمار بن یاسر ان لوگوں میں سے ہیں جو ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے، ان کی والدہ سمیہ کو تو کافروں نے مارتے مارتے جان سے ہی مار ڈالا تھا، ان پر بھی بڑے مظالم ہوئے لیکن یہ زندہ رہے بڑے پرانے لوگوں میں سے ہیں اور بڑے مخلص مسلمان ہیں جن کو ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات تھا، اور ان کے متعلق سرکار کی ایک پیشنگوئی بھی تھی کہ عمار تجھکو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی

مسجد نبوی کا ایک واقعہ

حضرت عمار بن یاسر کا خاندان چونکہ ابتدا ہی میں

مسلمان ہوگیا تھا۔ اس لئے ان کے خاندان پر کفار سخت مظالم کرتے تھے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی ان مظلومین پر گذر فرماتے توان کو تسلی دیتے اور دعا کرتے اللھم اغفر لآل یاسر یا اللہ آلِ یاسر کی مغفرت فرما۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں۔ جب حضور نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی تو لوگوں کو حکم دیا کہ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاؤ اور آپنے اپنی چادر زمین پر بچھادی تاکہ اس میں اینٹیں رکھو خود سرکار اٹھائیں جب صحابہ نے یہ دیکھا تو مہاجرین وانصار دوڑے اور اپنی اپنی چادریں بچھا کر اینٹیں اٹھانے لگے۔ اینٹیں اٹھاتے جاتے تھے اور رجز کے طور پر یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

لئن قعدنا والنبی یعمل — ذاک اذن لعمل مضلل

ایسی حالت میں کہ اللہ کا پیغمبر کام کرے اور ہم بیٹھے رہیں تو ہمارا بیٹھا رہنا اور خدا کے پیغمبر کا ہاتھ نہ بٹانا ایک گمراہی کا فعل ہوگا۔ چنانچہ لوگ اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کام میں شریک تھے چونکہ حضرت عثمان ایک دولتمند آدمی تھے اس لئے اینٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے کپڑوں سے بچا کر لاتے تھے اور اینٹ کو تعمیر کی جگہ پہنچا کر کئی کئی مرتبہ اپنے ہاتھوں کو جھاڑتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمان کے اس تکلف پر دو شعر کہہ ڈالے ؎

لا یستوی من یعمر المساجدا — یدأب فیھا راکعا وساجدا
وقائما طورا وطورا قاعدا — ومن یری عن التراب حائدا

مطلب یہ ہے کہ بھلا وہ شخص جو مسجد کی تعمیر کرتا ہے اور مسجد میں عبادت کرتا رہتا ہے کبھی قیام میں اور کبھی رکوع میں کبھی سجود میں ایسے شخص کی برابر وہ شخص ہوسکتا ہے جو ذرا سی خاک اور مٹی کے کپڑوں پر پڑ جانے سے گھبراتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسر نے ان شعروں کو سنکر پڑھنا شروع کر دیا ۔ سیدھے آدمی کی بھی مشکل ہوتی ہے ان کو خبر نہیں کہ یہ حضرت عثمان پر تعریض ہے، انہوں نے بلند آواز سے پڑھنے شروع کئے ۔ حضرت عثمان نے بھی یہ شعر سن لئے تو ان کو ڈانٹا، کہ او ابن سمیہ خاموش تجھے خبر نہیں کہ کس پر تعریض ہے ۔ حضرت عثمان کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی وہ دکھا کر کہا کہ اگر اب کے تیری زبان سے یہ شعر سنے تو اس لکڑی سے خبر لوں گا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ گفتگو سن لی اور فرمایا عمار میری آنکھوں کا درمیانی حصہ ہے اس کو اگر کوئی تکلیف پہونچائی گئی تو مجھے رنج ہوگا ۔ حضور کے یہ الفاظ سنکر صحابہ خوفزدہ ہوگئے اور عمار سے کہا حضور تیرے معاملہ میں ناراض ہورہے ہیں اور ہم کو ڈر ہے کہیں ہمارے متعلق قرآن نازل نہ ہو جائے حضرت عمار نے کہا گھبراؤ نہیں میں حضور کو ابھی راضی کئے دیتا ہوں چنانچہ حضرت عمار حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں حضور نے فرمایا کیا بات ہے، انہوں نے کہا حضور مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں سب تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ سے دو دو اینٹیں اٹھواتے ہیں ۔ حضور نے عمار کا ہاتھ پکڑا اور ان کو لئے ہوئے زیر تعمیر مسجد میں ٹہلنا شروع کیا ۔ حضرت عمار کے چہرہ سے مٹی اپنے دست مبارک سے صاف کی اور فرمایا، عمار! تجھے کون قتل کر سکتا ہے تجھے تو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی ۔ یہ بات لوگوں کو یاد رہی ۔

علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سو، اتفاق سے وہ جنگ جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان ہوئی جسکو جنگ صفین کہا جاتا ہے اس میں عمار بن یاسر کی ہمدردی حضرت علی کے ساتھ تھی وہ جنگ بھی ایک سخت فتنہ تھی جس میں بعض حضرات بالکل غیر جانبدار رہے

اور بعض حضرات حضرت علیؓ کی طرف ہو گئے اور بعض حضرت معاویہ کی طرف ہو گئے چنانچہ حضرت عمار بھی اس جنگ میں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک ہوئے اور حضرت معاویہ کی فوج کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ حضرت عمار کے شہید ہونیکے باعث بہت سے غیر جانبدار حضرات بھی حضرت علی کے ساتھ ہو گئے بہر حال دوران جنگ میں حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو یہ روایت سنائی کہ عمار کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو فئتِ باغیہ قتل کریگا۔ اور ہماری فوج کے ہاتھوں عمار قتل ہوا ہے یہ سنکر حضرت معاویہ نے کہا حضور کی پیشینگوئی بالکل درست ہے عمار کے قاتل علیؓ ہیں کیونکہ علی ہی نے عمار کو میدان جنگ میں بھیجا اگر علیؓ عمار کو نہ بھیجتے تو وہ کیوں قتل کئے جاتے اس لئے اصل قاتل تو علیؓ ہیں جنہوں نے عمار کو نکالا۔ عمرو بن العاص تو یہ تاویل سنکر خاموش ہو گئے لیکن جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معاویہ کے یہ الفاظ پہنچے تو حضرت نے افسوس کے لہجہ میں کہا ہاں بھائی سچ ہے حضرت حمزہ کو بھی ہم نے ہی قتل کیا تھا کیونکہ غزوۂ احد میں ہم ہی ان کو لیکر گئے تھے۔

حضرت معاویہ کی تقریر

حضرت عمار کی پیشینگوئی ایسی صاف تھی کہ ہر شخص کو اس نے شتبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک دن حضرت معاویہ تقریر کر رہے تھے جس میں حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور حضرت علیؓ کے تغافل پر بحث کر رہے تھے۔ اور حضرت علیؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات برانگیختہ کر رہے تھے چونکہ لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عمار بن یاسر حضرت علی کے ساتھ ہیں اس لئے تقریر ہی میں ایک شخص شبث نامی نے کہا اے معاویہ اگر آپ عمار بن یاسر پر قادر ہو جائیں تو کیا اس کو بھی قتل کریں گے۔ حضرت معاویہ نے کہا مجھے اس کے قتل سے کونسی چیز مانع ہے خدا کی قسم اگر میں ابن سمیہ پر قابو پاؤں تو اس کو حضرت عثمانؓ کے بدلہ

ہیں نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے غلام نائلہ کے بدلہ میں قتل کردوں۔ شیث نے یہ سنکر کہا واللہ الارض والسماء ما عدلت معتد لا قسم ہے آسمان وزمین کے موجود کی آپ اعتدال سے بہت دور چلے گئے۔ اس پر کچھ گڑبڑ ہوگئی اور جلسہ منتشر ہوگیا

ابن السکّیت اور خلیفہ متوکل

مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ پر خلیفہ متوکل کا ایک واقعہ یاد آگیا متوکل خاندان عباسیہ کا ایک مشہور اور نامور خلیفہ ہے اس کے دو لڑکے معتز باللہ اور مؤید باللہ ابن السکیت سے تعلیم پاتے تھے۔ ابن السکیت بہت بڑے عالم اور بالخصوص ادب اور صرف ونحو کے امام تھے اور خلیفہ کے دونوں صاحبزادوں کے اتالیق تھے ایک دن خلیفہ متوکل نے ان سے دریافت کیا کیوں مولانا صاحب آپ کو یہ دونوں میرے بچے زیادہ محبوب ہیں یا حسنؓ اور حسینؓ۔ وہ مولانا صاحب آجکل کے عبدالدراہم والدنانیر مولوی تو تھے نہیں ان کو اس مہمل اور بے معنی سوال پر غصہ آگیا اور انہوں نے بیساختہ کہا ان قنبرًا خادم علي خير منك ومن ابنيك یعنی امام حسنؓ وحسینؓ کی شان تو اس قسم کے تصور سے بہت بلند ہے میں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غلام قنبر کو بھی تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے بہتر وافضل سمجھتا ہوں۔ متوکل بھلا اتنی بڑی گستاخی کو کیونکر برداشت کرسکتا تھا اس نے حکم دیا کہ ان کی زبان ان کی گدی کی جانب سے یعنی گردن کے پچھلے حصّہ سے نکال لی جائے چنانچہ یہ سزا دی گئی اور ان کی وفات ہوگئی۔ اور دیکھئے سوء اتفاق یہی حضرت ابن السکیت اس واقعہ سے چند روز پیشتر یہ اشعار کہہ چکے تھے بعض وقت کی بات بھی ایسی ہوتی ہے کہ جو منہ سے نکلتا ہے وہی ہو جاتا ہے ابن السکیت فرماتے ہیں ؎

يصاب الفتى من عثرة بلسانه   وليس يصاب المرء من عثرة الرجل

فعثرته فی القول تذهب رأسه   وعثرته فی الرجل تبرا علی مهل

ابن السکیت نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات انسان اپنی زبان کی وجہ سے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ پاؤں کی لغزش اتنی خوفناک نہیں جتنی زبان کی لغزش خطرناک ہے اگر پاؤں کبھی غلطی سے پھسل جائے تو آدمی سنبھل سکتا ہے لیکن اگر منہ سے کوئی بات بے محل اور بغیر سوچے سمجھے نکل جائے تو آدمی کی جان ہی پر بن جاتی ہے اور اس کا سر ہی اڑا دیا جاتا ہے۔ سوء اتفاق دیکھئے کہ جو منہ سے نکلا تھا وہی پیش آ گیا۔

حضرت عائشہ کا واقعہ

ہاں صاحب معاف کیجئے میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ بات میں سے بات نکلی چلی آتی ہے میں تو کہا کرتا ہوں لٹریچر کی کمی نہیں ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ میں تھک جاتا ہوں۔ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ کی جنگ کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ ابتدا میں اس کی کوئی توقع نہ تھی لیکن باتوں ہی باتوں میں یہ لڑائی چھڑ گئی اور ان دونوں کی یہ جنگ بھی حقیقت میں مسلمانوں کا ایک بڑا امتحان تھا۔ لڑائی کی یہ حالت ہے کہ شروع میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن آخر میں وبال جان ہو جاتی ہے۔ عمرو بن معدیکرب نے کیا خوب کہا ہے یہ معدیکرب زبیدی ہے جو عرب کا مشہور شاعر تھا ؎

الحرب اول ما تکون فتیة   تسعی بزینتها لکل جھول
حتی اذا اشتعلت وشب ضرامها   ولت عجوزا غیر ذات حلیل
شمطاء تنکر لونها وتغیرت   مکروهة للشم والتقبیل

لڑائی ابتدا میں ایک خوبصورت اور نوجوان عورت کی مانند ہوتی ہے جس کی زینت کو دیکھ کر ہر بے وقوف اس کی طرف دوڑتا ہے لیکن جب اس کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں تو ایک بوڑھی اور بدصورت بیوہ عورت کی شکل میں ہو جاتی ہے جس کے

پاس جانے سے آدمی گھبراتا ہے اور اس کی بدصورتی کے باعث اسکو مکروہ سمجھتا ہے
بہرحال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگ
بھی ابتدا میں الیکشن ہی تھی لیکن جو بات معمولی تھی اور خیال یہ تھا کہ باہمی گفت
وشنید سے طے ہو جائے گی وہ آخر میں سچ مچ کی لڑائی ہو گئی اور جو پارٹی حضرت علی
کی مخالف تھی اس کی سرکردگی میں اس جنگ میں حضرت عائشہ خود شریک
ہوئیں اور مدینہ منورہ سے تشریف لے گئیں چونکہ میدان جنگ میں حضرت عائشہ ایک
اونٹ پر سوار تھیں اسلئے اس جنگ کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ
اور زبیر کی ہمدردی حضرت عائشہ کے ساتھ تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس جنگ کے
ہیرو یہی دونوں صاحب تھے اور حضرت عمار بن یاسر کی ہمدردی حضرت علی کے ساتھ تھی

عمار بن یاسر کی کوفہ میں تقریر

ہر ایک جنگ اور لڑائی کا یہ قاعدہ ہے خواہ وہ آئینی ہو یا غیر آئینی۔ اس کے شرکا اپنی اپنی
پارٹی کو مضبوط بنانے کی فکر کیا کرتے ہیں اور ہر پارٹی کا لیڈر کنویسنگ کرتا ہے،
تاکہ اس کے حمایتی زیادہ ہو جائیں چنانچہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ لے کر بصرہ پہنچے تاکہ اہل بصرہ کو اپنا طرفدار
بنائیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے
حضرت حسن اور عمار بن یاسر کو کوفہ بھیجا تاکہ عمار اہل کوفہ کو ہموار کریں چنانچہ عمار بن
یاسر نے وہاں پہنچکر ایک عام مجمع میں تقریر کی حضرت عمار نے پہلے حضرت حسن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو منبر پر چڑھایا اور منبر کی سیڑھی پر بٹھایا پھر خود نیچے کی سیڑھی پر کھڑے
ہوئے حضرت عمار بن یاسر کے متعلق میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ بڑے مخلص اور
دیانتدار اور ابتدائی دور کے مسلمانوں میں سے تھے۔ سوء اتفاق سے خدمت اُن کے
سپرد کی گئی کہ حضرت عائشہ کے خلاف لوگوں کو مشتعل کریں تاکہ کوفے والے اُن کا ساتھ

نہیں بلکہ حضرت علی کا ساتھ دیں۔ اب یہ موقع عمار کے لئے کتنا مشکل تھا ایک طرف حضرت علی ہیں اور دوسری طرف عائشہ ہیں لیکن انہوں نے نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ تقریر کی اور عدل و انصاف کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

حضرت عمار نے سب سے پہلے حضرت عائشہ کی تعریف ان الفاظ میں کی کہ تم امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ میں تم کو مطلع کر دوں کہ حضرت عائشہ اور اُن کے رفقا بصرہ پہنچ گئے ہیں واللہ انھا لزوجۃ نبیکم فی الدنیا والاخرۃ ولکن اللہ ابتلاکم لیعلم ایاہ تطیعون ام ھی۔ خدا کی قسم حضرت عائشہ تمہارے نبی کی دنیا میں بھی بیوی تھیں اور آخرت میں بھی بیوی ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک نازک امتحان میں مبتلا کر دیا ہے تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ تم حضرت علی کا ساتھ دیتے ہو یا حضرت عائشہ کا حضرت عمار نے اگرچہ مختصر تقریر کی لیکن اُن کے خلوص کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور اہل کوفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حمایت کیلئے آمادہ ہو گئے حضرت حسن خاموش بیٹھے تھے حضرت عمار کی تقریر کے بعد حضرت حسن نے صرف چند کلمات فرمائے جس کا مطلب یہ تھا کہ میرے والد حضرت علی نے کہا ہے میں ہر اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتا ہوں جو حق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی رعایت کرتا ہے اگر میں مظلوم ہوں تو خدا میری مدد کرے اور اگر میں ظالم ہوں تو خدا مجھے رسوا کرے طلحہ اور زبیر نے پہلے میری بیعت کی تھی لیکن پھر مجھ سے روگردانی کی حالانکہ میں نے کوئی ناجائز بات نہیں کی اور نہ خدا کے کسی حکم میں تبدیلی کی۔ بہرحال ان تقریروں کا بہت اچھا اثر ہوا اور اس کے بعد جنگ جمل واقع ہوئی جب یہ جنگ ختم ہو گئی تو ایک دن حضرت عمار بن یاسر حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عمار بن یاسر کی تعریض حضرت ام المومنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

اے ام المؤمنین آپ نے اس عہد کو تو خوب پورا کیا جو آپ سے اللہ تعالیٰ نے لیا تھا۔
حضرت عمار کا مطلب اُسی آیت سے تھا جو میں نے ابھی پڑھی تھی وقرن فی بیوتکن
یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ازواج مطہرات سے عہد لیا تھا کہ تم اپنے گھروں میں قیام کرنا اور
باہر نہ نکلنا لیکن آپ اپنے گھر سے نکل کر بصرے پہونچیں اور حضرت علی سے نبرد آزما ہوئیں
حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر صرف اتنا فرمادیا واللہ انک ماعلمت تقول بالحق
اے عمار خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق یہ یقین ہے کہ تم ہمیشہ سچی بات کہتے ہو اور تم بہت
حقگو ہو حضرت عمار نے کہا الحمد للہ الذی قضیٰ لی علیٰ لسانک الحمد للہ اللہ تعالیٰ
نے میرے متعلق آپ کی ہی زبان سے فیصلہ کرا دیا۔ بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ
عورتوں پر کوئی بد اعتمادی نہیں ہے اور ان کو پردے کی ترغیب دینا اُن پر خدانخواستہ
بے اعتمادی کی دلیل نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو نبی کی ازواج کو یہ حکم کیوں دیا جاتا بلکہ
یہ حکم عورتوں کی شرافت اور ان کی عزت و احترام کی غرض سے دیا گیا ہے کہ گھر سے
نکلنا اور ہر جگہ دھکے کھاتے پھرنا اور روٹی کما کر لانا یہ کام مردوں کا ہے تمہارا نہیں ہے
تم تو گھر کی ملکہ اور گھر کی زینت ہو تمہارا کام تو صرف اس قدر ہے کہ مرد جو کچھ کما کر
لائے اسکو ڈھنگ، نیک چلنی اور کفایت شعاری سے خرچ کرو تاکہ تم کو بھی آرام ملے
اور تمہارے خاوند کی بھی آبرو ہو۔

اپنے کلچر کی حفاظت

میرے معزز دوستو! آج جبکہ دنیا کلچر کلچر پکار رہی ہے
اور قومی تہذیب کے بقا اور تحفظ کی ہر ممکن سعی کر رہی
ہے، تمہاری تلون مزاجی اور بے ثباتی اور بے راہ روی اور گمراہی کہاں تک مناسب معلوم
ہوتی ہے میں یہی عرض کر رہا تھا اور افسوس ہے کہ اس میں دوسری باتیں آگئیں۔ آج
تمام دنیا میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہر قوم کو اپنی قومی تہذیب کا تحفظ ضروری ہے جب قومیں
اپنی تہذیب کو بچانے کی فکر میں مشغول ہوں اسوقت مسلمانوں کا اپنی تہذیب کو

چھوڑ کر دوسری قوموں کی تہذیب اور کلچر کو اختیار کرنا کہاں تک معقول اور پسندیدہ ہو سکتا ہے۔

مصطفٰے کمال اور رضا شاہ پہلوی

آپ کے پاس جب کوئی معقول جواب نہیں ہوتا اور آپ کو کوئی معقول دلیل نہیں ملتی تو آپ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کیوں صاحب یہ مصطفٰے کمال اور رضا شاہ پہلوی کیوں یورپین لباس اختیار کر رہے ہیں، ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

اوّل تو آپ کا طریقہ استدلال ہی غلط ہے کیونکہ یہ تو وہی بات ہے جس کے متعلق آپ مولویوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مولوی تو ایک بات جانتے ہیں کہ بس حدیث میں یوں آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ آپ کے ضمیر کی آزادی تو اس قدر بڑھی ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل بھی آپ کے لئے حجت نہیں رہا اور مجھ سے تو ہر بات پر عقلی دلیل طلب کرتے ہو اور مجھے رضا شاہ اور مصطفٰے کمال کا نام لیکر مرعوب کرنا چاہتے ہو۔ تم جانتے ہو میں خدا پرست ہوں۔ میں خدا کے فضل و کرم سے اس حکومت متسلطہ سے بھی مرعوب نہیں ہوں جس کی سلطنت میں رہتا ہوں تو ایران و انگورہ جو مجھ سے کوسوں دور ہیں ان کے حکمران مجھ پر کیا اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر ہمیں ٹوڈی مولویوں پر قیاس نہ کیجئے ایسے عبد الدراہم والدینار صوفیوں اور مولویوں کی کچھ کمی نہیں ہے جن کا مذہب ہی اقتدار پرستی ہے۔ آج یہ موذی اس حکومت کے ساتھ ہیں کل اگر ہندو کا اقتدار ہو جائے تو یہ مردود اس کے ساتھ ہوں گے ان کا مسلک تو یہی ہے

اگر شہ روز را گوید شب است ایں   بباید گفت اینک ماہ و پرویں

خلاف رائے سلطان رائے جستن   بخون خویش باید دست شستن

ان کا اب تو صرف یہ کام ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طاقت کے بھروسہ پر علماء حق کے خلاف فتوی لکھا کریں یا اخبارات میں جھوٹے الزام لگا کر اپنے سیاہ نامۂ اعمال کی طرح اخبارات کے کالم کو سیاہ کیا کریں اس سے زیادہ نہ کوئی ان کا مشغلہ ہے اور نہ ان حکومت پرستوں کو اس سے زیادہ کچھ آتا ہے۔ آپ ہم کو خدا کے واسطے ان پر قیاس نہ کیجئے اور ہمارے سامنے یہ لغو دلیل پیش نہ کیجئے غلطی آخر غلطی ہے خواہ مصطفی کمال کریں یا رضا شاہ کریں۔

تم مصطفی کمال نہیں ہو مصطفی کمال بہر حال ذی اختیار اور صاحب اقتدار ہیں وہ اگر بعض مصالح کے اعتبار سے یورپین تمدن اختیار کر رہے ہیں تو کل اپنی طاقت سے اس کو روک بھی سکتے ہیں۔ ان کے سامنے سلطنت کے مصالح ہیں۔ حکومت کے منافع اور فوائد ہیں اور ہمارے سامنے کورا فیشن ہی فیشن ہے۔ اور محض انگریزوں کی تقلید ہی تقلید ہے تو کہاں ہم اور کہاں رضا شاہ پہلوی یا مصطفی کمال۔

گائے کی قربانی ہمارے ایک ہندو دوست جیل میں کہا کرتے تھے مولوی صاحب یہ کیا بات ہے آپ لوگ گائے کو کیوں مارتے ہیں آخر اعلی حضرت حضور نظام نے گئو مارنی بند کر دی، کابل میں گئو کشی بند ہو گئی لیکن یہاں کے مولوی بڑے متعصب ہیں کہ ناحق بیچاری گئو کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اگر مسلمان گئو مارنی بند کر دیں تو ہندو مسلم اتحاد ایک دن میں ہو سکتا ہے۔ میں اس دوست کی باتیں بہت توجہ کے ساتھ سنا کرتا تھا۔ اور گئو کشی کو یہ صاحب کشی بفتح کاف بولا کرتے تھے کئی دفعہ سمجھایا بھی، بھلے آدمی کشتن مصدر سے کشی ہے۔ اور کشیدن سے کشی ہے۔ تم جس معنی میں اس لفظ کو

ادا کرتے ہو وہ کاف کے ضمہ کے ساتھ بجائے فتحہ کے ساتھ غلط ہے۔ مگر بعض
لوگوں کو بیماری ہوتی ہے کوئی لفظ کہیں سے سُن پایا اور اس کا استعمال شروع
کر دیا۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ لفظ صحیح ہے یا غلط۔ ہم نے موقعہ پر استعمال کیا یا
بے موقع۔ ایک شخص کسی رئیس کے ہاں ملازم ہو گیا تھا۔ اس نے رئیس کے منہ سے
کسی موقعہ پر تشنگی کا لفظ سن لیا تھا۔ کمبخت یہ سمجھا کہ یہ لفظ کسی ضرورت کے موقعہ پر
بولا کرتے ہیں۔ ایک دن وہ رئیس اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ نوکر صاحب
موجود تھے۔ ایک دفعہ ہی بولے حضور اجازت ہے اس نے کہا کیا بات ہے کہاں
جانا چاہتا ہے یہ نوکر صاحب بولے حضور پیشاب کی سخت تشنگی ہو رہی ہے۔
فارغ ہو کر ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ اس نوکر کی اس حرکت پر اس رئیس کے تمام دوست
ہنس پڑے اور وہ بیچارا نوکر کی اس حماقت پر بہت خفیف ہوا۔ ایک اور صاحب
تھے انہوں نے کہیں تعزیت کے موقعہ پر نعم البدل کا لفظ سن پایا تھا چنانچہ یہ ایک
صاحب کے ہاں جن کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا تعزیت کیلئے پہونچے اور صبر کی
تلقین کرتے ہوئے فرمانے لگے بھائی صبر کرو صبر کا بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو
نعم البدل عطا فرمائے وہ صاحب ان الفاظ کو سنکر بڑے ناراض ہوئے
اور انہوں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ میری والدہ کو خصم کرانے آئے ہیں
بہر حال بعض جاہلوں کو غلط بولنے کی بیماری ہوتی ہے۔ ایک صاحبزادے
اپنے نکاح کا بلاوا دینے آئے تھے میں نے کہا بھائی نکاح کس وقت ہوگا۔ بارات کب
جائے گی۔ اس سوال کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے میں نے آپ سے فرمایا تو ہے
آپ صبح ٹھیک ۶ بجے ہمارے دولت خانہ پر حاضر ہو جائیے گا اور ابا نے یہ بھی کہا
تھا کہ پرسوں دعوت میں بھی حاضر ہوجیے گا۔ میں نے کہا بہت اچھا صاحب
انشاء اللہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ چلتے وقت کہنے لگے کہ آپ کو کوئی بات

عرض کرنی ہو تو کر دیجئے۔ میں والد صاحب سے فرما دوں گا۔ صاحبزادے تو رخصت ہو گئے مگر مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔ اور میں نے کہا دیکھئے یہ جہل بھی کیا بُری بلا ہے انسان کو سوسائٹی میں ذلیل کر دیتا ہے۔

جہل کے دوست

ہاں صاحب تو وہ گئو کشی کو گئو کشی بولا کرتے تھے۔ میں نے اُن سے کہا جناب اول تو میں یہ نہیں سمجھتا کہ آپ کو ایک جانور سے اسقدر دلچسپی کیوں ہے پھر ذی اقتدار لوگوں کے فعل کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰ حضرت یا بادشاہ افغانستان اگر چاہیں تو جس طرح انہوں نے گئو کشی بند کی ہے جاری بھی کرا سکتے ہیں۔ یہاں یہ مصیبت ہے کہ اگر ایک سال قربانی کا اندراج تھانے میں نہ کراؤ تو دوسرے سال گائے کی قربانی ہی نا ممکن ہو جائے اور اس امر کا ثبوت دینا مشکل ہو جائے کہ کبھی اس گاؤں میں یا محلے میں گائے ہوتی بھی تھی۔ اس مصیبت کی غرض سے لامحالہ گائے کی قربانی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں ہمارا حق ضائع نہ ہو جائے۔ اب رہا اتحاد کا مسئلہ تو میری رائے میں یہ گائے پر موقوف نہیں ہے بلکہ گائے بیچاری تو آلۂ کار کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ لڑائی تو اصل میں اقتدار کی ہے۔ انگریز کے ہاتھ سے اقتدار نکل رہا ہے ہندوستان کی ہر قوم اس فکر میں ہے کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں آ جائے۔ انگریز کا اقتدار جتنا کم ہوتا جائے اتنا ہی اس ملک میں میرا اقتدار بڑھتا جائے۔ چونکہ اقتدار سے پہلے ہی جنگ شروع ہو جاتی ہے اسلئے انگریز بھی مٹھی کھولتے کھولتے بند کر لیتا ہے۔ یہی تماشا اس ملک میں تقریباً بیس سال سے ہو رہا ہے میری گفتگو سے وہ ہندو دوست کچھ خاموش سے ہو گئے اور صرف اتنا فرمایا کہ ہندوؤں کے نزدیک گائے قابل پرستش ہے، میں نے اُن سے کہا بھائی ہندو قوم تو ساری خدائی کی پرستش کا ٹھیکہ لے چکی ہے

ایک گائے کا رونا ہو تو آدمی صبر بھی کرے۔ ہندوؤں کو ہر جانور کی پوجا کرنی ہے اور ہندوؤں کے نزدیک جانور ہی کا کیا سوال ہے انہوں نے درختوں اور دریاؤں کو ہی کب چھوڑا ہے۔ انہوں نے تو سوائے خدا کے ہر چیز کی پرستش کے لئے قسم کھائی ہے، اب آپ ہی فرمائیے اس قوم کے جذبات کی رعایت کہاں تک کی جا سکتی ہے۔ نیز یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ مسلمان یہ کام آپ کی ضد میں نہیں کرتے۔ اگر مسلمان گائے کی قربانی آپ کی ضد میں کرتے تو جہاں ہندو نہیں ہیں وہاں کے مسلمان ایسا کیوں کرتے ہیں۔ مسلمان کے تو یہ تصور ہی میں نہیں آتا کہ کائنات کی کوئی چیز قابل پرستش بھی ہو سکتی ہے۔

مصطفےٰ کمال پر قیاس نکرو

چونکہ مصطفےٰ کمال اور رضا شاہ با اختیار و با اقتدار ہیں اس لئے وہ جب چاہیں اپنے تمدن سے علیحدہ ہو سکتے ہیں وہ آپ کی طرح نہیں ہیں، آپ نے اگر کوئی غلط چیز اختیار کرلی تو اس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔ آج مسلمان سینکڑوں بدعات میں مبتلا ہیں لیکن باوجود سمجھانے کے اُن بدعات کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ فیشن کی بلا میں مبتلا ہونے کے بعد اس مصیبت سے نجات پا سکتے ہیں۔ اور میں تو عرض کرتا ہوں کیوں ہم اپنی تہذیب کو دوسروں پر قربان کریں جب کوئی دوسرا ہماری تہذیب نہیں قبول کرتا تو ہم کیوں کسی کی تہذیب قبول کریں۔ سوال تو غیرت و خودداری اور حمیت قومی کا ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

آج جس کلچر اور تمدن کی حفاظت کا شور مچایا جا رہا ہے اور جسکو قومی شعار کہکر یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا کلچر محفوظ رکھا جائے یہ وہی چیز تو ہے جسکو چودہ سو برس پہلے بطحا کی کنکریوں پر بیٹھکر ایک دور بین اور دور رس پیغمبر نے

فرمایا تھا کہ جو شخص دوسری قوم کا کلچر اختیار کرے گا اس کا شمار اسی میں ہوگا یہی تو وہ حدیث ہے جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے میاں مولویوں کو بس ایک حدیث یاد ہوگئی ہے۔

اجی۔ مولویوں کو تو بہت سی حدیثیں یاد ہیں لیکن تم کو حدیث کا ذوق کب ہے؟ اور تم نے مولویوں کی صورت کہاں دیکھی ہے۔ تمہارے سامنے تو ہم جیسے جاہل آتے ہیں تم ہم کو ہی مولوی سمجھتے ہو۔ بھائی مولوی کہاں ہیں۔ مولویوں کی جگہ تو جاہلوں نے لی ہے ؎

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر مے بینم — ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں — طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خرمی بینم
ابلہاں را ہمہ شربت زگلاب و قند است — قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم
دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر — پسراں را ہمہ بدخواہِ پدر می بینم

تم عطائیوں کو طبیب سمجھتے ہو یہی وجہ ہے کہ تمہارے مرض میں زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے اور تم کو شفا کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا مولویوں کو بہت حدیثیں یاد ہیں مگر تم کو سننے کی توفیق کہاں ہوتی ہے۔ اور حدیث تو حدیث ہی ہے خواہ وہ ایک حدیث ہو یا بہت سی حدیثیں ہوں۔ جب مولوی کہتے تھے تو مذاق اڑاتے تھے کیوں صاحب ڈاڑھی منڈوالی تو بس ہم ہندو ہوگئے؟ انگریزی بال رکھ لئے تو انگریز ہوگئے؟ یہ اچھا مذہب ہے کہ ذرا سی تبدیلی کی اور کفر کا فتویٰ لگا۔

عزیزانِ من! اگر یہ تبدیلیاں مضر نہیں ہیں تو کیوں کلچر کی حفاظت کا مطالبہ کر رہے ہو۔ یہ تو وہ مطالبہ ہے جو مسلم کانفرنس جیسی مخلص جماعت کے بھی مطالبہ میں داخل ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے مطالبہ پر تو یہی کہتے تھے کہ یہ تمام

مطالبات وہ ہیں جو ہندوؤں کے کہنے سے مرتب کئے گئے ہیں لیکن مسلم کانفرنس تو وہ جماعت ہے جس کی ترتیب اور جس کا نام کا لندن سے ٹکرایا تھا اور جس کے ممبر ملائکہ مقربین کی طرح معصوم اور وفادار ہیں۔ اب تو وہ جماعت بھی کلچر کے تحفظ کو لبطور حق تسلیم کرانا چاہتی ہے۔ غیر مولویوں کو تنگ نظر قدامت پرست اور متعصب کہدو لیکن معاذ اللہ ہز ہائنس آغا خان بالقابہ کی شان میں اس قسم کی گستاخی نہیں کی جا سکتی پھر وہ اگر کلچر کی حفاظت کا مطالبہ کریں تو اس قابل ہیں کہ ان کی تائید کی جائے اور اگر مولوی دوسری قوموں کی شاہت سے روکیں تو قدامت پرست اور قابل استہزا سمجھے جائیں۔ میں پھر عرض کرتا ہوں سوال تو غیرت قومی کا ہے؟ اور معاف کیجئے وہ آپ میں مفقود ہے۔

مشرکین کے ہاتھ کا کھانا

حضرات میری ایک عرصہ سے عادت ہے کہ اس غیر مسلم کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز کھاتا پیتا ہوں جو میرے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز کھا پی لیتا ہے۔ میرا یہ عمل تقریباً پچیس سال سے ہے اور میرے اکثر دوستوں کو معلوم ہے ایک صاحب مجھ سے دریافت کرتے تھے کیوں صاحب غیر مسلموں کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانی تو حرام ہے میں نے کہا نہیں تو یہ کس نے کہا ہے؟ فرمانے لگے قرآن میں لکھا ہے۔ میں نے کہا بھائی ہم نے تو آج تک قرآن میں پڑھا نہیں انہوں نے نہایت سادے طریقے سے فرمایا انما المشرکون نجس میں نے عرض کیا مشرک کسے کہتے ہیں فرمانے لگے جیسے ہندو میں نے عرض کیا سکھ؟ کہنے لگے وہ بھی مشرک ہیں، میں نے دریافت کیا برمی یعنی وہ جو مہاتما بدھ کو پوجتے ہیں بولے وہ بھی مشرک ہیں۔ میں نے کہا عیسائی؟ فرمانے لگے وہ تو اہل کتاب ہیں مشرک نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا اگر وہ مشرک ہو جائیں مثلاً حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر کو پوجنے اور

سجدہ کرنے لگیں، تو بیشک مجبوری سے کہنے لگے۔ اچھا وہ بھی۔ اب میں نے دریافت کیا اچھا مسلمان؟ فرمانے لگے استغفر اللہ کہیں مسلمان بھی مشرک ہوتا ہے۔

ان المؤمن لا ینجس

مجھے ان صاحب کے استغفار پڑھنے پر بے ساختہ ہنسی آگئی اور ساتھ ہی ایک حدیث بھی یاد آئی۔ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے راستے میں ملاقات کی اور آپ کے ہمراہ آنے کی بجائے چپکے سے چلے گئے چونکہ ان کو غسل جنابت کرنا تھا اس لئے غسل کرکے تھوڑی دیر کے بعد آئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ کہاں چلے گئے تھے کہا یا رسول اللہ میں ناپاک تھا۔ میں نے ناپاکی کی حالت میں یہاں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا سبحان اللہ ان المؤمن لا ینجس۔ سبحان اللہ کہیں مؤمن بھی ناپاک ہوتا ہے۔ دیکھئے ایک جملہ فرما کر بہت بڑے مسئلہ کو صاف کر دیا اور بتا دیا کہ کہیں نجاست حکمی بھی نجاست حقیقی ہو سکتی ہے۔ بعض جاہل یہ کہا کرتے ہیں کہ حالت جنابت میں جو پسینہ آئے وہ بھی ناپاک ہے کیونکہ ناپاک آدمی کا پسینہ بھی ناپاک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ میں اس غلطی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ کہیں مؤمن بھی ناپاک ہوتا ہے۔ نجاست حکمی سے کوئی شخص ناپاک نہیں ہو جاتا ہے بلکہ وہ کھا پی سکتا ہے مجلس میں بیٹھ سکتا ہے مصافحہ کر سکتا ہے۔ البتہ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا۔ مسجد میں نہیں جا سکتا یہ احکام علیحدہ ہیں لیکن اس کے ہاتھ کا کھانا نہ کھانا یا اس کے ہاتھ کا پانی نہ پینا یہ غلط ہے۔

حضرت عائشہ کی ایک روایت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا کرتی تھی اور میں ایک ہڈی کو جس مقام سے چوستی تھی حضور بھی

اس کو اُسی مقام سے چوس لیا کرتے تھے حالانکہ میں ماہواری ایام میں ہوتی تھی۔ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا ہاتھ بڑھا کر مسجد میں سے چٹائی اُٹھا دو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ایام سے ہوں، فرمایا ان حیضتك لیست فی یدك تیرے ماہواری ایام کا کوئی اثر تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ مسلمان جنابت کی حالت میں ناپاک نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور اختلاط جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ نجاست حقیقی نہیں ہے بلکہ حکمی ہے۔

ہاں تو وہ صاحب فرمانے لگے کہیں مسلمان بھی مشرک ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا ایک مسلمان تعزیہ کو سجدہ کرے یا قبر کو سجدہ کرلے یا سید کے تھان کو پوجے تو آپ اُسے کیا کہیں گے۔ بیچارے مجبور ہو کر کہنے لگے اچھا صاحب وہ بھی مشرک سہی۔ جب وہ سب پر شرک کا حکم لگا چکے تو میں نے کہا ساری دنیا تو آپ کے نزدیک مشرک ہو گئی پھر آپ جیسے مسلمان تو اپنے ہاتھ سے پکا کر کھایا کریں اور اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیا کریں۔ میری اس گفتگو سے وہ کچھ سٹپٹا گئے اور کچھ سوچ کر فرمایا حضرت معاف کیجئے ہمارے مولوی ہی ہندوؤں سے مل گئے اب ہمارا خدا ہی حافظ ہے وہ تو ہم کو اچھوت سمجھیں ہمارے ہاتھ کی اشیاء سے پرہیز کریں اور ہم ان کے ہاتھ کا کھائیں پئیں اور ہمارے مولوی حرمت کا فتویٰ نہ دیں تو بتائیے پھر مسلمان کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو کس نے مجبور کیا ہے کہ آپ اُن کے ہاتھ سے لیکر ضرور کھائیے۔ فرمانے لگے آپ کے فتوے نے۔ میں نے کہا دکھاؤ وہ فتویٰ کہاں ہے؟ گھبرا کے بولے ابھی یہی فتویٰ کہ آپ ان کو ناپاک نہیں کہتے۔ اگر اس وقت آپ سب لوگ ملکر کہدیں تو سب مسلمان اُن سے لین دین بند کر دیں اور اپنی دوکانیں کھول لیں۔ گویا یہ عقلمند

آدمی یہ سمجھتا تھا کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دینا مولویوں کے قبضہ میں ہے
نعوذ باللہ من ذلک۔

حضرت علی اور نکاح ثانی

حضرات، آپ لوگ تو شاید یہ خیال کرتے ہیں کہ علما حلال و حرام کے ٹھیکہ دار ہیں، لیکن شاید آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تقریر یاد نہیں جو سرکار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح ثانی کی خبر سنکر فرمائی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک موقع پر ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا تھا۔ اور آپ حضرت خاتون محشر پر سوکن لانا چاہتے تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں موجود تھیں آپ ان کی موجودگی کے باوجود دوسری شادی کا قصد فرما رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ہوئی تو آپ نے منبر پر ایک تقریر فرمائی اس میں اس امر کو ظاہر کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ علی دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے بنو ہشام اس بات کی اجازت طلب کرتے ہیں کہ عورا بنت ابی جہل سے نکاح کرنے کی علی کو اجازت دیدوں انی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً تو میں کسی حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ رسول اللہ کی بیٹی عدو اللہ کی بیٹی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ میں علی کو ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ البتہ اگر وہ عورا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو میری بیٹی کو طلاق دیدیں اور بنی ہشام کی لڑکی سے شادی کرلیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس کو وہ ناپسند کرتی ہے اس چیز کو میں بھی ناپسند کرتا ہوں اور جس چیز سے فاطمہ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجکو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس روایت میں جو جملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کیجئے، آپ مولویوں کو حرام وحلال کا مالک سمجھتے ہیں۔ وہاں جو واقعی حرام وحلال کے مالک ہیں وہ

اور محض ... ہیں میں حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کرتا دیکھا یہ ہے خدائی دین
یہ ایک نبی پیغمبر بھی مداخلت سے معذرت ظاہر کرتے ہیں۔ حضور کے ان کلمات
چہ ہتے حضرت علی اپنے ارادے سے باز آگئے۔

اقرع بن حابس کا واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہی تو ایک مستقل شریعت ہے۔ آپ جس کو حرام کردیں وہ حرام اور آپ جس کو حلال کہدیں وہ حلال چنانچہ جب حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو جمع کرکے یہ حکم سنایا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب استطاعت اور سرمایہ دار حضرات پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے۔ ایک صاحب جن کا نام اقرع بن حابس ہے۔ دوران تقریر میں بول پڑے افی کل عام یا رسول اللہ کیا یہ حج ہر سال کرنا ہوگا۔ اقرع بن حابس کی اس جلد بازی پر حضور ناراض ہوئے اور فرمایا میری بات ختم ہونے نہیں دیتے اور لوگ بیچ میں بول پڑتے ہیں اگر میری زبان سے ہاں نکل جاتا تو ہر سال کے لئے مالداروں پر حج فرض ہو جاتا۔ اس قسم کے اور صدہا واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور آپ کی زبان مبارک ہی حلال و حرام کی ذمہ دار ہے۔ آپ کے ایک ایک لفظ میں ہزاروں احکام پنہاں ہیں۔ اسی طرف حضرت حق نے اشارہ فرمایا ہے۔ ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ہمارا رسول جس بات کا حکم دے اس کو بجالاؤ اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔

مغیث کی زوجہ بریرہ کا واقعہ

بریرہ حضرت عائشہ کی ایک لونڈی ہے اس کے خاوند کا نام مغیث ہے اس کے واقعات احادیث میں آتے ہیں۔ بریرہ ایک دن گوشت پکا رہی تھی۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے فرمایا بریرہ کیا پکا رہی ہو۔ بریرہ نے بتایا
کیا یا رسول اللہ گوشت ہے، آپ نے فرمایا ہم کو بھی کھلاؤ۔ اس نے عرض کیا
یا رسول اللہ یہ گوشت صدقہ کا ہے اور آپ تو صدقہ کا استعمال نہیں کرتے
سرکار نے فرمایا لكِ صدقة ولنا هدية صدقہ تو تیرے لئے ہے۔ ہمارے
لئے تو ہدیہ ہے۔ سرکار نے ایک جملہ فرمایا اور ایک ہی جملے میں ایسا اصول
بیان فرما دیا جس میں لاکھوں جزئیات پوشیدہ ہیں لكِ صدقة ولنا هدية
کا مطلب یہ ہے کہ جب ملک تبدیل ہو جائے گی حکم بدل جائیگا۔ بریرہ کو
جب دیا گیا تو گوشت صدقہ تھا لیکن بریرہ کی جب ملک ہو گیا تو اب اس کا حکم
بدل گیا۔ جب ملک بدلے گی حکم بدل جائیگا۔ ایک جملہ ہے اور اس سے لاکھوں
مسئلے نکلتے ہیں اب خیال کیجئے کہ جو صاحب شریعت ہو کر یہ فرمائے کہ میں حلال
کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ جس کو حلال کر دے وہ حلال ہے اور
اللہ تعالیٰ جسکو حرام کر دے وہ حرام ہے تو بیچارے مولوی کس گنتی میں ہیں۔

جسمِ انسانی کا حکم

آپ حضرات سب سے پہلے ایک مسئلہ سمجھ لیجئے
انبیاء علیہم السلام کی شریعت نے کسی انسان کے
جسم کو ناپاک قرار نہیں دیا عام اس سے کہ وہ مسلمان کا جسم ہو یا کافر کا،
خدائی تہذیب میں انسانی شرافت کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے اس امر کو صاف
کر دیا گیا ہے کہ انسان کا جسم اگر اس پر کوئی ظاہری نجاست پیشاب پاخانہ لگا ہوا
نہ ہو تو وہ پاک ہے اگر کوئی ظاہری نجاست کسی انسان کے جسم پر موجود ہو تو
وہ حصہ جسم ناپاک ہوگا خواہ وہ مسلمان کا بدن ہو یا کافر کا اور اگر ظاہری
نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو وہ جسم پاک ہے محض اس بنا پر کہ کافر کا جسم ہے اسکو
نجس کہا جائے یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ امر کہ کسی آدمی کے جسم کو ناپاک سمجھا جائے

اور محض اس بنا پر ناپاک سمجھا جائے کہ اس کے خیالات یا عقاید ہمارے خلاف ہیں یہ ایک ایسا غلط اور نامعقول خیال ہے کہ کوئی سمجھدار اس کا قائل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اسلام ایسی نامعقول بات کہے اگر یہ اصول تسلیم کیا جائے کہ کافر یا مشرک کا جسم ناپاک ہے تو پھر کسی کافر کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز کا کیا سوال ہے بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ کسی کافر کو ہاتھ لگانا یا اس کے پاس بیٹھنا یا اس سے ہاتھ ملانا یہ سب حرام ہو جائے گا۔ اگر یہ نامعقول بات کسی مذہب میں ہو تو وہ مذہب کا بہت بڑا عیب بلکہ اس مذہب کے ماننے والوں کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے۔ بھلا کوئی فطری مذہب جو قوانین قدرت پر مبنی ہو اور عالمگیر ہونے کا دعوی کرتا ہو وہ اس قسم کا غلط اور نامعقول اصول کیسے بنا سکتا ہے اور وہ دنیا میں زندگی ہی کس طرح بسر کر سکتا ہے۔ انسان کے بدن کو پیشاب اور پاخانہ کی طرح نجس خیال کرنا ہندو دھرم کے نزدیک صحیح ہو تو ہو لیکن اسلام ایسی لغویات کا کس طرح تحمل کر سکتا ہے یہ تو وہ غلط چیز ہے جس کی ہم کو ہندوؤں سے شکایت ہے کہ ہندو ہم کو بھنگی سمجھتے ہیں۔ ہم سے چھوت کرتے ہیں، یہی وہ غلط چیز ہے جس کا ہندوؤں کو بھی اب احساس ہو چلا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کے تمدن اور اس کی زندگی کے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی انسان کو بحیثیت انسان کے ناپاک سمجھا جائے۔ یہ بات صرف نامعقول ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے پھر بھلا ایسی نامعقول بات کو جس کو ہر سمجھدار انسان برا سمجھتا ہے، تم اسکو اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہو۔ بنی نوع انسان کے جسم پر نجاست کا حکم لگانا یہ احمقانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے جس سے مقدس اسلام کوسوں دور ہے

انما المشرکون نجس کا مطلب

آپ کو ایک آیت انما المشرکون نجس کی خدا جانے کس نے یاد کرا دی ہے۔ جب کبھی فرقہ وارانہ بحث ہوتی ہے تو

آپ یہی آیت پڑھ دیتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھکر آدمی مولوی بن جاتا ہے اور اس کو یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ جس آیت سے چاہے استدلال کرے۔ میں عرض کرتا ہوں آپ اسی آیت کو پورا پڑھئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ یہاں نجاست سے کیا مراد ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا۔ مشرکین ناپاک ہیں آیندہ ان کو مسجد حرام یعنی بیت اللہ کے قریب بھی نہ آنے دیا جائے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے کعبہ پر مشرکین کا قبضہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرا دیا اور حضرت خلیل کے حقیقی وارثوں کو بیت الحرام کی جاروب کشی کا فخر حاصل ہو گیا تو حکم دیا گیا کہ اس سال کے بعد مشرکین اس مقدس گھر میں نہیں آسکتے اور نہ اس کا حج کر سکتے ہیں اور نہ بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہیں۔

بیت اللہ کے داخلہ کی ممانعت کے سلسلہ میں ان کو نجس فرمایا گیا۔ آیت میں جس نجاست کی طرف اشارہ ہے وہ نجاست ایسی ہے جس کے باعث وہ مسجد حرام میں نہیں آسکتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مشرک پاخانہ کا ٹوکرا یا پیشاب کا مٹکہ ہیں جن کو چھونا یا ہاتھ لگانا یا ان کی چھوئی ہوئی چیز کا کھانا حرام ہے۔ آپ کے فقہا نے تو اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ عدم قرب کا حکم صرف مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے یعنی صرف مسجد حرام میں نہیں جا سکتے۔ باقی مساجد میں اُن کو جانے کی اجازت ہے اگر یہ نجاست واقعی اور حقیقی نجاست ہوتی تو پھر مسجد حرام کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی بلکہ کسی مکان میں بھی اُن کو داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی اور کوئی مسلمان ان کے پاس بیٹھ بھی نہ سکتا، اگر وہ واقعی حقیقی نجس ہیں تو پھر اُن کے اشتراک عمل سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا جس کرسی پر وہ بیٹھ جائیں وہ ناپاک، جس فرش پر وہ بیٹھ جائیں وہ ناپاک،

جس برتن کو وہ ہاتھ لگا دیں وہ ناپاک، جس چیز کو وہ چھو لیں وہ ناپاک، اگر مشرکین کو پاخانہ پیشاب کی طرح ناپاک سمجھ لیا جائے پھر تو یہی ہوگا جو میں نے عرض کیا ہے حالانکہ اس قسم کی احتیاط کے تو آپ بھی قائل نہیں ہیں جب وہ پاخانہ پیشاب کی طرح ناپاک نہیں ہیں تو پھر بتاؤ وہ نجاست کیسی ہے یہ عجیب نجاست کا حکم ہے کہ مشرک کے ہاتھ کی چیز تو ناپاک ہے باقی اس ناپاک شخص کے ساتھ یعنی اس نجاست کے ٹوکرے کے ساتھ ہر قسم کا اشتراک عمل جائز ہے۔

جنبی کی نجاست

میرے معزز دوستو! مشرک کی نجاست محض ایسی ہے جیسے جنبی مسلمان کی نجاست کہ وہ ہر اعتبار سے پاک ہے مگر جب تک غسل جنابت نہ کرے مسجد میں نہیں جا سکتا۔ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ سبحان اللہ کہیں مومن بھی ناپاک ہوتا ہے لیکن باوجود مومن کے پاکیزہ اور مطہر ہونے کے پھر بھی حالت جنابت میں مسجد کے اندر جانا ممنوع ہے میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا حالت جنابت میں مسلمان نجس ہوتا ہے؟ آپ جانتے ہیں مسلمان تو نجس نہیں ہیں لیکن پھر بھی غسل واجب اور مسجد میں جانا حرام، اسی طرح کافر کی نجاست ہے کہ اس کو مسجد حرام میں جانا ناجائز ہے باقی اس کا بدن ناپاک نہیں ہے۔ اسی کو نجاست حکمی کہتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ صاف ہو گیا ہوگا مسلمان کی جنابت میں جو حالت ہے وہی مشرک کی حالت ہے کہ کھانا پینا ملنا جلنا، اختلاط، ایک برتن میں مل کر کھانا ایک گلاس میں پانی پینا سب جائز لیکن مسجد میں جانا ناجائز، قرآن پڑھنا ناجائز، اسی طرح مشرک کے ساتھ کھانا پینا اختلاط سب جائز لیکن مسجد حرام

میں اس کا داخلہ ناجائز۔ مسلمان اگر غسل کرلے تو مسجد میں جا سکتا ہے۔ مشرک اگر قبول اسلام کرلے تو مسجد حرام میں جا سکتا ہے۔

ظاہری نجاست کا حکم

ایک بات ضرور یاد رکھئے میں نے جو کچھ جسم انسانی کے متعلق کہا ہے یہ اسی انسان کے متعلق کہا ہے جس کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو اس کا بدن پاک صاف ہوا اور اگر کسی شخص کے جسم پر ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو پھر وہ جسم ناپاک ہے مثلاً ایک مشرک کی انگلیوں میں پاخانہ لگا ہوا ہے یا اس کے ہاتھ میں پیشاب لگا ہوا ہے۔ یا اس کی انگلیاں شراب میں بھیگی ہوئی ہیں تو جب تک وہ ہاتھ دھو کر اس نجاست ظاہری کو دور نہ کر دے اس کا ہاتھ پاک نہ ہوگا البتہ دور کر دینے کے بعد ہاتھ پاک ہو جائیگا۔ اور اس حکم میں کچھ مسلمان اور غیر مسلم کا فرق نہیں ہے بلکہ اگر مسلمان کا ہاتھ نجاست ظاہری سے آلودہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی اس کا بھی ہاتھ ناپاک ہے جب تک وہ نجاست کو دور نہ کر دے مطلب یہ ہے کہ جہاں تک کسی انسان کے جسم کا تعلق ہے وہ فی نفسہٖ پاک ہے خواہ کسی انسان کا جسم ہو اور اگر اس پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہے تو وہ ناپاک ہے خواہ کسی انسان کا جسم ہو۔

غیرت وحمیت کا سوال

صاحبو! جہاں تک مسئلہ کی نوعیت ہے وہ میں نے عرض کر دی۔ رہا یہ معاملہ کہ ایک قوم ہم کو ناپاک سمجھتی ہے ہم کو اچھوت خیال کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی تجارت ترقی کر رہی ہے اور ہم روز بروز گر رہے ہیں۔ سو بھائی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کام فتوی اور مسئلہ کا نہیں ہے بلکہ یہ تو غیرت قومی کا سوال ہے۔ اگر کوئی قوم آپ کو اچھوت سمجھکر آپ کے ہاتھ کا نہیں کھاتی آپ بھی اس کے ہاتھ کی کوئی چیز

نہ کھایئے۔ آخر میں نے اپنا طرزِ عمل آپ کو بتایا میں تو کانگریسی مسلمان ہوں تم جانتے ہو میرا خیال ہے کہ جس طرح فرقہ وارانہ جماعتیں قائم ہیں اُسی طرح ایک مشترکہ جماعت بھی ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی جماعت حکومت سے مقابلہ کرنے والی نہ ہو گی تو حکومت ہندوستانیوں پر زندگی دشوار کر دے گی، آج کل تو بغیر حرکت اور بغیر جیل جائے کچھ نہیں ملتا جو جماعت حکومت کے مقابلے کیلئے آمادہ ہو اس میں مسلمان ضرور ہوں تاکہ یہ کہا جا سکے کہ ہندوستان فقط ہندوؤں کا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا بھی ہے اور اگر آپ غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہندو کا تعلق ہندوستان سے اتنا گہرا نہیں ہے جتنا مسلمان کا تعلق گہرا ہے۔ ہندو تو مرنے کے بعد جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے اور مرنے کے بعد ہندو کا اس ملک میں کوئی نشان باقی نہیں رہتا لیکن مسلمان تو مرنے کے بعد اسی ملک کی زمین میں دفن ہوتا ہے۔ آج بھی بارہ بارہ سو برس کی قبریں ہمارے باپ دادا کی یہاں موجود ہیں ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ ملک ہمارا نہیں ہے اور ہمیں اس ملک کے لئے کوئی جدوجہد نہیں کرنی چاہیئے پھر ہندو آواگون کا قائل ہے۔ اگر مرنے کے بعد اس کے کرم اچھے ہوئے اور کسی دوسرے آزاد ملک میں اس نے جنم لیا تو اس کا کوئی تعلق بھی ہندوستان سے نہیں رہیگا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ آیندہ جون میں جرمنی یا اطالوی ہو جائے اور ہندوستان میں جنم ہی نہ لے لیکن تم کو مرنے کے بعد اسی زمین سے اُٹھنا ہے تم تو مردے کو مٹی دیتے وقت یہ پڑھا کرتے ہو منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اسی میں مرنے کے بعد تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے آخری مرتبہ نکالیں گے۔ اب فرمایئے آپ کا تعلق اس ملک سے زیادہ ہے یا ہندو کا۔ تعلق تو تمہارا زیادہ اور قربانی ملک کے لئے

ہندو زیادہ کرے۔

کانگریس اور مسلمان

بہر حال میرا یہ خیال ہے کہ ہر مسلمان کو کانگریس میں شریک ہونا چاہیے۔ اس لئے میں خود کانگریس میں شریک ہوں مگر باوجود کانگریسی ہونے کے میرا طرز عمل یہ ہے کہ ہندو کی چھوئی ہوئی چیز نہیں کھاتا لیکن تمہاری طرح مسئلہ نہیں بدلتا۔ ہندو کے ہاتھ کو اگر ظاہری نجاست اس پر نہ ہو تو پاک سمجھتا ہوں لیکن جو ہندو میرے ہاتھ کی کوئی چیز کھا لیتا ہے اُس کے ہاتھ کی میں بھی کھا لیتا ہوں اور جو میرے ہاتھ کی کوئی چیز نہیں کھاتا اُس کے ہاتھ کی میں بھی نہیں کھاتا۔ بعض ہندو دوست مجھ سے دریافت کیا کرتے ہیں میں اُن سے کہدیتا ہوں کہ بھائی یہ قومی غیرت کا سوال ہے، جو مجھ کو ناپاک سمجھتا ہے میں اس کو ناپاک سمجھتا ہوں جو مجھکو انسان سمجھتا ہے میں اسکو انسان سمجھتا ہوں یہ معاملے کی بات ہے اس میں بُرا ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح آپ بھی خیال رکھیئے اسلام جو فطری مذہب ہے اسکو غیر فطری نہ بنائیے بلکہ اپنی غیرت و شرافت کا ثبوت دیجیئے۔ اور صاف طور سے کہدیجیئے اگر ہندو اور انگریز ہماری تہذیب، ہمارا کلچر اور ہمارا تمدن قبول کرنیکو تیار نہیں ہیں تو ہم بھی ان کی وضع قطع اور ان کا فیشن قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، جب کوئی ہماری مشابہت اختیار نہیں کرتا تو ہم کیوں کسی کی مشابہت اختیار کر کے دربار رسالت میں اپنا منہ کالا کریں۔

کفار کے جواب پر سرکار دو عالم کا اضطراب

دیکھئے بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ پہلے ہی بیچارے مولوی بدنام ہیں کہ انکو لوڈی پائنٹ رہنا نہیں آتا مگر آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ دین کا ہر مسئلہ سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہے۔

میں کہیں بھی چلا جاؤں لیکن اپنے پائنٹ سے علیحدہ نہیں ہوں۔ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے آپ نے جواب دیا کہ آپ کے اخلاق قرآن کی تفسیر تھے اور آپ کا خلق قرآن ہی تھا۔ جب آپ کے اخلاق اور قرآن دونوں ایک ہوئے تو پھر تمام قرآن کا بیان تقریر سیرت ہی کہا جائیگا۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کفار مکہ نے جب حرم میں یہ کہکر دعا مانگی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن حق ہے اور یہ پیغمبر تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر نازل کر دے تو حضرت حق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ عامّہ کا لحاظ کرتے ہوئے عذاب نازل نہیں کیا اور یہ فرمایا بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین تو اپنی اُمت میں موجود ہوں اور پھر اس کی اُمت پر عذاب نازل کیا جائے۔

تصدیق نبوت اور نزول عذاب

حضرات! آپ نے دیکھا ایک طرف نبوت و قرآن کی تصدیق تھی اور دوسری طرف رسالت پناہ کی رحمت عامّہ کی شہرت تھی اللہ تعالیٰ نے اس شہرت کا تحفظ کیا اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ یہ اپنے کفر اور تکذیب میں مضبوط ہو جائیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جن کی قسمت میں ایمان نہیں ہے وہ تو کسی طرح بھی ایمان نہ لائیں گے اگر عذاب نازل کر بھی دیا گیا تب بھی محروم القسمۃ لوگوں کو ایمان نصیب نہ ہوگا ؎

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ ۔۔۔ بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

لیکن اگر عذاب نازل ہو گیا تو یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کے خلاف ہوگا۔ اسلئے سرکار کی شہرت کا تحفظ اقرار نبوت و رسالت سے مقدم سمجھا گیا۔

رحمتہ للعالمین اور دیگر انبیاء

انہی باتوں سے وہ فرق معلوم ہو جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کے طرز عمل میں موجود ہے۔ ہر پیغمبر کی اُمت نے اپنے نبی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی جو جو طریقے ایذا رسانی کے ہو سکتے تھے اُن میں شاید ہی کوئی طریقہ ایسا ہو گا جو باطل پرستوں نے اہل حق کو اذیت پہنچانے میں استعمال نہ کیا ہو۔ ان سب سے زیادہ اذیت تو زبان کی ہے جس کا زخم ہی نہیں بھرتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے سہ

جراحات السنان لها التیام

ولا یلتام ما جرح اللسان

آلات حرب کے زخم تو کبھی بھر بھی جاتے ہیں لیکن زبان اور وہ بھی اپنوں کی زبان پھر اُن کی زبان جن کی لوجہ اللہ بغیر کسی دنیاوی نفع کے خدمت بھی کیجاتی ہو، ایسی زبان کا زخم کس طرح بھر سکتا ہے، ان انبیاء علیہم السلام کے واقعات ایسے دردناک ہیں کہ جب ان پر غور کیا جاتا ہے تو خدا کی قسم کلیجہ منہ کو آتا ہے میں آپ کو تفصیل میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن اجمال کے طور پر وہ تکالیف بتانا چاہتا ہوں جو باطل پرستوں نے حق آشنا حضرات کو پہنچائی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تکالیف

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا یہ قول بہت مشہور ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ. اے نوح اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھروں سے کچل ڈالیں گے۔ حضرت نوح خود اپنے مصائب کا حال جن الفاظ میں بیان کرتے ہیں وہ سنئے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کی نافرمانی اور اذیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۔ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن تبلیغ کی اور برابر ان کو بلاتا رہا لیکن جس قدر میں نے ان کو بلایا اسی قدر مجھ سے بھاگتے رہے میں نے ان کو جب یہ کہکر بلایا کہ آؤ خدا سے استغفار کریں تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں تاکہ میری آواز ان کے کان میں نہ پہنچ جائے اور انہوں نے کپڑا اوڑھ لیا تاکہ میری نصیحت کا اثر ان کے جسم پر نہ ہو جائے اور میرے ساتھ ضد ہٹ دھرمی غرور اور تکبر سے پیش آئے۔ جناب تو آجکل کے مشرکین کا یہی شکوہ کرتے ہیں کہ وہ ہم سے چھوت کرتے ہیں نہیں کیا خبر ہے کہ حضرت نوح کی بدقسمت قوم ان کی آواز سے بھی چھوت کرتی تھی کہ کہیں ان کی آواز کا اثر ہمارے جسم پر نہ ہو جائے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی جن الفاظ میں توضیع کی گئی وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ۔ ہم اپنے معبودوں کو تیرے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تو ہمارے کسی معبود کے چھپٹے میں آگیا ہے۔ گویا تیرے دماغ کی خرابی اور پاگلپنا کا بھی یہی وجہ ہے کہ ہمارے معبود تجھ سے ناراض ہیں۔

حضرت شعیب کو جو کچھ کہا گیا اس کا خلاصہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اگر تیری برادری کا خیال نہ ہوتا تو تجھ کو رجم کر دیتے سورہ اعراف میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ اے شعیب ہم تجھ کو اور تیرے ساتھی مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکالیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ

یہاں عود کے معنی یا تو مجازی طور پر کفر قبول کرنے کے ہیں یا حقیقۃً ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ بددین ہو گئے ہیں اور اپنی اصل ملت کو ترک کر چکے ہیں۔ اسی لیے کہا لتعودن یعنے جس دین اور ملت سے نکل گئے ہو اسی میں پھر واپس آجاؤ۔ محض کفار کا خیال قرآن نے بیان کیا ہے۔ ورنہ معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت شعیب پہلے کفر کی ملت میں تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت صالح کو قتل کرنیکے منصوبے

حضرت صالح علیہ السلام کو زبان سے جو کچھ اذیتیں پہنچائیں اُن کا تو ذکر ہی کیا ہے انما انت من المسحرین تو مسحور ہے تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے، تو جھوٹا ہے اگر سچا ہے تو عذاب کیوں نہیں لاتا۔ حضرت صالح کو جو اونٹنی بطور معجزہ دی گئی تھی اس کو مار ڈالا۔ خیر یہ تو جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ بستی کے بعض بدمعاش آدمی جن کی تعداد قرآن نے نو بتائی ہے اس پر تیار ہو گئے کہ حضرت صالح کو قتل کر دو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بستی سے باہر ایک مسجد بنا رکھی تھی اسمیں نماز کو جایا کرتے تھے۔ ان کمبختوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب یہ مسجد میں جائیں تو ان کو وہیں شب کی تاریکی میں قتل کر ڈالو اور اگر مقدمہ چلے تو اپنے بیانوں میں کہدو کہ ہم تو اس دن یہاں تھے ہی نہیں ہم تو سفر میں گئے ہوئے تھے یعنی جوابدعوے میں اپنی غیر حاضری ثابت کرو۔ حضرت حق نے پورا مقدمہ اور اس کی روئداد انیسویں پارے میں ذکر کی ہے۔ قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ماشھدنا مھلک اھلہ وانا لصدقون، ان نو بدمعاشوں اور غنڈوں نے کہا آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ رات کو صالح اور اس کے متعلقین پر شب خون ماریں گے پھر اگر پکڑے گئے تو کہدینگے ہم موقع پر موجود نہیں تھے اور خدا کی قسم ہم سچے ہیں۔

حضرت لوطؑ کے مصائب

حضرت لوط علیہ السلام کو جو کچھ کہا گیا وہ یہ ہے اخرجوا آل لوط من قریتکم انهم اناس یتطهرون لوط کے متعلقین کو اپنی بستی سے نکال دو یہ بڑے پاکیزہ بنے پھرتے ہیں گویا ان کو اپنے پاک ہونے کا دعویٰ ہے سورہ شعرا میں انکا قول حضرت لوط کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے نقل کیا ہے لئن لم تنته یلوط لتکونن من المخرجین اے لوط اگر تو اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو یاد رکھیو تجھ کو ہماری بستی میں رہنا نصیب نہیں ہوگا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو میں ذکر ہی کر رہا تھا جو انشاءاللہ ابھی پورا کروں گا ان کو تو ان کی قوم نے آگ میں ہی جھونک دیا تھا اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو ان کو جلاوطن کر دیا۔ قوم تو قوم خود اُن کے والد بزرگوار نے فرمایا تھا۔ اراغب انت عن الهتی یا ابراهیم لئن لم تنته لارجمنك واهجرنی ملیا۔ اے ابراہیم تو میرے معبودوں کو برا کہنے اور ان کی پرستش کو منع کرنے سے باز آجا ورنہ میں تجکو سنگسار کر دوں گا اور تو میرے پاس سے چلا جا اور کچھ عرصہ کیلئے اپنی صورت مجھے نہ دکھا۔

حضرت ابراہیم کا ایک خاص واقعہ

میں نے بعض سیر کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ جب اپنے صاحبزادے کے مقابلہ میں مناظرہ نہ کر سکے اور حضرت ابراہیم کی معقول باتوں کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم اگر یہ بت جو میں نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہیں اور جو میرے تجارتی گودام میں رکھے ہوئے ہیں اگر تیری رسالت اور تیرے خدا کی توحید کا اعتراف کریں تو میں تجھپر ایمان لے آؤں گا حضرت ابراہیم یہ سنکر بتخانہ میں گئے اور تمام بتوں کو خطاب کر کے فرمایا، تم نے

ایک دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے اور تمہارا وجود عام گمراہی کا موجب ہے لیکن آج ایک
کام میرا بھی کر دو میرا باپ اس شرط پر مسلمان ہوتا ہے کہ تم میری تصدیق کر دو۔
حضرت ابراہیم کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ بتوں نے لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ کی
صدا بلند کر دی حضرت ابراہیم نے باپ کو گودام میں بلا کر پتھر کی مورتیوں سے اپنی
تصدیق کرا دی۔ حضرت ابراہیم کے والد بہت پریشان ہوئے اور جلدی سے
بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باہر آئے اور باہر آ کر کہنے لگے۔ میں نے تو بت تراشی میں کمال
پیدا کیا تھا لیکن لڑکے تو نے جادو میں کمال پیدا کیا ہے۔ تیرے جادو نے پتھر کی
مورتیوں سے کلمہ پڑھوا دیا۔ حضرت ابراہیم کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی اور
انہوں نے کہا اے میرے باپ ایک میری خواہش ہے اس کو تو پورا کر دے مجھے
اجازت دے کہ تیرے گودام میں جس قدر مورتیاں رکھی ہوئی ہیں ان کو میں اپنے
ہاتھ سے توڑ ڈالوں۔ باپ نے سوچا کہ بت بنانا میرے ہاتھ کا کام ہے اگر یہ توڑ
ڈالیں گے پھر بنا لوں گا۔ یہ سوچ کر اجازت دیدی اور کہا میری آنکھوں کے سامنے
یہ کام نہ کر جب میں چلا جاؤں تو توڑ دینا۔ حضرت ابراہیم ایک لوہے کا ہتوڑا لیکر
گودام میں داخل ہوئے چاہتے تھے کہ بتوں کو چکنا چور کر دیں یکایک حضرت
جبریل تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ
فرماتا ہے کہ اے ابراہیم اگرچہ یہ بت پتھر کے ہیں لیکن میری توحید اور تیری
رسالت کا اقرار کر چکے ہیں اس لئے ان کو عذاب نہ کرو اور ان کو نہ توڑ۔

میرے معزز دوستو! آپ خیال کیجئے کہ پتھر کے بت جب توحید و رسالت
کا اقرار کر لیتے ہیں تو خلیل کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں تو کیا انسان جو کلمہ
توحید پڑھتے ہیں وہ رب جلیل کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں گے پھر بتوں نے
تو کلمۂ توحید خلیل علیہ السلام کی خوشنودی کے لئے پڑھا تھا اور تم تو کلمۂ توحید

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کیلئے پڑھتے ہو۔ خیر یہ تو ایک واعظانہ نکتہ تھا جو میں نے عرض کر دیا اصل بحث تو یہ تھی کہ ہر ایک پیغمبر کی اُمت نے اپنے نبی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے متعلق تفصیلی واقعات قرآن میں مذکور نہیں ہیں لیکن تفاسیر میں جو کچھ ذکر ہے ان کا مبنی اگرچہ بہت کچھ اسرائیلیات پر ہے پھر بھی وہ ایسے ہولناک واقعات ہیں کہ جن کو سُنکر انسان کانپ جاتا ہے، لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور محض باپ دادا کی رسومات واہیہ کی اتباع میں کس قدر سفاکی اور خونریزی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ وہ کر گذرتا ہے جو انسانیت کے لئے ننگ و عار ہے۔

حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعات حد سے زیادہ دلگداز ہیں فرعون اور اس کی حکومت کے مظالم، قارون کے الزامات، بنی اسرائیل کا دشمن کے مقابلے سے فرار اور فرار بھی یہ کہکر اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا جاکر لڑو ہم تو یہیں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ تو تیرا رب دونوں مل کر جنگ کریں ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ حضرت موسیٰ توراۃ حاصل کرنے کیلئے تشریف لے گئے اور یہاں قوم نے گئوسالہ پرستی شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ پر حضرت ہارون کے قتل کا الزام لگایا گیا۔ ان کی طرف ایسے مرض کی نسبت کی گئی جس کو اورزہ کہتے ہیں۔ اور جو اسوقت معیوب سمجھا جاتا تھا اور اوباش و عیاش لوگ اس مرض میں مبتلا ہوتے تھے۔ غرض وہ کونسی تکلیف تھی

جو حضرت موسیٰ کو نہیں پہنچائی گئی اور وہ کون سی روحانی یا جسمانی اذیت تھی جو حضرت موسیٰ کو نہیں دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو ان کے حوارین نے اُستاد ہی اُستاد کہتے کہتے یہودی پولیس کے حوالے کر دیا۔ بہر حال ان تکالیف کا تصور کرنا آپ کے لئے مشکل ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے ہاتھوں پہنچائی گئیں۔

مظلوم مسلمانوں کی دربار رسالت میں شکایت

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض مخلص مسلمانوں نے کفار کی عقوبت کا شکوہ کیا تھا۔ آپ حرم میں لیٹے ہوئے تھے۔ اسی وقت اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم کو خبر نہیں کہ تم سے پہلوں پر کیا ہو گزری ہے اُن کو تو قتل کیا گیا ہے اور بعض کی کھالوں کو لوہے کی کنگھیوں سے نوچا گیا ہے یعنی ایک زندہ انسان کے گوشت کو کنگھی سے جو بالوں میں کی جاتی ہے نوچنا، لوہے کی کنگھی بنا کر اس سے گوشت کو ہڈیوں پر سے کھرچنا، اور تیل کو گرم کر کے اس میں ڈالدینا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے سابقین کے مصائب کا تذکرہ فرما کر ان مخلصین کو اطمینان دلایا اور یہ بھی فرمایا کہ گھبراؤ نہیں وہ زمانہ قریب ہے جب حجاز امن و عافیت کی دولت سے مالا مال ہو جائیگا۔ حضرت حق نے اجمالی طور پر بعض آیات میں ان مصائب کا ذکر بھی فرمایا ہے جن سے انبیائے سابقین اور ان کی اُمتوں کو دوچار ہونا پڑا ہے دوسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ اُمت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بدون اُن مصائب کے

برداشت کیے جنت میں چلے جاؤ گے جو تم سے پہلے لوگوں پر آچکے ہیں۔ ان پر اسقدر سختیاں، تکالیف اور پریشانیاں نازل ہوئی تھیں کہ اس زمانہ کے رسول اور اُن کے ساتھی بار بار اللہ سے مدد مانگتے تھے اور گھبرا گھبرا کر کہتے تھے اے خدا تیری مدد کب آئے گی۔ خدا کی طرف سے اطمینان دلایا جاتا تھا کہ گھبراؤ نہیں اللہ کی نصرت و امداد بہت قریب ہے۔ میں نے نہایت مختصراً عرض کیا ہے ورنہ سچ تو یہ ہے اس باب میں اتنی گنجائش ہے کہ شاید بیان کرتے کرتے زندگی ختم ہو جائے اور ان تکالیف کی تفصیل ختم نہ ہو۔

نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکالیف اور جو اذیتیں کفار کی جانب سے پہنچائی گئیں اُن کی داستان ایسی پُر درد داستان ہے کہ اس کو بیان کرنا آسان نہیں ہے جس دن سے آپ کو نبوت و رسالت کے تاج سے سرفراز کیا گیا۔ اسی دن سے مصائب و آفات کا دروازہ کھل گیا وہ کونسی روحانی اور جسمانی تکلیف ایسی تھی جو آپ کو نہ پہنچائی گئی ہو۔ سب سے پہلے آپ نے قرابتداروں اور رشتہ داروں سے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اور وہیں سے مخالفت کی ابتدا ہوئی۔ آپ جانتے ہیں انسان دنیا بھر کی مخالفت کو برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنے اعزہ اور رشتہ داروں کی مخالفت کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ آدمی برادری کی قوت سے دوسروں کے ساتھ جنگ کر سکتا ہے لیکن برادری سے جنگ کرنا اس قدر مشکل ہے کہ بڑے بڑے بہادر اور شجاع برادری کے مقابلہ میں آکر دب جاتے ہیں اور برادری کی قوت بڑے بڑے زور آوروں کو زیر کر لیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آپکے عزیز ہی تکالیف پہنچانے پر آمادہ ہوں تو پھر غیروں کا کیا کہنا ہے دشمن کا قاعدہ ہے کہ وہ

برادری کی طاقت و قوت کا خیال کر کے ڈرتا ہے لیکن جس کی برادری ہی در پئے آزار ہو اس کے دشمن جو کچھ بھی کر گذریں وہ تھوڑا ہے وہ کون سا ظلم تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں کیا گیا جو لوگ ابتدائی دور میں آپ پر ایمان لے آئے تھے اُن کے ساتھ جو سختیاں کی گئیں وہ نہایت ہی وحشتناک تھیں، کوڑے مارنا۔ ببول کے لمبے لمبے کانٹے گوشت میں چبھونا، گرم پتھروں پہ لٹانا۔ آگ کے کوئلوں پر لٹانا۔

حضرت خباب کا واقعہ

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن اپنی کمر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دکھائی تھی حضرت عمر نے دیکھا کہ تمام کمر پر بڑے بڑے نشان تھے۔ حضرت عمر بہت متعجب ہوئے اور فرمایا خباب یہ نشان کیسے ہیں۔ حضرت خباب نے فرمایا امیر المومنین اس کمر پر نہ معلوم کتنی مرتبہ آگ جلائی گئی ہے جس کو کمر کی چربی نے ٹھنڈا کیا ہے یعنی کمر پر کافر آگ رکھدیا کرتے تھے اور وہ آگ گوشت کی رطوبت سے ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھی، کافروں نے جو اذیتیں پہنچائیں ان سے کہیں زیادہ تکالیف ہیں جو منافقین کی جانب سے پہنچائی گئیں۔ آپ کے لئے تو ان کا تصور بھی محال ہے۔ خدا کی قسم اگر پہاڑ بھی ہوتا تو اپنی جگہ سے ہٹ جاتا۔ اور ان مصائب کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو جاتا۔ جو سید المرسلین نے اپنی قوم کے ہاتھوں برداشت کئے اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کئے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد۔

ما اوذی نبی ما اوذیت

صاحبو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راہ میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپ نے اس امر کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ جتنا میں ستایا گیا ہوں

اتنا کوئی نبی نہیں ستایا گیا۔ اگر میری تکالیف کا مقابلہ دوسرے انبیاء کی تکالیف کیا جائے تو میری تکالیف ان سے زائد ہو جائیں گی۔ ممکن ہے کوئی صاحب خیال کریں کہ حضرت نوح کی عمر تو ہزار برس سے بھی زائد تھی نو سو پچاس سال تبلیغ کرتے رہے اور قوم کی تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ اگر کفار کی تکالیف کا سلسلہ مسلسل بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی کہاں تیئیس سال کی تکالیف اور کہاں نو سو پچاس سال کی اذیتیں، برابر بھی نہیں ہو سکتیں، چہ جائیکہ تیئیس سال کی تکلیف زیادہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ بعض انبیاء علیہم السلام قتل بھی کئے گئے ہیں اور اس راہ میں شہید بھی ہوئے ہیں جیسا کہ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہود کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مؤمنین اگر تم واقعی نبیوں کے ماننے والے ہو تو اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیوں کیا کرتے تھے۔

تیسرے پارے میں فرماتے ہیں ان الذین یکفرون بآیت اللہ ویقتلون النبیین بغیر حق وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو بلا وجہ قتل کروا دیتے ہیں۔ یہود کی ذلت و رسوائی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ذلک بانھم کانوا یکفرون بآیت اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق۔ ان پر لعنت اور غضب کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کروا دیتے تھے۔ جب انبیاء کی تکالیف میں قتل شامل ہے تو حضور کی تکالیف تمام نبیوں کی تکالیف سے کس طرح زائد ہو سکتی ہیں؟

اذیت کے درجات متفاوت ہیں اگر کسی صاحب کو یہ خیال ہو

تو بھائی میں عرض کروں گا کہ یہاں اول تو اذیت کی کمیت میں بحث نہیں ہے
نیز یہ کہ ایذاء رسانی کے درجات میں بھی فرق ہے۔ ایک دشمن کی تکلیف ہے
ایک دوست کی تکلیف ہے، ایک غیر کی گالی کا اثر ہے۔ ایک اپنوں کی گالی
کا اثر ہے۔ ایک بچے نوکر کو طمانچہ مارے اور ایک طمانچہ اسی قوت سے باپ
کو مارے۔ طمانچہ تو ایک ہی ہے لیکن دونوں میں فرق زمین و آسمان کا ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل المرسلین ہیں اسلئے آپ کو ایذاء پہونچانا
یا آپ کی شان میں گستاخی کرنا بھی دوسرے انبیاء کی توہین سے زیادہ افسوسناک ہے
پھر یہ کہ سرکار کو اپنی اُمت سے محبت اسقدر ہے اور اُمت کی اصلاح سے
شغف اتنا زائد ہے کہ دوسرے انبیاء کو اتنا نہیں ہے جیسا کہ میں انشاء اللہ
ابھی عرض کروں گا۔ چونکہ سرکار کو محبت زیادہ ہے اس لئے اُمت کی نافرمانی
اور ایذاء رسانی کا رنج بھی زیادہ ہے۔ آپ کی محبت کا اظہار حضرت حق نے جن
الفاظ میں کیا ہے اسکو سن لیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو اپنی اُمت کس قدر محبوب تھی فرماتے ہیں۔ لقد جاءکم رسول
من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم تمہارے پاس ایک رسول
تم ہی میں سے آیا ہے یعنی انسان کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس کی حالت یہ ہے
کہ جس چیز سے تم کو تکلیف پہونچتی ہے وہ اس کیلئے ناقابل برداشت ہے
وہ تم کو دکھ میں دیکھ نہیں سکتا اور ہر وقت تمہارے آرام و آسائش اور تمہارے
مسلمان ہونے کی فکر اس کو دامنگیر ہے۔ اسی محبت و شفقت کا یہ اثر تھا کہ
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ
مسلمان ہو جائیں۔ اور اسلام کو قبول کر لیں جب آپ کی امید کے خلاف کافر
مسلمان نہ ہوتے تھے تو آپ کو اتنا صدمہ ہوتا تھا کہ شاید آپ اس رنج میں

وفات پا جائیں گے۔

حضرت حق کی جانب سے تسلّی

عزیزانِ ملت۔ یہ اسلام و کفر کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ اس کی کنہ کو سمجھنا اور حقیقت کو معلوم کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ جس طرح مادّی تفاوت اور دنیاوی امتیازات ہماری عقول ناقصہ سے خارج ہیں۔ اسی طرح ان باطنی امتیازات تک پہنچنا اور ان کی کنہ کو معلوم کرنا بھی ہماری طاقت سے باہر ہے ایک امیر ہے، ایک غریب ہے، کوئی بیمار ہے کوئی تندرست ہے کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے۔ یہ انسانی دنیا کے وہ امتیازات ہیں کہ ہم صبح سے شام تک اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن نہ کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنی اپنی رائے کے موافق ہم کچھ کہہ لیا کرتے ہیں لیکن حضرت حق کی حقیقی مصالح اور حکم پر کون عبور کر سکتا ہے۔ حضرت حق نے اس مادّی فرق اور دنیاوی امتیازات کے متعلق ایک مقام پر اشارہ بھی کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک صحیح العقل انسان کے اطمینان کے لئے وہ کافی ہے فرماتے ہیں ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر، اگر اللہ تعالیٰ تمام بندوں پر ہر قسم کی نعمتوں کو عام کر دے اور ان پر رزق کے دروازے کھول دے تو یہ لوگ خدا کی زمین میں نافرمانی اور معصیت کے سبب بغاوت کر دیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کا رزق اسی اندازہ سے نازل کرتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی حالت سے پوری طرح واقف اور آگاہ ہے۔

اسی طرح سورۂ زخرف میں بھی اس امتیاز باہمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضھم بعضًا

سمجھ رہا۔ ہم نے بنی نوع انسان میں بعض کو بعض پر ترجیح اور فوقیت عطا فرمائی ہے تاکہ نظام عالم قائم رہے اور ایک کی دوسرے کے ساتھ احتیاج اور ضرورت وابستہ رہے۔ اور کسی کا کام بند نہ ہو جائے۔

امتیازات باہمی کا سبب

حضرات یہ وہ امور ہیں جو ہم کو بطور علت بتا دیئے ہیں اور یہ بھی ان کا کرم ہے کہ وہ ہم نالائقوں کے لئے اپنے کسی فعل کی علت اور مصلحت بتا دیں ورنہ ہم ہیں کون جو ان سے یہ دریافت کریں کہ آپ نے یہ کیوں کیا۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔ اُن کے کئے پر کوئی اُن سے سوال نہیں کر سکتا۔ اور ہم سب کا احتساب کیا جائیگا۔ وہ تو ہر قسم کے احتساب اور پوچھ گچھ سے بالاتر ہیں۔ یہ محض ان کی مہربانی ہے کہ کسی فعل کی حکمت بیان کر دیں۔ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں کی طبیعت اور اُن کی حالت سے خوب واقف ہوں میں بعض لوگوں کو اس لئے بیماری اور تنگدستی میں مبتلا رکھتا ہوں کہ اگر ان کو صحت اور عافیت دیدوں یا ان کو مالدار بنا دوں تو وہ میرے ساتھ کفر کرنے لگیں۔ اس کے علاوہ اور بھی حکم و مصالح ہیں جن کا نہ تو یہ موقع ہے اور نہ وہ باتیں آپ کی سمجھ میں آسکتی ہیں وہ باتیں صرف علمی ذوق کی نہیں ہیں بلکہ علمی ذوق کے ساتھ عملی ذوق بھی چاہتی ہیں۔ میں نے بعض روایات میں دیکھا ہے کہ بعض بندے تکلیف میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور جب درد و کرب کی وجہ سے وہ یا ارحم الراحمین کہکر پکارتے ہیں تو ملاء اعلیٰ کے بسنے والے فرشتے بطور سفارش کے عرض کرتے ہیں پروردگار تیرا فلاں بندہ بہت تکلیف میں ہے اور تجھکو بڑی بے چینی سے پکار رہا ہے۔ اس کو اچھا کر دیجئے اور اسکو شفا دیدیجئے ارشاد ہوتا ہے اس کی بیماری کو ہم جانتے ہیں اگر ہم شفا دیدیں گے تو ہم کو پکارنا

چھوڑ دیگا۔ اور ہم کو اس کا پکارنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

مجنوں کا ایک واقعہ

حضرت عارف رومی رحمتہ اللہ علیہ نے مجنوں کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جب لیلیٰ اسکے عشق نے اس کو بہت پریشان کیا۔ ایک طرف غلبۂ عشق دیوانگی تک پہونچ گیا جو عشق کا درمیانی درجہ ہے دوسری طرف لوگوں نے ملامت شروع کر دی جو عشق کا خاصہ ہے جب بیچارہ ہر طرف سے پریشان ہوا تو ایک دن رات کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔ جب بہت رویا اور گڑگڑایا تو ارشاد ہوا لیلیٰ تو کوئی چیز نہیں ہے یہ تو جو کچھ ہو رہا ہے ہماری طرف سے ہو رہا ہے۔ مجنوں نے عرض کیا بہت اچھا آپکی طرف سے ہو رہا ہے تو اب بس کیجئے کام میری طاقت سے باہر ہو گیا ہے اور اب مجھ میں برداشت کی ہمت نہیں ہے۔ ارشاد ہوا تیرا رونا۔ چیخنا۔ چلانا، اور ہائے ہائے کرنا ہم کو پسند آتا ہے اس لئے یہ لطف اندوزیاں جو اس دکھ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں نظر انداز نہیں کیجا سکتیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

خوش نماید نالۂ شبہائے تو ذوق ہا دارم بہ یارب ہائے تو

کوئی اگر کسی کو اس لئے مبتلائے آلام کرے کہ ہمیں تمہاری آہ و بکا سے دلچسپی ہے تو اس کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ بہت اچھا سرکار اپنی دلچسپی پوری کر لیجئے۔ اور کہا بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی اُن کا لطف و کرم ہے کہ اپنی دلچسپی کے لئے ہم کو منتخب کیا ورنہ اس کام کے لئے بھی اگر کسی دوسرے کا انتخاب ہو جاتا تو ہم اُن کا کیا بگاڑ لیتے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ

بعض شیعی کتب میں میں نے پڑھا ہے کہ ایک دفعہ کسی تکلیف سے حضرت خاتونِ محشر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ آج آپ کی صاحبزادی کے رونے نے ملائکہ کو بھی غمزدہ کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، آپ کے ہمراہ ایک اور صحابی بھی تھے۔ جب آپ صاحبزادی کے مکان پر پہونچے تو آپ نے اجازت چاہی اور یہ بھی کہا میرے ہمراہ ایک اور صاحب بھی ہیں۔ صاحبزادی نے فرمایا میرے پاس صرف ایک چادر ہے جس سے پردہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک دروازہ سے اندر مکان میں دیدی۔ حضرت خاتون محشر نے پردہ کیا۔ سرکار اور آپ کے ہمراہی مکان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے حال دریافت کیا، خاتون محشر کی باتوں سے کوئی پتہ نہ لگا سکے تب آپ نے اصرار فرمایا اور رونے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ آج تین دن سے علی کے گھر میں کھانے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ ہم خود فاقہ کرتے ہیں لیکن بچوں کو تھوڑا کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ آج بچوں کے لئے بھی کچھ نہ تھا تو حسن وحسین فاقہ کی تکلیف سے روتے ہوئے آئے اور مجھ سے دریافت کرنے لگے اماں جان! یہ فاقہ کی تکلیف ہمارے ہی گھر میں ہے یا مدینہ کے اور بچے بھی اس تکلیف میں مبتلا ہیں۔ بچوں کے اس بھولے پنے اور ان کی تکلیف سے میں رو پڑی لیکن میں نے کوئی کلمہ حضرت حق کی جناب میں اُن کی شان کے خلاف نہیں کہا بلکہ اتنا عرض کیا اے میرے پروردگار میری یہ قسمت کہاں کہ آپ اپنی بندی کو کسی امتحان میں مبتلا کر دیں۔ یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ آپ اپنی آزمائش وابتلا کے لئے مجھے منتخب فرمائیں۔ لیکن اگر مجھے انتخاب کیا ہے تو ثابت قدمی اور صبر واستقلال کی بھی توفیق عطا فرمایئے کیونکہ اگر آپ کی توفیق نہ ہو تو اس مہم کا سر ہونا محال ہے۔

واقعہ اس تفصیل کے ساتھ صحیح ہو یا غیر صحیح لیکن اس میں شک نہیں کہ جس طرح

کسی بندے کو آزمائش و ابتلا میں مبتلا کرنا انہی کا کام ہے اسی طرح اس امتحان میں کامیاب کرنا اور اجر جزیل کا مستحق بنا دینا بھی انہی کا کام ہے، اگر ان کی جانب سے ہمت افزائی نہ ہو تو وہ کون ہے جو ان کے امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ

سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علیٰ قلبہا۔ حضرت موسیٰ کو اُن کی ماں نے جس صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈالا تھا وہ حسن اتفاق سے اس نہر میں چلا گیا جو فرعون کی محل سرا میں جاتی تھی۔ صندوق نہر سے نکالا گیا۔ اسکو کھولا گیا اور حضرت موسیٰ کو اس دشمن کی گود میں پہنچا دیا گیا جو عرصہ سے اُن کی تلاش میں تھا اور صدہا بے گناہ بچوں کو اس لئے موت کے گھاٹ اُتار چکا تھا کہ کہیں وہ بچہ زندہ نہ بچ جائے جس کا سیاست ملکی کے ماتحت قتل ضروری تھا۔ ظاہربین نگاہیں متحیر تھیں اور حکم و مصالح الٰہیہ سے ناآشنا دنیا اپنا سر پیٹ رہی تھی لیکن کسی کو کیا خبر تھی کہ جس نے اس صندوق کو یہاں تک پہنچایا ہے اس کی شان یہ ہے کہ واللہ غالب علیٰ امرہٖ اور اللہ تعالیٰ اپنے امر اور اپنے حکم پر غالب ہے یعنی اس کے امر کو کوئی لوٹا نہیں سکتا بلکہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی شان یہ ہے ان اللہ بالغ امرہٖ مطلب دونوں آیتوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ ایک سورہ طلاق کی ہے دوسری سورہ یوسف کی ہے لیکن صنعت مقابلی کو ملاحظہ کیجئے کس طرح غالب کو بالغ کرکے کلام کی خوبی کا اظہار کیا ہے اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں، بچہ اُن کی گود میں دیا گیا وہ بچہ جو آج تک کسی دایہ کے دودھ کو منہ نہ لگاتا تھا اس نے دودھ پینا شروع کر دیا، سب لوگوں کو حیرت ہوئی اور انہوں نے دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ بچہ تو کسی کا

دودھ ہی نہیں پیتا تھا تمہارا دودھ کیسے پینے لگا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کو پہلے کہا جا چکا تھا کہ تم سے کوئی لاکھ پوچھے مگر تم کسی کو نہ بتانا کہ یہ میرا بچہ ہے اور میں نے اس کو دریا میں ڈال دیا ہے۔ فرعون کے محل سرا میں یہ اصرار ہو رہا ہے کہ بتاؤ تمہارا دودھ کیوں پی رہا ہے بچہ گود میں ہے حکم یہ ہے کہ کسی سے یہ نہ کہو کہ میرا بچہ ہے، لوگوں کا مسلسل اصرار اور مختلف شبہات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ایک عجیب امتحان میں مبتلا ہیں۔ اس کو فرماتے ہیں کہ موسیٰ کی ماں قریب تھا کہ اس بھید کو ظاہر کر دیتی تاہم ہم نے اس کے قلب کو سہارا لگا لیا۔ اگر ہم موسیٰ کی ماں کے قلب کو سہارا نہ دیتے تو وہ تو بھانڈا ہی پھوڑ دیتی ہم نے اس کو سہارا دیکر اُسے امتحان میں کامیاب کیا۔

ایک جاہل میلاد خواں کا واقعہ

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ ان میلاد خوان مولویوں کا سرمایۂ علم محض چند اُردو کے رسالے ہوتے ہیں۔ ان بدبختوں کو نہ قرآن کی خبر نہ حدیث کی، وہی گاتے پھرتے ہیں اور وہی ان کی روٹی کا ذریعہ ہے۔ جاہلوں کی دنیا ان جاہلوں کو مولوی سمجھتی ہے۔ کوئی ان سے مسئلہ بھی پوچھتا ہے ان کو اپنی مولویت کے تحفظ کے لئے کچھ نہ کچھ بتانا ہی پڑتا ہے خواہ غلط سلط ہی کیوں نہ ہو اگر یہ کہا کہ عالم سے دریافت کرلو تو اس کو یہ احمق اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں پھر اگر میلاد ہی پڑھکر ختم کر دیں تب بھی غنیمت ہے میلاد کیا پڑھتے ہیں علماء پر طعن و تشنیع اور علماء کے نام لے کر کافر کہتے ہیں۔ اہل علم پر لعنت کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی لعنت بھجواتے ہیں، اب خیال فرمائیے کہ جو جاہل کفر و اسلام کے معنی نہ جانتے ہوں وہ اہل علم کو کافر کہیں یا لعنت بھیجیں اس سے بڑھکر مسلمانوں کی بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے پیشوا اور رہنما اس قسم کے جاہل اور لعنتی ہوں،

ہندوستان میں ان جاہل میلاد خوانوں کا ایک غول بیابانی ہے جو صحرائی جنات کی طرح مسلم قوم پر مسلط ہے اور جس کا پیشہ یہ ہے کہ لوگوں کو گمراہ کر کے اپنا پیٹ بھرے۔ بہر حال اسی غول بیابانی کے ایک فرد سے کسی نے دریافت کیا جناب حضرت موسی کی ماں کا کیا نام تھا۔ ان حضرت نے جواب دیا ان کا نام فارغا تھا اور یہ جواب اس بے تکلفی سے دیا کہ ان کے ماتھے پر نہ تو شکن تھی اور نہ شرمندگی کا کوئی اثر تھا۔ ایک اور اسی ٹائپ کے مولوی صاحب کا واقعہ ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا حضرت میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں۔ اب میں اس کو رکھنا چاہتا ہوں۔ فرمانے لگے تین روزے رکھ لو اور تیسرا روزہ اپنی بیوی کے ساتھ مل کر کھول لو۔ گویا تیسرے روزے کے ختم ہونے سے چند منٹ پیشتر تمہاری بیوی تم پر حلال ہو جائے گی۔ ایک صاحب ہمارے شہر میں آیا کرتے ہیں وہ بزرگوں کی کرامتیں بہت بیان کرتے تھے ایکدن فرمانے لگے حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے ملک الموت کے ہاتھ سے ارواح کی زنبیل چھین لی اور اس دن کے تمام مردے زندہ ہو گئے۔ پھر اس واقعہ کو مسند احمد ابن حنبل کی حدیث بتایا۔ ایک شخص بڑا خوش الحان ہے اور میلاد شریف خوب پڑھتا ہے۔ ایکدن کہنے لگا مجھے ضد نہ دلاؤ میں قرآن سے شرک ثابت کر دوں گا۔ غرض ان جاہلوں کا کوئی پوچھنے والا نہیں جو ان کے منہ میں آتا ہے بکتے پھرتے ہیں۔ خدا جہل کو سلامت رکھے جب تک اس کا دور دورہ ہے اہل علم کی قدر کیا ہو سکتی ہے۔ ایک عربی شاعر نے اس قدرتی مدوجزر کا نقشہ خوب کھینچا ہے ؎۔

وعالم عالم اعیت مذاهبه + وجاهل جاهل تلقاه مرزوقا
هذا الذی ترك الاوهام حائرة + وصیر العالم النحریر زندیقا

وہ کہتا ہے بہت سے اہل علم بیچارے روٹیوں کو محتاج ہیں اور بہت سے جاہل مزے اڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ وہ باتیں ہیں اور قدرت کے وہ غوامض ہیں جن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بڑے بڑے اہل علم نہ صرف متحیر ہیں بلکہ زندیق بن گئے ہیں حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؂

اگر روزی زدانش بر فزودے — زناداں تنگ روزی تر نبودے
بناداں آنچناں روزی رساند — کہ دانا اندراں حیراں بماند

اصحاب کہف کا واقعہ

بہر حال گفتگو اس میں ہو رہی تھی کہ وہی امتحان لیتے ہیں اور وہی کامیاب کرتے ہیں جیسا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے جن کا نام لوقا تھا تذکرے میں بیان کیا۔ ربط قلب کی ایک دوسری آیت بھی سن لیجئے۔ اصحاب کہف جو اپنے زمانے کے بادشاہ کی مشرکانہ تعلیم و مذہب کو چھوڑ کر خدا پرست ہو گئے تھے، جب بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو گرفتار کرا لیا اور اپنے سامنے کھڑا کر کے نہایت ہی تحکمانہ لہجے میں دریافت کیا۔ میں نے سنا ہے تم نے میری خدائی سے انکار کر دیا ہے اور تم میرے سوا کسی اور کی پرستش کرنے لگے ہو، اب ایک ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑا ہونا اور اس کے سوال کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور یہ وہ مواقع ہیں جہاں بڑے بڑے صاف گو سٹپٹا جاتے ہیں حضرت حق فرماتے ہیں۔ وربطنا علی قلوبهم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السموات والارض لن ندعوا من دونه الٰها لقد قلنا اذا شططا ہم نے ان لوگوں کو سہارا لگا لیا اور انہوں نے نہایت جرأت کے ساتھ کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان و زمین کا رب ہے اس کے سوا ہم اگر کسی کو پکاریں گے تو سخت غلطی اور بے عقلی کی بات کریں گے۔

اصحاب کہف کا اتنا زبردست امتحان تھا کہ اگر حضرت حق انکو ثابت قدم نہ رکھتے اور ان کے قلوب کو سہارا نہ لگاتے تو اصحاب کہف کا کامیاب ہونا ناممکن تھا۔ بہرحال امتحان میں کامیابی کا دارومدار بھی اُن کے فضل پر ہے ورنہ ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جنگ بدر کا واقعہ

جنگ بدر جو مسلمانوں میں خاص طور پر مشہور ہے، اُس کے تذکار کی کامیابی اور مسلمانوں کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ویذھب عنکم رجز الشیطن ولیربط علی قلوبکم ویثبت بہ الاقدام۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ تم کو کامیاب کرے وہ تم کو شیطان کے وسوسہ کو دفع کر رہا تھا اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر رہا تھا اور تمہارے قدموں کو جما رہا تھا۔ گویا مسلمانوں کی کامیابی حضرت حق کی اعانت اور ان کے ربط قلب اور تثبیت اقدام کی مرہون منت تھی۔ اگر اُن کی اعانت اور اُن کا فضل نہ ہوتا تو بھلا مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان اپنے دشمن پر کس طرح فتحمند ہو سکتے تھے۔

ابتلاء کی مصلحت و حکمت

حضرات میں آپ سے کیا عرض کروں ان کی حکمتوں کا کوئی کیا احاطہ کر سکتا ہے۔ ظاہر بین نظریں نہ معلوم کتنے غلط نظریئے اور کتنی غلط رائیں قائم کرتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ کسی بندہ کے لئے بلند مرتبہ تجویز کرتے ہیں وہ بندہ اپنی عبادت کے ذریعہ ان کو حاصل نہیں کر سکتا تو وہ اس پر بلا نازل کرتے ہیں وہ بندہ اس پر صبر کرتا ہے اس کے ذریعہ اس کو وہ مرتبہ عطا کر دیتے ہیں جس کا مصداق وہ ہوتا ہے۔ نہ معلوم اس میں بھی کتنے فوائد مضمر ہوں

وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم
لا تعلمون۔ یہ بہت ممکن ہے کہ تم بعض باتوں کو برا سمجھو لیکن وہ تمہارے
لئے مفید ہوں اور تم بہت سی باتوں کو اپنے لئے بہتر سمجھو لیکن وہ تمہارے
لئے مضر ہوں ہر شے کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے، ہم
بعض دفعہ اس ابتلا سے بہت ہی گھبراتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ
ان بلاؤں میں کس قدر مراتب علیا اور مدارج کبریٰ پنہاں ہوتے ہیں، آنے
والے عالم میں جس کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام عالم آخرت کہا کرتے ہیں جب
اہل مصائب واصحاب بلا کو اجر و ثواب دیا جائیگا تو یہ تمنا کریں گے کاش
ہماری بوٹیاں قینچیوں سے کتر دی جاتیں اور دنیا میں ہم کو اور زیادہ مصائب
کی آماجگاہ بنایا جاتا۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے
ایکمرتبہ حضرت حق کو خواب میں دیکھا

انہوں نے عرض کیا الٰہ العالمین آپ سے محبت کرنے والے کون لوگ ہیں،
ارشاد ہوا کہ جب میں نے مخلوق کو پیدا کیا تو انہوں نے میری محبت کا دعویٰ
کیا۔ میں نے دنیا کو پیدا کیا اور ان مدعیان محبت نے جب دنیا اور اسکی زینت
کو دیکھا تو دس ہزار میں سے نو ہزار نے دنیا کو اختیار کیا اور میری محبت کا دعویٰ
فراموش کر دیا پھر میں نے جنت پیدا کی تو نو سو جنت کی طرف مائل ہو گئے صرف
سو ایسے رہے جو نہ دنیا کی طرف مائل ہوئے اور نہ انہوں نے جنت کی طرف رُخ
کیا۔ پھر میں نے ان سو کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا تو نوے اس راہ میں ناکام
رہ گئے باقی دس رہے جو سر طرح ثابت قدم ثابت ہوئے، میں نے انکو خطاب
کرتے ہوئے فرمایا تم نے نہ دنیا کی رغبت کی اور نہ جنت کا رُخ کیا، میں نے تم کو

مصائب و آلام میں مبتلا کیا لیکن تم اپنی جگہ پر قائم رہے۔ انہوں نے کہا اے پروردگار کیا یہ مصائب آپ کے اشارے اور ارادے سے نہ تھے میں نے کہا میری ہی قضا سے سب کچھ ہوا ہے انہوں نے کہا ہم تو تیری قضا پر راضی ہیں۔ تجھے اختیار ہے تو جو چاہے وہ ہمارے ساتھ سلوک کر ہم تجھ کو چھوڑ نہیں سکتے میں نے کہا تم ہی میرے مخلص اور سچے بندے ہو۔

حضرت سری سقطی کا ایک اور واقعہ

حضرات! انہی سری سقطی کا ایک اور واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ یہ ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے، ایک صاحب مسجد میں تشریف لائے اور حوض کے کنارے سے گذرنے لگے، اتفاق سے اُن کا پاؤں پھسلا اور وہ حوض میں گر گئے۔ حضرت سری نے مریدوں کو حکم دیا کہ اس کو نکالو، مرید دوڑے کہ انکو نکال لیں انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ مجھے نہ نکالو۔ لوگوں نے کہا کہ اگر آپ غرق ہونا چاہتے ہیں تو کیا آپ کو ڈبو دیں، انہوں نے پھر منع کیا کہ ایسا نہ کرو جس طرح یہ اتفاقاً حوض میں گرے تھے اسی طرح اتفاقاً نکل آئے تو لوگوں نے دریافت کیا، آپ کو نکالنا چاہا تب بھی آپ نے انکار کیا اور جب ڈبونا چاہا تب بھی انکار کیا۔ آخر اس کی وجہ کیا تھی:۔ ان بزرگ نے کہا۔ یہ میرا اور اُن کا معاملہ تھا، میں کسی دوسرے کی مداخلت کو گوارا نہیں کرنا چاہتا تھا وہ مجھے غرق کرتے یا بچا لیتے، آپ کون تھے جو میرے اُن کے درمیان مداخلت کے لئے تشریف لائے تھے۔

میرے عزیزو! ہم جس کو تکلیف سمجھتے ہیں اور جس کا شکوہ کیا کرتے ہیں۔ اہل محبت کے نزدیک تو وہ تکلیف ہی نہیں بھلا محبت کے بعد تکلیف؟

اذا جاءت الالفة رفعت الکلفة۔

عشق مجازی کے اثرات

صاحبو! اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم کو الفت ہی نہیں ہے ہم نے عشق مجازی کے یہ کرشمے دیکھے ہیں کہ انسان ہر قسم کے مصائب برداشت کرتا ہے اور خوش ہو کر برداشت کرتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو تمنا کرتا ہے کہ محبوب کچھ تعلق ظاہر کرے خواہ وہ تعلق عداوت ہی کا ہو، کوئی گالی ہی دیدے، برا کہدے، حالانکہ یہاں عشق بھی فانی، معشوق بھی فانی، اور عاشق بھی فانی، جب ان فنا کے گہوارے میں زندگی بسر کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے محبوب کی محض خوشنودی کے لیے سب کچھ کر گذرتے ہیں تو بھلا محبوب حقیقی کی محبت اور عشق کا کیا ٹھکانہ ہے۔ مجنون اور لیلیٰ کے واقعات، شیریں و فرہاد کے قصے، پنجاب کے رانجھے اور ہیر کی داستان یہ قصے اگرچہ بڑی حد تک پارینہ ہو چکے ہیں اور انکی داستانیں اور ان کے فسانے کہنہ ہو گئے ہیں۔ ایک شاعر نے تو جلکر یہی کہدیا

ہم سے پوچھے کوئی اس دشت نوردی کے مزے
قصہ فرہاد کا، مجنون کا فسانہ کیا تھا

ایک تھا کوہکن اور دوسرا تھا دشت نورد
ان غریبوں نے ابھی عشق کو جانا کیا تھا

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ان کے واقعات انتہائی مبالغہ آمیز ہیں، لیکن عشق کی نیرنگیاں ہر زمانے میں اپنا کام کرتی رہی ہیں۔ کوئی منحوس دن ایسا ہوتا ہوگا جس دن اخبار میں کوئی واقعہ خودکشی کا نظر سے نہ گذرتا ہوگا۔

حسن کی حقیقت

حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حسن کی عمر کچھ زیادہ دراز نہیں ہے لوگ جسے حسن کہتے ہیں وہ تو اصل میں ظلم اور بیوفائی کی ایک شکل ہے جس کو آراستہ کر کے لوگوں کو بے وقوف بنا دیا گیا ہے جس طرح

ظلم کی بنیاد بے ثباتی پر رکھی ہوئی ہے اسی طرح حسن بھی ایک ایسی تعمیر ہے جسکی
بنیاد پانی پر ہے جو رخسار آج گلاب کی طرح سرخ و سپید معلوم ہوتے ہیں وہی
چند روز کے بعد جھریاں پڑ جانے سے اتنے بدنما معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھنے کو بھی
جی نہیں چاہتا ہے جو قد سرو کی طرح سیدھا ہوتا ہے وہی تھوڑے عرصہ کے بعد
کمان کی طرح دوہرا ہو جاتا ہے۔ صراحی دار گردن رعشہ کی وجہ سے ہر وقت
ہلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ غرض حسن کی ساری نمائشیں چند روزہ ہوتی ہیں
اور یہ حسن مجازی تھوڑے عرصہ کے بعد خاک میں پنہاں ہو جاتا ہے۔ لیکن اس
فانی حسن پر فانی عشاق کی گرویدگی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی تاریخ کا بہت بڑا حصہ
انہی افسانوں اور داستانوں کی نذر ہو گیا ہے بڑے بڑے نازک خیال شعرا کی
تمام عمریں دہن اور کمر کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں لیکن
اس حسن مجازی کے دامن کسی طرح لپٹنے میں نہیں آتے۔

ایشیائی شاعر ہمارے ان ایشیائی شاعروں نے جو زمین و آسمان کے
قلابے ملائے ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ عرب کی شاعری
جس میں مرد عاشق اور عورت معشوقہ ہوتی ہے ایک فطری شاعری ہے، جس کی
سادگی بھی مزیدار ہے اور مبالغہ بھی کچھ زیادہ ناگوار نہیں معلوم ہوتا۔ ہندوستان
کی شاعری اگرچہ اس کا عکس ہے یہاں عورت کی جانب سے محبت و عشق کا
اظہار ہوتا ہے اور مرد کو ایک معشوق تصور کر کے طبع آزمائی کی جاتی ہے یہ شاعری
بھی فطری ہے۔ ہندی بھاشا کی شاعری میں مبالغہ کے ساتھ تشبیہات اور استعارات
اور تمثیلات کا ایک طوفان ہوتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کے شعرا کا مطلب تو
دیر میں سمجھا جاتا ہے لیکن سمجھنے کے بعد بڑا لطف آتا ہے۔ ہندی اور عربی شاعری
میں جو فرق ہے وہ اصل میں دونوں ملکوں کی جغرافیائی اور تمدنی حیثیت کا فرق ہے

شاعر کے دماغ پر ہمیشہ اُس کے مُلکی ماحول کا تسلّط ہوا کرتا ہے۔ عرب کا شاعر اپنے کلام کا سارا زور ایک اونٹنی کی تعریف میں خرچ کر دیتا ہے، اونٹنی کی چال اس کی گردن، اس کا کجاوہ حتیٰ کہ اس کی مینگنیاں، غرض اسکے تخیل کی پرواز ایک اونٹنی اور اس کے محمل کی چار دیواری پر منڈلاتی رہتی ہے۔ لیکن ایک ہندی شاعر کو اونٹنی کی تعریف سے اتنی دل چسپی نہیں جتنی ایک رتھ اور اس کے بیلوں سے ہے، ہندی شاعر بہلی، رتھ اور اس کے بیلوں کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے عرب کا شاعر اونٹنی اور اس کے محمل کو دیکھتا ہے۔ ہندوستان اور عرب کی شاعری کے علاوہ ایک ایرانی شاعری بھی ہے جو نہ صرف غیر فطری اور اَن نیچرل ہے بلکہ کذب و بہتان اور جھوٹ و افترا کا ایک طومار ہے۔

مرد ہی عاشق مرد ہی معشوق

ایرانی شاعری کی تمام بنیاد غیر فطری عشق پر قائم ہے مجھے اس سے انکار نہیں کہ جس طرح عورت کو حسن مجازی کا پیکر تسلیم کیا گیا ہے اسی طرح مرد کو بھی اس دولت سے نوازا گیا ہے۔ اگر ہم مرد کو حسن کی دولت سے محروم کر دیں تو پھر ہندوستانی شاعری کو غلط کہنا پڑے گا جس کی بنیاد ہی مرد سے محبت کرنے پر رکھی گئی ہے، میں آجکل کی اس تحقیقات سے اتفاق کرتا ہوں کہ جس طرح عورت کو حسن عطا کیا گیا ہے اسی طرح مرد کو بھی حسن کا مالک بنایا گیا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ جہاں حسن ہوگا وہاں عشق بھی ضرور ہوگا اگر عشق نہ ہو تو حسن کی قیمت دو کوڑی کی بھی نہیں عشق تو اصل میں حسن کا پروپگنڈسٹ ہے اگر جناب عشق نہ ہوں تو حسن کا پروپگنڈا نہیں ہو سکتا لیکن اس سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ اگر یہ رسم بد جاری ہو گئی تو عورتوں کی بہت حق تلفی ہوگی اور حامیان صنف نازک کو بڑی شکست ہوگی، میں ابھی عورتوں کی حمایت میں اسلام کا نظریہ پیش کر چکا ہوں

کیا آپ ایک ہی مجلس میں یہ توقع کرتے ہیں کہ میں عورتوں کی حق تلفی کی تائید کروں۔

بھائی! اگر مرد میں حسن بھی ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مرد کو ہر حیثیت سے عورت سمجھ لیا جائے اور عورت کے حسن کو جو حقوق حاصل ہیں وہ مردانے حسن کو دیدئے جائیں یہ ایران کے بدمذاق لوگ یا اُن کے ہندوستانی متبعین تو کر سکتے ہیں لیکن کوئی ذی ہوش اور صحیح المذاق انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اگر فطری حسن و عشق کسی وقت حد سے تجاوز بھی کریں گے اور خدانخواستہ محبت کا غلط استعمال کرنے پر آمادہ بھی ہو جائیں گے تب بھی اپنی ملک کو مشتبہ کر دینے کے مجرم ہوں گے لیکن یہاں تو ملک کو تباہ کر دینے اور برباد کر دینے کے جرم کا ارتکاب ہوتا ہے، ایک شخص اپنا مال کسی غیر مستحق کو دیدے تو یہ فعل بھی قابل ملامت ہے لیکن اس کے مقابلے میں وہ شخص انتہائی احمق اور مسرف ہے جو اپنے مال کو دریا میں ڈالدے، ایک شخص اپنا غلہ کسی ایسی زمین میں بو دے جو اس کی مالک نہ ہو تو یقیناً وہ احمق قابل تعزیر ہے لیکن ایک ایسا شخص جو اپنے غلہ اور بیج کو کسی مزبلہ اور ڈلاؤ میں پھینکدے اور نجاست کے ڈھیر میں ڈالدے تو اس سے بڑھ کر کون مسرف اور جاہل ہو سکتا ہے، ان ہی جیسے بدمذاق لوگوں کے حق میں حضرت حق نے فرمایا ہے انکم لتاتون الرجال شہوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔

سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

غالباً میری اس تقریر سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا ہوگا شاید آپ تو وہاں تک پہنچے بھی نہ ہوں گے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا اُس سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ لواطت زنا سے بہت زیادہ مذموم اور قابل نفرت

فعل ہے۔ لواطت مرد سے ہو یا عورت سے، عورت کوئی غیر ہو یا اپنی بیوی ہو۔ اہل سنت کے نزدیک اس کی تمام صورتیں حرام ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے وہ حد مقرر نہیں کی جو زنا کی حد ہے بلکہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ امام صاحب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لواطت کنندہ کو کسی سزا کا مستحق نہیں سمجھتے جیسا کہ اُن کے خلاف پروپگنڈا کرنیوالے ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں تو ایک بدقسمت گروہ نے اپنا یہ وظیفہ مقرر کر لیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف غلط اور بیہودہ باتیں مشہور کی جائیں اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ہم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مبرا عن الخطا نہیں مانتے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کی فقہ کو غلط الزام لگا کر بدنام کیا جائے اور عوام میں غلط فہمی پھیلائی جائے یا عوام کو سیدنا امام ابو حنیفہ رح سے بدظن کرنے کی کوشش کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت کے ذکر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ پچھلی امت پہلی امت پر لعنت کرے گی۔ اس کی ابتدا تو روافض اور خوارج سے ہوئی لیکن آہستہ آہستہ ہر نوزائیدہ جماعت نے اس فعل قبیح کو اپنے لئے طغرائے امتیاز قرار دے لیا کہ متقدمین کی توہین و تذلیل کی جائے اور اُن کی آبروریزی سے اپنا رسوخ بڑھایا جائے۔

مخالفین کے اشتہارات

چنانچہ میں نے بعض اشتہارات میں دیکھا کہ فقہ کے بعض مسائل کو نہایت ہی بدنما صورت میں پیش کیا گیا ہے اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ معاذ اللہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص کی جائے۔ مثلاً فقہ حنفی میں یہ لکھا ہے کہ انگلی پر [illegible] کی کمال پہنچا [illegible]

جائز ہے یا محرمات ابدی سے نکاح کرکے وطی کرنے پر حد زنا نہیں یا لواطت پر کوئی حد نہیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ مسلمان فقہ حنفی سے نفرت کرنے لگیں، کبھی بات صحیح ہوتی ہے لیکن انداز بیان ایسا ذلیل ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ لوگ اس سے متأثر ہو جاتے ہیں۔ یہی انگلی کی نجاست کا قصہ ہے لوگ اس کو پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مقلد نجاست چاٹنے کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ معاملہ یہ نہیں ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک نجاست حقیقی مثلاً پاخانہ، پیشاب وغیرہ کو ہر مائع اور بہنے والی چیز سے اگر زائل کر دیا جائے تو جس چیز پر نجاست لگی ہو وہ چیز پاک ہو جائے گی۔ فرض کیجئے آپ کے کپڑے پر پاخانہ لگا ہوا ہے اگر آپ اس پاخانہ کو عرق گلاب سے دھو ڈالیں اور آپ کے کپڑے پر سے نجاست دور ہو جائے تو آپ کا کپڑا پاک ہو جائے گا، گویا نجاست حقیقی کو دور کرنے کیلئے حنفیہ کے نزدیک پانی کی شرط نہیں ہے پانی ہو یا کوئی اور بہنے والی پاک چیز ہو جو نجاست کو زائل کر سکتی ہو وہ کافی ہے ہر بہنے والی چیز میں انسان کا تھوک بھی ہے اگر کوئی تھوک جمع کرلے اور اس سے کسی کپڑے کو دھوئے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی عورت کا بچہ سینے پر پڑا ہوا دودھ پی رہا ہو اور وہ عورت کی چھاتی پر دودھ ڈال دے اور پھر وہ بچہ اپنی ہی قے کو چھاتی پر سے چوس لے تو چھاتی عورت کی پاک ہو جائے گی۔ کیونکہ قے میں دودھ ڈالا تھا وہ ناپاک تھا اور بچہ نے اس کو چھاتی چوستے چوستے چوس لیا اور عورت کی پستان پر سے وہ نجاست زائل ہو گئی تو عورت کی چھاتی پاک ہو گئی، اب فرض کیجئے کسی کی انگلی پر نجاست لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی اس ناپاک انگلی کو چوس لیا تو قطع نظر اس کے کہ یہ نجاست کا چوسنا کیسا تھا انگلی کا حکم یہ ہے کہ وہ پاک ہو گئی باقی نجاست کا چاٹنا تو ظاہر ہے کہ یہ فعل حرام ہے،

گناہ ہے، حنفیہ نے یہ کب کہا ہے کہ تم نجاست چاٹا کرو۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ نجاست کا چاٹنا حرام ہے لیکن اگر کوئی یہ حرام فعل کرے تو انگلی کا کیا حکم ہے وہ انگلی کی پاکی و ناپاکی کو بتلاتے ہیں۔ اور یہ پروپگنڈا کرنیوالے کہتے ہیں کہ حنفیہ کی فقہ میں لکھا ہے کہ پاخانہ چاٹ لو۔ اسی طرح کتے کا قصہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بجز خنزیر کے کوئی دوسرا جانور نجس العین نہیں اور جو جانور نجس العین نہیں ہیں اُن کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے اگر مری ہوئی بکری کی کھال دباغت سے پاک ہوسکتی ہے تو کتے کی کھال پر کیا اعتراض ہے۔ اگر اعتراض کرنا ہے تو یہ کرو کہ امام ابو حنیفہ کتے کو سور کی طرح نجس العین کیوں نہیں کہتے اصل مسئلہ پیش نکرنا اور تخریجی مسائل کی بھونڈے طور پر تشہیر کرنا ایک ایسا مذموم فعل ہے کہ خواص تو خواص عوام بھی اسے قابل نفرت سمجھتے ہیں بالکل ایسی ہی شکل محرمات کے نکاح اور لواطت کی ہے حنفیہ یہ نہیں کہتے کہ ایسے نالائقوں کو سزا نہ دیجائے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ زنا کی حد جاری نہیں ہوگی، زنا کی حد کے علاوہ جو سخت سے سخت سزا دیجاسکتی ہو وہ دو لیکن وہ سزا نہ دو جو زانی کو دیجاتی ہے اسلئے کہ لواطت زنا نہیں ہے خواہ نکاح کتنا ہی ناجائز کیوں نہ ہو لیکن زنا اور اسکی سزا سے بچانے کے لئے نکاح کا نام کافی ہے۔ اور حدود میں معمولی سے معمولی شبہ کا فائدہ بھی ملزم کو دینا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول رہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہ کی بنا پر حدود کو چھوڑ دیا کرو۔ اور حد جاری نکیا کرو تمام دنیا کے قوانین کا یہ دستور ہے کہ سو گناہگاروں کا بری ہوجانا اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا ایک بیگناہ کا سزایاب ہوجانا، لواطت زنا سے زیادہ مذموم ہی لیکن بہرحال وہ زنا نہیں جب زنا کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی تو زنا کی حد کیوں جاری کی جائے خواہ کوئی سزا زنا کی سزا سے زیادہ دی جائے لیکن

فقہ حنفیہ کی رُو سے زنا کی حد جاری نہیں ہو سکتی۔

شعراکی موشگافیاں

بہرحال اس حسن مجازی اور عشق مجازی کے سلسلے میں شعرا کا تذکرہ بھی آ گیا تھا۔ جس طرح حسن و عشق میں تلازم ہے اسی طرح اس بحث میں شاعروں کا تذکرہ بھی ضروری ہے کیونکہ اصل میں یہی لوگ حسن کے چمکانے والے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو دنیا کا نصف جھوٹ ختم ہو جائے یہ اصل میں فرضی قصوں اور جھوٹی داستانوں کے موجد ہیں، خدا جانے قدرت نے ان کو کیسا دماغ عطا فرمایا ہے۔ اتنی دور کی بات کہتے ہیں کہ انسان سر دھنتا رہ جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ جتنا زیادہ جھوٹا شاعر ہوگا اتنا ہی مقبول ہوگا۔

اکذبھم احسنھم، شاعر کا سب سے زیادہ کمال یہ ہے کہ سب سے زیادہ جھوٹا اور کذاب ہو حضرت حق جل مجدہٗ فرماتے ہیں وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اور شعرا کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں۔ جو ہدایت کی روشنی سے محروم ہیں۔ شعرا کی حالت یہ ہے کہ یہ تخیلات کی وادیوں میں سراسیمہ دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور یہ لوگ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں، عام شاعروں کی حالت کا ذکر کرنے کے بعد اُن میں سے ان شاعروں کو مستثنیٰ کر دیا جو اسلام کی خدمت کرتے ہیں اور اپنی شاعری میں مسلمانوں کی شجاعت اور کافروں کی بزدلی کا بیان کرتے ہیں۔ بہرحال ان شعرا نے حسن کی جو خدمات انجام دی ہیں اور عشق کو جس قدر مشہور کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں لیکن اس راہ میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ اگر ان کے معشوق کی ان کے بتائے ہوئے لغت کے موافق تصویر بنائی جائے تو اس کو دیکھ کر انسان ڈر جائے مثلاً آپ ایک ایسا انسان بنائیں جس کی گردن مور سے بھی لمبی ہو اور اس کی آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے بڑی ہوں۔ منہ اس کا ندارد ہو۔ کمر یا تو بالکل نہ ہو اور اگر ہو بھی

تو بال سے زیادہ باریک ہو، ناک کتارے جیسی لمبی ہو۔ کتارا جانتے ہو؟ املی کے درخت کا پھل جو خام ہو اسے دہلی میں کتارا کہتے ہیں۔ انگلیاں ایسی باریک ہوں جیسے جھاڑو کے تنکے، اب آپ ہی فرمایئے اس تصویر سے کوئی شخص دلچسپی کا اظہار کرے گا یا ڈر کر بھاگے گا۔

عُرفی کا معشوق

عرفی فارسی کے اُن شاعروں میں سے ہیں کہ جس زمانہ میں فارسی کا رواج تھا۔ اس زمانہ میں بھی اس کے قصائد کو سمجھنے اور سمجھ کر پڑھانے والوں کی تعداد اُنگلیوں پر شمار ہوتی تھی اور اب تو فارسی کا دور ہی ختم ہو گیا۔ اور اس طرح ختم ہوا کہ لوگ فارسی کو مردہ زبان سمجھنے لگے ہمارے ہاں دہلی میں بعض کایستھ فارسی پڑھانے میں مشہور تھے۔ کناری بازار میں ایک صرّاف تھا جس سے اکثر مسلمان بھی فارسی پڑھنے جایا کرتے تھے، خدا جانے اب زندہ ہے یا مر گیا، میں نے اپنے بچپنے میں دیکھا تھا اسوقت بھی خاصا ادھیڑ تھا وہ عرفی کے قصائد خوب پڑھاتا تھا۔

فیضی اور ابوالفضل

فیضی اور ابوالفضل کے تذکروں میں بھی عرفی کا ذکر آتا ہے، میں نے کسی کتاب میں تو دیکھا نہیں، لیکن بعض اساتذہ سے سُنا ہے کہ فیضی اور ابوالفضل کسی شاعر کو اکبر کے دربار میں جمنے نہ دیتے تھے۔ فیضی کے حافظہ کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی شاعر نے دربار میں قصیدہ پڑھا اور اس کو ایک مرتبہ سننے میں وہ قصیدہ حفظ ہو گیا اس نے فوراً اکبر سے عرض کی حضور یہ قصیدہ تو میرا ہے۔ اگر جہاں پناہ حکم دیں تو میں پڑھکر سُنا دوں، فیضی کے لڑکے کی یہ حالت تھی کہ وہ دو دفعہ سنکر یاد کر لیا کرتا تھا، فیضی کسی قصیدہ کو سُنا کر کہا کرتے تھے کہ اگر حضور حکم دیں تو غلامزادہ بھی اس قصیدے کو سنا دے۔ فیضی کے غلام کی یہ حالت تھی کہ وہ تین مرتبہ کسی قصیدہ کو

سُن کر اُس کا حافظ ہو جاتا تھا چنانچہ جب فیضی کے صاحبزادے اس قصیدے کو سُنا دیتے تھے تو اکبر کی خدمت میں عرض کیا جاتا۔ خانہ زاد کا غلام بھی اس قصیدہ کو سُنا سکتا ہے۔ اکبر کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ قصیدہ فیضی کا ہے۔ وہ شاعر جس کا قصیدہ ہوتا تھا انعام سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ عرفی جب اکبر کے دربار میں حاضر ہوا تو اس کو فیضی کی اس ترکیب کا علم ہو چکا تھا چنانچہ عرفی کو جب اجازت ملی تو اس نے اپنا قصیدہ سُنانا شروع کیا اور جب نصف کے قریب پہونچا تو خاموش ہو گیا۔ اکبر نے حکم دیا کہ آگے بھی پڑھو عرفی نے عرض کیا۔ جہاں پناہ! آگے فیضی سے سُن لیجئے کیونکہ پورا قصیدہ ختم ہو جانے کے بعد یہ اس کو اپنا کہیں گے اس لئے بہتر ہے کہ ان سے پہلے ہی سن لیا جائے فیضی اس کارروائی سے بہت گھبرائے اور عرفی کامیاب ہو گیا۔ چونکہ فیضی اور ابو الفضل بہت کامیاب وزیر تھے اسلئے اگرچہ عرفی کا تقرر ہو گیا لیکن ہمیشہ ان سے کچھ نہ کچھ نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ عرفی کی عمر نے وفا نہ کی وہ بیمار ہوا اور مر گیا۔

فیضی اور ابو الفضل کا ایک اور واقعہ

اس کی بیماری میں ان دونوں بھائیوں کو یہ خیال ہوا کہ عرفی کی عیادت کو چلیں چنانچہ یہ دونوں عرفی کے مکان پر پہنچے اور بدقسمتی سے ایسے وقت پہنچے جب عرفی اپنی زندگی کے آخری سانس پورے کر رہا تھا۔ جب یہ پہنچے تو انہوں نے اس سے دریافت کیا ماکیانیم؟ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کون ہیں۔ عام طریقہ سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کسی مریض کے پاس جاتے ہیں تو بجائے استغفار اور کلمہ پڑھنے کے اس کو اطمینان دلاتے ہیں کہ تم اچھے ہو جاؤ گے کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے اور اگر حالت نزع میں کسی کے سرہانے جا پہنچیں تو یہ دریافت

کیا کرتے ہیں، مجھکو پہچانا، میں کون ہوں، اگرچہ عوام کی یہ حالت ہے لیکن بعض دفعہ خواص بھی ایسی ہی باتیں کر بیٹھتے ہیں چنانچہ فیضی اور ابوالفضل نے بھی عرفی سے یہی کہا کہ ہم کون ہیں چونکہ فارسی میں ماکیانیم کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم کون ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم مرغیاں ہیں، ماکیان مرغی کو بھی کہتے ہیں چونکہ ان کے منہ سے ایک ذومعنی فقرہ نکلا تھا اسلئے عرفی نے نزع کی حالت میں بھی اس فقرہ کو نظر انداز نہ کیا۔ اور ایسا جواب دیگیا کہ فیضی اور ابوالفضل نے ہمیشہ یاد رکھا ہوگا اس نے اسی حالت میں کہا مُرغِ روحِ من در پرواز است، حاجت ماکیان ندارد۔ یعنی میری رُوح کا مرغ اس وقت اُڑ رہا ہے اس کو مرغیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ عرفی نے نزع کی حالت میں یہ فقرہ چست کیا اور اُن کی طرف سے منہ موڑ کر ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کرلی۔ واقعہ خدا جانے کہاں تک صحیح ہے لیکن اگر صحیح ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی جودت طبع اور اسکی حاضر جوابی کا ایک روشن کارنامہ ہے جس سے اُس کی طبیعت کا انداز معلوم ہوتا ہے۔

عرفی کی شاعری

بہرحال یہ تو ایک بات لطیفہ کے طور پر میں نے عرض کی ورنہ میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ ان ایشیائی شاعروں نے اپنے معشوق کی ایسی مٹی پلید کی ہے کہ وہ معشوق تو کیا رہا اس کو ایک خوفناک اور ڈراونی چیز بنادیا ہے کسی معشوق کے منہ کا چھوٹا ہونا کمر کا پتلا ہونا گردن کا لمبا ہونا آنکھوں کا بڑا ہونا یہ سب چیزیں معشوقیت اور محبوبیت کے لئے اچھی ہیں لیکن نہ اس طرح کہ سچ مچ موسے بلکہ گردن بنادی جائے کمر کو اور منہ کو غائب کردیا جائے بھلا وہ معشوق کیا ہوگا ایک ہوا ہوگا لیکن ان فارسی شعرا کو کیا کہا جائے جنہوں نے ایسی مبالغہ آمیزی میں کمال پیدا کیا تھا اور جنہوں نے

کذب ساذج یعنی خالص جھوٹ کو اپنے کلام کی زینت و رونق کا معیار قرار دیا تھا۔ جب کسی انسان کا نظریہ ہی غلط ہو تو اس سے کسی صحیح بات کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

موجودہ دور کی شاعری

اسی لئے موجودہ دور کے روشن خیال شعرا نے اس دہن و کمر کے قصوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا اور موجودہ زمانہ کے مذاق کا لحاظ کرتے ہوئے شاعری یا فن شعر گوئی کو نئی بنیادوں پر استوار کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ متقدمین کا کلام ان باتوں سے خالی تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے کلام میں ذرا تلاش کر کے کوئی شعر ایسا نکالنا پڑتا ہے جو موجودہ حالت پر چسپاں کیا جا سکے اور آجکل کے مشہور شعرا چونکہ اسی دور کی پیدائش ہیں اس لئے انہوں نے جو کہا ہے وہ اپنے ماحول سے متاثر ہو کر کہا ہے۔ اس لئے ان کا شعر موجودہ دور کی ایک مکمل تصویر ہوتا ہے، آپ چاہیں کہ عرفی اور نظیری کے کلام میں اقبال نظر آ جائے یا سودا اور میر کے کلام میں حالی اور اکبر الہ آبادی کی تصویر نظر آنے لگے تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی امرؤ القیس اور معدیکرب زبیدی کی شاعری میں نماز اور روزے کی تعریف تلاش کرنے لگے۔ ہر دور اپنے ساتھ ایسی خصوصیات رکھتا ہے جو اس کے لئے مخصوص ہوا کرتی ہیں زمانہ جب کوئی انقلابی کروٹ بدلتا ہے تو اپنے ساتھ ہر ضرورت کا نیا سامان لے کر آتا ہے۔

بہر حال میں اس بے کار بحث میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا ذرا عرفی صاحب کے معشوق کے دہن اور کمر کو خوردبین لگا کر دیکھ لیجئے، اگر کچھ نظر آ جائے تو خیر ورنہ کم از کم اس کے تخیل کی بلند پروازی پر اس کو داد تو دے دیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے ؎

اے آنکہ جزو لایتجزیٰ دہانِ تو + طوطے کہ ہیچ عرض ندارد میانِ تو
کردی بہ نطق نقطۂ موہوم را دو نیم — اے ناسخ کلام حکیماں بیان تو

بلا خط کیجیے ، منہ کے چھوٹے ہونے کی بھی کوئی انتہا ہے اور کمر کے خط مستقیم ہونے کا بھی کوئی ٹھکانا ہے ۔ ایسے معشوق کو کوئی کیا خاک گلے لگائے اور کیا خاک پیار کرے جو چیز محض وہمی ہو اور خوردبین سے بھی نظر نہ آئے اس کو چھوا کس طرح جائے اور سینے سے کیونکر لگایا جائے ۔ کمر اور دہن نہ ہوئے دق اور سل کے کیڑے یا ملیریا اور انفلوئنزا کے جراثیم ہو گئے جس کو ڈاکٹر ہی دیکھ سکتے ہیں یا صرف شاعر ہی کو نظر آسکتے ہیں باقی تمام دنیا ان کے دیدار سے محروم ہے ۔

کچھ عرفی پر موقوف نہیں بلکہ مبالغہ آمیزی ان شاعروں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے ۔ یہ تو خیر عرفی ہیں وہ آپ کے نظامی اور فردوسی جو رزم کے بادشاہ ہیں وہ کیا ہیں ، ان کی بھی سن لیجیے ۔ نظامی صاحب فرماتے ہیں ؎

زبس گرد بر تارک و ترک زیں — زمیں آسماں آسماں شد زمیں
ز سم ستوراں دراں پہن دشت — زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

بھلا بتائیے خاک اڑانے کی بھی حد کر دی کہ زمین کا ایک پورا طبقہ اڑا کر آسمان بنا دیا ۔

میاں جرأت کی بیکسی

خیر یہ تو ایرانی شعرا کا ذکر تھا ، اردو شاعری جو ہندی بھاشا اور فارسی دونوں کی اولاد ہے بھلا یہ اس مبالغہ آمیزی سے کب بچ سکتی تھی ۔ ابتدا میں جب دونوں کا جوڑ لگا ہے تب تو کچھ اور ہی رنگ تھا ۔ اردو شاعری کی ابتدائی حالت دیکھنی ہو تو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی مکریاں اور دوہے اور پہیلیاں دیکھئے جن سے

آپ کو معلوم ہوگا کہ زبانیں کس طرح آپس میں گلے ملتی ہیں اور دو چیزوں کے ملنے سے کس طرح تیسری چیز پیدا ہوا کرتی ہے۔ جو بچہ خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں پیدا ہوا تھا وہ بڑھا پلا اُس نے آہستہ آہستہ ترقی کی اور آخر ماں کو چھوڑ کر باپ کا ہو گیا۔ اگر آپ ایک ہی وقت میں امیر خسرو کی خالق باری اور ڈاکٹر اقبال کا بال جبریل سامنے رکھکر مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ جو بچہ بھاشا اور فارسی کے اختلاط سے پیدا ہوا تھا وہ عربی اور فارسی کا ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اس کو یہ بھی یاد نہیں کہ میری حقیقی ماں کون تھی۔ بہر حال یہ اُردو کے شاعر چونکہ عام طور سے ایرانی شاعروں کے مرہون منت ہیں اسلئے ان کا معشوق بھی ایرانی معشوق سے ملتا جلتا ہے بلکہ یوں کہئے وہی ہے صرف شلوار اور کلاہ کی بجائے اس کو آڑا پاجامہ اور دو پلڑی ٹوپی اڑھا دی ہے ورنہ ایک ہی چیز ہے۔ اگر کوئی اہل ذوق اتنی تکلیف برداشت کریں کہ اُردو شاعروں کے دیوان پڑھتے وقت دیوان حافظ اور دیوان صائب کو سامنے رکھ لیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل اور نقل کا فرق ہے ورنہ بات ایک ہی ہے جو بجائے فارسی کے اُردو میں کہدی گئی ہے۔ آپ کے خوف سے میں اس کو سرقہ نہیں کہتا بلکہ توارد کہتا ہوں۔ دیکھئے غالب فرماتے ہیں ؎

گیرم کہ وقت ذبح تپیدن گناہ من — وانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

اب ایک اُردو کے شاعر کا توارد ملاحظہ کیجئے ؎

مانا کہ وقت ذبح میں تڑپا بُرا کیا — خنجر کیا نہ تیز یہ کس کا قصور تھا

اور سنئے ایک فارسی شاعر جن کا نام غالباً غنی ہے فرماتے ہیں ؎

بوئے یار من ازیں سست وفا می آید
گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

اب جناب سوداؔ کا توارد ملاحظہ کیجیے ؎

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

گل کی بجائے ساغر رکھدیجیے یا ساغر کی بجائے گل رکھدیجیے اور پھر مرزا رفیع الدین صاحب کو اس توارد کی داد دیجیے

غالباً مخفی کا ایک شعر ہے، لوگوں میں مشہور ہے کہ مخفی زیب النسا کا تخلص تھا بہر حال ارشاد ہوتا ہے اور خوب ارشاد ہوتا ہے ؎

برقع برُخ افگندہ برو ناز بباغش
تانکہت گل بیختہ آید بدماغش،

ایک اردو کے شاعر کو توارد ہوتا ہے اور کیا خوب توارد ہے جس سے سرقہ بھی محجوب ہے ؎

رکھا ہے اُس نے ناک پہ رُومال باغ میں
تا بوئے گل دماغ میں پہنچے چھنی ہوئی

اس قسم کے ہزاروں شعر سنائے جا سکتے ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس وقت اس کا موقع نہیں ہے بہر حال آپ عرفی کے معشوق کو تو ملاحظہ کر چکے اور اس کے دہن اور کمر کی تعریف سُن لی۔

جرأت کا تذکرہ

اب ذرا اپنے اردو کے ایک مشہور شاعر کا جن کی زندگی بڑی پُر لطف تھی معشوق ملاحظہ کر لیجیے۔ یحییٰ امان جو جرأت تخلص کرتے تھے اور ہر وقت قلمدان بغل میں لئے پھرتے تھے جہاں کسی نے اُن کی شان میں کوئی گستاخی کی اور انہوں نے چند شعر اسکی ہجو میں لکھکر دہلی کے لونڈوں کو یاد کرائے۔ گویا جناب جرأت اس زمانہ کے ہجو نویس اخبار کے اڈیٹر

تھے جس سے ناراض ہوئے یا جس نے اُن کا منہ میٹھا نہ کیا اس کے خلاف لکھنا شروع کر دیا اور کالم کے کالم سیاہ کر ڈالے، آج کل کے ان بد تمیز ایڈیٹروں کو تو نثر لکھنے کا سلیقہ بھی نہیں لیکن وہ نظم اتنی اچھی لکھتے تھے کہ جس کی ہجو کیا کرتے تھے وہ بھی مزے لے لیکر پڑھتا تھا۔ ایک زمانے میں مصنوعی اندھے بھی بن گئے تھے لیکن اس تصنع کو زیادہ نہ نبھا سکے۔ اور آخر ایک دن ان کے اندھے ہونے کا بھانڈا پھوٹ گیا، اگرچہ وہ اندھے خاص مصلحت کے ماتحت بنے تھے لیکن آخری عمر میں سچ مچ اندھے ہو گئے۔ اور تیرہویں صدی ہجری میں خدا کو پیارے ہو گئے۔ خیر مجھے تو اس وقت اُن کا ایک شعر سنانا ہے جس سے آپکو یہ معلوم ہو جائے کہ ان اُردو شاعروں نے کیا غضب ڈھایا ہے۔ اُستاد جرأت فرماتے ہیں ؎

صنم سنتے ہیں تیرے بھی کمر ہے — کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے

اب فرمایئے جس معشوق کی کمر ٹٹولنے سے بھی نہ ملے وہ کیا خاک معشوق ہوگا

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

اجی اور تو اور وہ حضرت ملا جامی کی سنئے یہ کمبخت شاعری بھی ایسی ہے کہ اس کے چکر میں پھنسکر مولویت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا علم تصوف اور علوم ظاہری میں جو مرتبہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے ہندوستان تو ہندوستان ہیں سنے مدینہ منورہ کے حرم میں طالب علموں کو ملا جامی کی شرح کافیہ پڑھتے دیکھا ہے، اتنا بڑا عالم اور اتنا بڑا صوفی، لیکن شاعری کا رنگ ملاحظہ کیجئے۔ زلیخا کی تعریف میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

زطرف لوح سیمینش نمودہ — دو نون سرنگوں از مشک سودہ

بزیر آں دو نون طرفہ صادش — نوشتہ کلک صنع اوستادش

زحد نون او تا حلقۂ میم | الف داری کشیدہ بینی از سیم
فزودہ بر الف صفر دہاں را | یکے وہ کردہ آشوب جہاں را

حضرت مولانا کی جدت طبع آپ نے ملاحظہ کی - نون سرنگوں تک بھی خیر تھی لیکن ناک اور منہ کو ملا کر دس کا ہندسہ بنانے کی داد تو دیجیے ، ناک کو الف بنایا بلکہ یوں کہئے ناک کو ایک کا عدد بنایا اور زلیخا کے منہ کو اتنا چھوٹا کیا کہ صفر کر دیا - اب ایک کے عدد کے برابر صفر لگاؤ تو دس ہو گئے - کیا معشوق ہے کہ چہرے پر دس کا ہندسہ لکھے ہوئے بیٹھا ہے -

حسن حقیقی کے تاثرات

محترم حضرات! میں عرض کر رہا تھا کہ انسان عشق مجازی اور حسن فانی کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ مصائب برداشت کرتا ہے اور صدہا ناکامیوں کا بطیب خاطر مقابلہ کرتا ہے اور اُف نہیں کرتا - جب حسن مجازی کی یہ زورا زوری ہے تو بھلا حسن حقیقی کی کارفرمائیوں کا کیا ٹھکانہ ہے حسن مجازی کے تذکرے میں اشعار کا ذکر آ گیا تھا - ورنہ میں تو یہ گذارش کر رہا تھا کہ حضرت حق کے ابتلا و امتحان کے مصالح پر کس کی نظر ہو سکتی ہے اور جن کو حقیقت میں اس ذات سے دلچسپی ہے وہ تو اس کو ہی غنیمت سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے کسی بندے کو آلام و مصائب کے لئے منتخب کر لیا اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ محض حضرت حق کی توجہ کو غنیمت سمجھتے ہوں وہ بھلا شکوہ شکایت کب کر سکتے ہیں - کہیں محبت میں بھی اس قسم کا تصور آ سکتا ہے - میں تو کہا کرتا ہوں ، حقیقی محبت ہے کہاں ؟ صاحبو! الفت میں کلفت کہاں ؟ ہم تو جھوٹے مدعی ہیں ایک طرف مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی کافروں پر مہربان ہیں اُن کو دنیا بہت دیتے ہیں

اور ہم کو دنیا کی دولت سے محروم کر رکھا ہے، گویا آپ کو شکایت بھی اُن سے یہ ہے کہ آپ کو دنیا کیوں نہیں دیتے، سبحان اللہ! کیا محبت ہے اور کیا آپ کا اسلام ہے۔ اسلام ان کا تھا جو قیصر و کسریٰ کی دولت کو دیکھتے تھے اور تین تین وقت کے فاقوں میں خوش رہتے تھے ان کو کبھی یہ تصور بھی نہ ہوتا تھا کہ کافروں کو اس قدر مال کیوں دیا گیا اور مسلمانوں کو مال و دولت سے کیوں محروم رکھا گیا۔

دنیا کی حقیقت میرے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک دنیا کی حقیقت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اگر خدا کے نزدیک دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا تم اللہ سے شکوہ کرنے بھی اُٹھے تو ایسی ذلیل چیز کا جس کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ اللہ سے جنت الفردوس مانگا کرو خدا سے سوال بھی اس کی حیثیت کے موافق کیا کرو اور تمہاری کیفیت اُس فقیر کی سی ہے جو کسی بہت بڑے بادشاہ سے ایک پیسہ مانگنے لگے۔ آج ایک شخص اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان بالقابہ کی خدمت میں شرف باریابی کے بعد اُن سے کہے جناب مجھے ایک پیسہ دیدیجئے تو کیا ان کی توہین نہ ہوگی اس سے بڑھکر آپ خدائے قدوس کی اور کیا توہین کریں گے کہ اس سے مچھر کا پر طلب کریں اور اگر وہ ہماری حسب منشا عطا نہ فرمائیں تو ان کا گلہ کرتے پھریں کہ ہم نے اللہ میاں سے مچھر کا پر مانگا تھا۔ انہوں نے ہم کو تو دیا نہیں اور کافروں کو دیدیا۔ تمہاری شکایت کا تو خلاصہ یہی ہوا کہ ایک ذلیل چیز جو خدا کی نظر میں

کوئی قدر و قیمت نہ رکھتی تھی وہ تم کو نہ ملی اور کافروں کو مل گئی۔

دنیا اور دین کا مقابلہ

بھائی صاحب سن لیجئے ایک طرف دولت ہے موٹریں ہیں۔ باغ ہیں، تخت و تاج ہیں اور ان سب چیزوں کے ساتھ کفر ہے، شرک ہے۔ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے اور دوسری طرف فقر ہے، فاقہ ہے۔ مصیبت ہے مرض ہے مصائب و آلام ہیں اور ان سب چیزوں کے ساتھ ایمان ہے، اسلام ہے۔ خدا کی توحید ہے انبیاء علیہم السلام کا یقین ہے۔ تمہیں ان دونوں باتوں میں سے جو پسند ہو وہ اختیار کر لو۔ جاؤ دنیا لے لو اور کفر بھی لے لو، ہمیں ایسے کمزوروں کی پرواہ نہیں ہے۔ کیوں صاحب! یہ تو بتاؤ کیا دنیا کے حوادثات کا کافروں پر اثر نہیں ہوتا۔ وہ بیمار نہیں ہوتے، وہ مرتے نہیں، ان کے بچے نہیں مرتے۔ اُن کے ہاں فاقہ نہیں ہوتا۔ کیا تمام کافروں کو ہر قسم کا عیش حاصل ہے اور تم کو دنیا میں کوئی آرام نہیں ملتا، تم سب بھوکے مرتے ہو؟ کیا تمہارے ہاں کسی کے پاس موٹر نہیں ہے۔ یہ نواب صاحب تشریف رکھتے ہیں، ان کے ہاں کتنے موٹر ہیں۔ ناگپور میں مسلمانوں کی مالی حالت کیا ہے، کیا یہاں کے تمام مسلمان فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں کوئی بھی عیش کی زندگی بسر نہیں کرتا۔ اور اگر یہ نہیں بلکہ تمام ہندوستان کی مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان بھی اپنی تعداد کے موافق دولتمند ہیں تو پھر خدا کا شکوہ کیوں کرتے ہو۔

اسلام بہترین نعمت ہے

خدا کی قسم اگر مسلمانوں کو سوائے اسلام کے کچھ بھی نہ دیتے اور کافروں کو کفر کے ساتھ سب کچھ دیدیتے تب بھی تم نفع میں تھے۔ اور بہت کچھ نفع میں تھے۔ لیکن حضرت حق نے تمہارے ایمانوں کو کمزور سمجھکر تم کو بھی دنیا دیدی وہ جانتے ہیں کہ یہ نالائق

کھاتے پیتے میرا شکوہ کرتے ہیں۔ اگر کچھ نہ دوں گا تو بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ آپ تو یہ کہتے ہیں کہ کافروں کو بہت کچھ دیدیا اور میں کہتا ہوں آپ کی وجہ سے ان کو جو کچھ دینا چاہتے تھے وہ نہیں دیا۔ آپ کو شکوہ ہے کہ کافروں کو زیادہ مل گیا اور اصل میں واقعہ یہ ہے کہ آپ نے ان کو دینے نہ دیا۔ کاش اگر آپ کو ان کافروں کا انجام معلوم ہوتا تو آپ خدا سے یہ دعا کرتے کہ الٰہی جو کچھ تو نے ہم کو دیا ہے وہ بھی انہی کو دیدے تم یہاں کی راحت و مصیبت کو دیکھتے ہو لیکن تم کو معلوم نہیں کہ دنیا کا پانچسو سالہ آرام و عیش ایک دفعہ دوزخ کو دیکھ لینے کے بعد یاد بھی نہیں رہے گا اور یہاں اگر کسی کو پانچسو سال تک مصائب و آلام میں مبتلا رہنے کا اتفاق ہوا اور اس کو قیامت میں ایک دفعہ جنت کے دروازے پر لیجا کر دریافت کیا جائے کہ تو نے دنیا میں کوئی مصیبت برداشت کی تھی تو وہ عرض کرے گا الٰہی میں نے کبھی کسی مصیبت کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ یہ حباب کی دنیا کے آلام اور یہاں کے مصائب کی حقیقت ہے جس کے خلاف آپنے شور برپا کر رکھا ہے میرے نزدیک تو دنیا کے معاملہ میں کافروں کی حالت قابل رحم ہے۔ ان کمبختوں کو جو کچھ ملا ہے وہ ان کے استحقاق سے بہت کم ہے۔ آپ کو تعجب تو ہوگا لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ وہی ہے جو حضرت حق نے ارشاد فرمایا ہے۔

کافرونکو دنیا بہت کم دیگئی	ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتھم سقفا

من فضۃ و معارج علیہا یظھرون و لبیوتھم ابوابا و سررا علیہا یتکئون وزخرفا و ان کل ذلک لما متاع الحیوۃ الدنیا والآخرۃ عند ربک للمتقین

فرماتے ہیں اگر مجکو یہ خطرہ نہ ہوتا کہ ضعیف الاعتقاد لوگ کفر کی طرف مائل ہو جائیں گے تو میں اپنے منکروں کو ایسے مکان دیتا جن کی چھتیں چاندی کی ہوتیں اور ان کو بڑے بڑے دروازوں کے مکان دیتا۔ چاندی کی سیڑھیاں اور تخت اور سونے کے تکیے عطا کرتا۔ اگرچہ یہ سب کچھ دنیا ہی میں ہوتا اور آخرت کا عیش جو متقیوں ہی کے لئے ہے اس سے یہ محروم ہیں جناب کی تو یہ خواہش ہے کہ کافروں کو کہیں بھی کچھ نہ ملے۔ آخرت تو آپ کے باپ دادا کی ہے ہی دنیا میں بھی ان کو کچھ نہ لینے دو وہ بیچارے آخرت سے تو محروم ہیں ہی۔ دنیا میں بھی ان کو محروم کردو۔ بھائی آخر وہ بھی تو خدا کی مخلوق ہیں کہیں تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک ہونے دو۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

اس پر حضرت شاہ صاحب نے جو تنبیہ لکھا ہے وہ عجیب وغریب ہے چند سطروں میں حضرت شاہ صاحب نے اپنی الہامی شان دکھائی ہے فرماتے ہیں یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا ہے کہیں تو اسکو آرام دے آخرت میں تو عذاب ہے دنیا ہی میں آرام ملتا مگر ایسا ہو تو سب وہی کفر پکڑلیں۔ دیکھا شاہ صاحب کا کمال کیا مختصر خلاصہ کیا ہے کہ اگر ہر قسم کی نعمتیں کافر کو ملتیں تو لوگ کافر ہی ہو جاتے اس لئے اُن کو اُن کے لائق آرام نہیں دیا گیا حضرت حق کم دینے کی معذرت کر رہے ہیں اور تم یہ گلہ کر رہے ہو کہ اُن کو ضرورت سے زیادہ دیدیا گیا۔ بھائی میں نے تو قرآن کی آیت سنادی، اب تم اللہ میاں سے خود فیصلہ کرو۔ مجھے تو اُن سے کوئی شکوہ نہیں ہے تم کو اُن سے قدم قدم پر شکایت ہے تم جانو اور وہ جانیں میں تو اسی احسان میں دبا جاتا ہوں کہ انہوں نے مجکو اسلام جیسی

نعمت سے نوازا ہے اگر ان کا کرم نہ ہوتا تو خدا جانے میں کفر و شرک کی کونسی وادی میں ذلت و خواری کی زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ ومن یشرک باللہ فکأنما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق۔ مشرک کی ذلت و خواری کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو آسمان پر سے پھینکدیا گیا اور اس کو جانوروں نے اُچک لیا یا ہوا کے جھونکوں نے اُسے کسی دور و دراز وادی میں جا پھینکا

مشرک کی تشبیہ

مشرک کی ذلت و خواری کی ان دو تشبیہوں کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور جو کوئی شریک کرے اسکی مثال فرمائی اسواسطے کہ جسکی نیت ایک اللہ پر ہے وہ قائم ہے اور جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اس کو راہوں سے اُچک لے گئے یا سب سے منکر ہو کر دہریہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کی قبر کو اپنے نور سے بھر دے تشبیہ کی کیا خوب توجیہ فرمائی ہے اور کس خوبی کے ساتھ ان دونوں گروہوں کی تقسیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ سبحان اللہ علم بھی کیا چیز ہے مگر افسوس کہ یہ سب خزانے قبروں میں دفن ہیں یا کتابوں میں پوشیدہ ہیں جن کے مطالعہ کی نہ ہم کو فرصت ہے اور نہ اتنی قابلیت ہے کہ اُن کے علمی نکات کو سمجھ سکیں۔

خیر بھائی میں تو اس احسان میں دبا جاتا ہوں کہ انہوں نے اپنے کرم سے مجھے مسلمان بنایا اور محمدی مسلمان بنایا اگر وہ مسلمان نہ بناتے تو خدا جانے کفر کی کونسی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا۔ مجھے تو ان سے کوئی گلہ نہیں آپ کو ان سے گلہ رہتا ہے تو آپ جانیں اور وہ جانیں۔

احسانات خداوندی کا لاانتہا سلسلہ

ارے بھلے آدمیو! دنیا کا تو گلہ کرتے ہو لیکن دین کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کرتے اگر میاں کا کرم نہ ہوتا تو آج تم بھی مورتیوں کے سامنے اور درختوں کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھے ہوتے۔ کیا کسی بھلے کام کی توفیق عطا کر دینا اور بُری راہ سے بچا کر بھلی راہ پر لگا دینا یہ ان کا احسان نہیں ہے ایک وہ ہیں جو بھلا کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نا کام رہتے ہیں اور ایک وہ ہیں جن کو توفیق عطا فرماتے ہیں اور اُن سے اپنا کام لیتے ہیں۔

ایک رئیس کا واقعہ

حضرات! ایک نئے فیشن کے رئیس تھے ایکدن اپنے ملازم سے فرمانے لگے کل صبح چار بجے ہمارے کپڑے لیکر حمام جانا ہم کو غسل کرنا ہے۔ بھلا یہ اپنے کپڑے خود کس طرح لیجا سکتے تھے کیونکہ یہ فیشن کے خلاف ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا چار پیسے کا سودا خریدیں اور پانچ پیسے کا قلی کریں۔ اللہ اللہ! گویا اپنا سامان اٹھا کر لانا بھی آجکل کی تہذیب کے خلاف ہے۔ اوّل تو ان کے پاس کپڑا نہیں ہوتا جیسے پاس دیکھئے ایک چار انگل کا رُومال ہے۔ بھلا اس میں کیا باندھا جا سکتا ہے آدھ سیر امرود اس میں باندھئے تو دو ایکطرف سے نکل جائیں اور دو دوسری طرف سے نکل جائیں پہلے بڑے بوڑھے جب گھر سے نکلتے تھے تو چادر بغل میں مار لیتے تھے اور کوئی پوچھتا تھا تو کہتے تھے بھائی موت زندگی کا کیا بھروسہ ہے کہیں مر جائیں تو اس میں لپیٹ کر دفن تو کئے جا سکتے ہیں۔ آجکل وہ چادر کہاں، ہاتھ میں لکڑی کہاں، ایک چھوٹا سا رومال ہے اس میں باندھیں بھی کیا، پھر اس کمبخت کے رکھنے کی جگہ بھی متعین نہیں۔ کبھی وہ پتلون کی جیب میں رہتا تھا پھر کولر میں ٹھونسا جانے لگا۔ اب اس کا گھونسلہ کچھ دنوں سے آستین

میں بنالیا گیا ہے۔ بھلا اس تلون فراجی کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے کہ ایک چھوٹے سے رومال کے متعلق یہ طے نہیں کرسکے کہ اس کو کہاں اُڑسا جائے اور اس کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب کیلئے تبدیلی کا مطالبہ۔ چار آنے کے آم لیکر بازار سے گذرنا خلاف تہذیب۔ چار آنے کے آموں کے لئے بھی قلی کی ضرورت ہے اور آپ تو بازار سے نہ صرف اپنا سودا خود لایا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا سامان بھی اپنے کندھے پر رکھکر اس کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے فرمایا تھا تحمل الکل وتکسب المعدوم۔

تحمل الکل کی تفسیر

کل کے معنی ہیں تھکا ہوا آدمی۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپ ایسے آدمی کا بوجھ اٹھوا دیا کرتے تھے جو وہ نہیں اٹھا سکتا تھا یعنی اٹھا کر اس کے کندھے یا پیٹھ پر رکھدیا کرتے تھے اور ایک معنی یہ ہیں کہ تھکے ہوئے آدمیوں کا بوجھ اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے۔ سیرت کے واقعات دوسرے ہی معنی کی تائید کرتے ہیں بلکہ اگر آپ کل کے معنی میں تعمیم کریں اور معنی یہ کریں کہ وہ شخص جو اپنی ضروریات کو پورا نہ کرسکے تو اس میں یتیم اور بیوگان اور فقرا بھی داخل ہو جائیں گے اور میری رائے میں یہی معنی مناسب ہیں۔ اسی معنی کی طرف ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں اشارہ بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

میرے بھتیجے کا چہرہ ایسا چمکدار ہے کہ اسکے چہرے اور اس کی ذات کا واسطہ دیکر خدا سے بارش طلب کیجاتی ہے اور میرا بھتیجا یتامیٰ اور بیوگان کا محافظ اور ان کی ضروریات کا کفیل ہے۔

دوسرا فقرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وتکسب المعدوم ہے اس کے بھی بہت سے معنی ہیں جن کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ مگر ایک بات کہدوں شاید یاد رہجائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں اور وہ تعلیم دیتے ہیں جو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس مل ہی نہیں سکتی، آپ کے پاس مکارم اخلاق اور فوائد عامّہ کا وہ خزانہ ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے اس لئے آپ سے لوگ وہ فوائد حاصل کرتے ہیں جو آپ کے علاوہ کسی سے حاصل ہی نہیں کرسکتے۔

بہرحال جناب اُمت میں تو ایسی ہیں جو دوسروں کا بوجھ اُٹھا دیا کرتے تھے اور آپ کی حالت یہ ہے کہ آپ سے اپنا بوجھ بھی نہیں اُٹھتا۔ چار پیسے کے امرود اور پانچ پیسے کے آموں کے لئے آپ کو چھ پیسے کا قلی تلاش کرنا پڑتا ہے،

رئیس کا قصہ

ہاں تو وہ رئیس صاحب نوکر سے کہنے لگے صبح چار بجے حمام چلنا ہے۔ نوکر صبح چار بجے میاں کا جوڑا لیکر ساتھ ہولیا۔ راستے میں اتفاق سے صبح کی اذان ہورہی تھی نوکر نے کہا حضور ذرا یہ کپڑے لے لیجئے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ آقا بولے کہاں جائیگا اُس نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ بُلا رہے ہیں اُن سے مل کر ابھی آتا ہوں۔ آقا نے کہا اللہ تعالیٰ کہاں بُلا رہے ہیں۔ اُس نے کہا سُنئے اذان ہورہی ہے۔ آقا نے کہا یہ تو مُلا اذان دے رہا ہے نوکر نے جواب دیا مُلا کے کیا بیٹا بیٹی کا بیاہ ہو رہا ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس کے لئے بُلا رہا ہے۔ اگر عدالت سے کوئی سمن آتا ہے تو کیا آپ بھی یہ کہدیتے ہیں کہ چپراسی کے بُلانے پر ہم کیوں جائیں آقا جھنجلا کر بولے تو ہر بات میں بحث نکالکر نماز پڑھکر جلدی آ۔ چنانچہ نوکر نماز پڑھنے چلا گیا اُسکو آنے میں تاخیر ہوئی، آقا صاحب مسجد کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ایک ایک نمازی سے دریافت

کر رہے ہیں کیوں صاحب اب مسجد میں کتنے نمازی اور رہیں کسی نے کہا دس ہیں کسی نے کہا پانچ ہیں کسی نے کہا دو ہیں آخر ایک شخص نے کہا جناب مسجد تو خالی ہو گئی صرف ایک آدمی کونے میں بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا ہے یہ سمجھ گئے اب میرا ہی نوکر ہو گا دروازے پر سے چیخنا شروع کیا۔ نکلتا کیوں نہیں تیری نماز ہی ابھی ختم نہیں ہوئی مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جب انہوں نے زیادہ شور مچایا تو اس نے اندر سے جواب دیا۔ صاحب کیا کروں آنے نہیں دیتے۔ آقا کو غصہ تو آ ہی رہا تھا یہ سنکر بولے کون نہیں آنے دیتا۔ اس نے جواب دیا جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتے۔ وہ مجکو باہر نہیں جانے دیتے۔ حضرات اسی فرق کو اللہ میں فرماتے ہیں اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطہر قلوبھم لایحب یہود کے تذکرے میں ارشاد فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کی تطہیر اور پاکیزگی کا ہم نے ارادہ ہی نہیں کیا۔ دیکھا آپ نے۔ اب آپ ہی فرمایئے اس شومئی قسمت کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ اسی پارہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ومن یرد اللہ فتنتہ فلن تملک لہ من اللہ ہم جس کو فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر لیں اس کو تم اللہ کے مقابلہ میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔

لفظ اضلال کی تفسیر

اس آیت سے ایک اور شبہ کا بھی جواب ہو گیا ہو گا۔ وہ جو آپ کو لفظ اضلال میں الجھن ہوا کرتی ہے کہ صاحب جب اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے تو ہم کیا کریں اوّل تو جہاں اس قسم کا لفظ آیا ہے وہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہم نے ان کو گمراہ کر دیا۔ دوسرے یہ کہ گمراہی کا یہ مطلب نہیں کہ رستہ چلتے کو بہکا کر گمراہ کر دیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم رستہ نہیں بتلاتے اسی معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ ہم ایسے نالائقوں کی ہدایت و رہنمائی اور تطہیر کا

ارادہ نہیں کرتے اور اسی سورت میں مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں
ولکن یرید لیطھرکم۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک کردے۔ اب میں دریافت
کرتا ہوں کسی کی تطہیر کا ارادہ کرنا اور اس کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے
پاک کرکے مسلمان بنانا اور برے اعمال سے بچا کر نیک کاموں کی توفیق دینا
کیا یہ اُن کا احسان نہیں ہے۔ کیا یہ آپ کا احسان ہے؟ کسی خدمت کی انجام دہی
تو خدمت لینے والے کا احسان ہے خادم کا کیا احسان ہے

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اسی کو فرماتے ہیں یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم
بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان بعض نو مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
پر اپنے اسلام کا احسان رکھا کرتے تھے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگر یہ نو مسلم ایسا
کریں تو ان سے صاف کہدیجئے کہ تمہارے اسلام کا مجھ پر کوئی احسان نہیں بلکہ
یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی توفیق دیدی اور تم کو مسلمانوں
کی جماعت میں شامل کر دیا۔

اگر آپ کے دل میں ایمان کی قدر ہوتی تو آپ بھی یہی کہتے کہ جس کو ایمان او
اسلام دیدیا اس کو سب کچھ دیدیا اور وہ خیر کثیر کا مالک بنا دیا گیا ومن یؤت
الحکمۃ فقد اُوتی خیرا کثیرا یعنی جس کو ایمان کامل عطا کر دیا گیا
اس کو خیر کثیر دیدی گئی۔ ایمان جیسی نعمت کے بعد پھر خدا سے دنیا کا شکوہ
کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ یہ شکوہ کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجکو سب
کچھ تو دیدیا لیکن مچھر کا پر تو دیا ہی نہیں۔ اس شکوہ میں شاید کوئی تاویل بھی
ہو سکے لیکن ایمان کی دولت ملنے کے بعد دنیا کی قلت کا شکوہ تو ایک ایسا

مذموم فعل ہے جس کی تاویل ہی نہیں ہو سکتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعترافِ عجز

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی احسانات کا تصور کرتے ہوئے اپنی مناجات میں ایک دفعہ عرض کیا اے پروردگار تیرے لاانتہائی احسانات کا شکر میں کس طرح ادا کروں کیونکہ اول تو احسانات کا شمار ہی طاقت سے خارج ہے فرماتے ہیں وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تم شمار کرنا چاہو تو ان کا احصار نہیں کر سکتے۔

ابھی باطنی انعامات کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیجئے ظاہری انعامات کو پہلے دیکھئے فرماتے ہیں وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ تم نے جو کچھ مانگا ہم نے وہ سب تھوڑا تھوڑا تم کو دیدیا۔ یہ تھوڑا تھوڑا میں نے مِن تبعیضیہ کا ترجمہ کیا ہے اور اس ترجمہ سے وہ شبہ زائل ہو جاتا ہے جو بعض تراجم سے لوگوں کو پیدا ہوا کرتا ہے یعنی دیا ماسألتموہ کا بعض اور حقیقت میں یہ مطلب نہیں ہے، اور یہ شبہ بھی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے پیدا ہوتا ہے چونکہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں مِن تبعیضیہ کی رعایت کی ہے اس لئے عبارت ذرا مغلق ہو گئی ہے لیکن شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں یہ بات نہیں ہے اور غالباً اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں سے لفظ بعض کو چھوڑ دیا ہے۔ دیکھئے میں دونوں بھائیوں کے الفاظ آپ کو بتاتا ہوں پھر دیکھوں آپ کتنی اردو جانتے ہیں۔

دیکھئے شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" اور دیا تم کو بعضی ہر چیز سے جو سوال کرتے ہو تم اس کو "

اب ذرا دوسرے بھائی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں۔

"اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی"

اب بتاؤ کیا سمجھے؟ دیکھو دونوں بھائی قرآن کے مفہوم کو ادا کرنا چاہتے ہیں اور ایسا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں جس سے وہ شبہ پیدا نہ ہو جائے جو میں عرض کر رہا ہوں بھائی بحث آیت کے مطالب میں ہے کہ آیت وآتاکم من کل ما سألتموہ کا مطلب کیا ہے۔ کیا جو کچھ مانگا اس میں سے بعض ملا؟ مثلاً دس چیزیں مانگی تھیں ان میں سے آٹھ یا نو تو مل گئیں یا مطلب یہ ہے کہ چیزیں تو دس کی دس مل گئیں لیکن ملیں تھوڑی تھوڑی، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سوال تو سب پورا کر دیا جتنی چیزیں مانگی تھیں تعداد کے اعتبار سے سب دیدیں لیکن بقدر ضرورت تھوڑی تھوڑی دیں۔ یہ مطلب نہیں کہ سب دیدیں اور اب ہمارے خزانے خالی ہیں چودہویں پارے کی ایک اور آیت کا مطلب آپ سمجھ لیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ ارشاد ہوتا ہے وان من شیئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے بھرے ہوئے نہ ہوں لیکن ہم مقررہ انداز سے بقدر ضرورت اُن چیزوں کو نازل کرتے رہتے ہیں۔ بس اس بقدر ضرورت کا خیال رکھئے اور اب آیت زیر بحث کا ترجمہ کیجئے۔ قرآن نے تو چھ سات لفظ بولے اور جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ اب اردو زبان کی بیکسی دیکھئے کہ دس سطر ہو گئے اور میں آپ کو آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا سکا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمال دیکھئے کہ کس قدر مختصر الفاظ میں قرآن کا مفہوم ادا کیا ہے، میں نے آپ کے سامنے جو کچھ کہا حضرت شاہ صاحب نے اس کو ایک لفظ میں ادا کر دیا۔ وہ لفظ آپ بتا سکتے ہیں کون سا ہے۔ دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں "اور دیا تم کو ہر چیز میں سے" [illegible] شاہ صاحب

کو کیا خوب لفظ ملا ہے۔ اجی ملا کیا ہے حضرت حق نے الہام کیا ہے وہ جب اپنے کسی بندے سے کام لینا چاہتے ہیں تو اسی طرح اس کی اعانت کیا کرتے ہیں ظاہر میں اُسے رکھتے ہیں، دنیا یہ سمجھتی ہے کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے اور کرتے وہ خود ہیں اگرچہ رہتے ہیں پردے میں وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار ‏ ‏ اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ کی تفسیر

قرآن و احادیث سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض کام جو بظاہر ہم کرتے ہیں وہ حقیقت میں وہی کرتے ہیں حضرت حق نے اس انتہائی عمیق مسئلہ کو کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران جنگ میں ایک مٹھی خاک کافروں کی طرف پھینکی تھی اور پھینکتے وقت فرمایا تھا شاهت الوجوه اس خاک کا یہ اثر ہوا کہ اس کے ذرے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی یہ واقعہ غزوۂ بدر اور حنین میں پیش آیا ہے بہر حال قرآن سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی پھینکی۔ حضرت حق نے اس واقعہ کو عجیب خوبی سے بیان فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو ہم نے پھینکی تھی۔ سورۂ فتح میں ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ تو اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے۔ مطلب یہ کہ ظاہر میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رہے تھے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے یہ بیعت ہو رہی تھی۔ اس بیعت کی شکل کا اظہار اس طرح کرتے ہیں، یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے یعنی نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اس پر مسلمانوں کا ہاتھ مسلمانوں

کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ جل شانہ کی اطاعت کی۔ بیعت اور اطاعت کی وحدت کا اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی عینیت کا اعتراف نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض جہلاء نے گمان کیا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی فوج نے جن کفار کو قتل کیا تھا۔ ان مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ جن کافروں کو تم نے قتل کیا تھا تو تم نے کہاں قتل کیا وہ تو اللہ نے ان کو قتل کیا تھا یہ امر ہر شخص جانتا ہے کہ مٹی اور خاک کفار کی جانب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھی اور کفار کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ لیکن ان دونوں کاموں کو حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنی طرف منسوب کر لیا اور فرمایا مٹی بھی ہم نے پھینکی اور کفار کو بھی ہم نے قتل کیا۔ ان دونوں آیتوں کا صحیح مطلب سمجھنے سے پہلے آپ ایک حدیث کا مطلب سمجھ لیجئے۔

حدیث من عادیٰ لی ولیا کی تشریح

ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب وما تقرب الیّ عبدی بشئ احب الیّ مما افترضتہ علیہ وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا وان سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ وما ترددت عن شئ انا فاعلہ ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموت وانا اکرہ مساءتہ ولا بد لہ منہ۔

حضرت حق ارشاد فرماتے ہیں جو شخص میرے کسی دوست اور ولی سے عداوت

و دشمنی کرتا ہے تو میں ایسے شخص کو لڑائی کا الٹی میٹم دیتا ہوں۔ یعنی جو میرے کسی دوست سے جنگ کرتا ہے تو اپنے ولی کی جانب سے میں اس کے مقابلہ پر آجاتا ہوں اور یہ جنگ اسکی مجھ سے ہوتی ہے۔ یہ اعلان جنگ صرف دو ہی گناہوں کے بدلے میں کیا جاتا ہے۔ ایک سود خوار کے متعلق فرماتے ہیں فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ سود خواروں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر تم سود خوری سے باز نہ آؤ گے تو پھر سن لو کہ اللہ اور اس کے رسول سے تمہاری جنگ ہوگی یعنی سود خوروں کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ تمام شریعت محمدیہ پر نظر ڈال جائیے۔ یہ جنگی الٹی میٹم بجز دو باتوں کے اور کہیں نہیں ملیگا۔ ایک سود خور کے لئے دوسرے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے بدلے میں۔ کما صرح صاحب اللمعات والمرقاۃ۔

سود خور اور ایذا رساں میں مناسبت

اب میں جناب سے ایک بات دریافت کرتا ہوں یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جنگ کی دھمکی صرف دو شخصوں کو دیتے ہیں۔ ایک سود خور کو جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی اور دوست کے ایذا رساں کو جیسا کہ بخاری کی حدیث الٰہی میں موجود ہے۔ ان دو قسم کے گنہگاروں کے علاوہ کسی اور شخص کیلئے یہ وعید میری نظر سے نہیں گذری۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں مجرموں میں کیا مناسبت ہے؟ ان دونوں کو ایک سزا کا کیوں مستوجب قرار دیا گیا۔ اگر آپ ذرا سا تامل کرینگے تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ یہ دونوں مجرم ایذا رسانی اور تکلیف دہی میں مشترک ہیں۔ سود خور عام غرباء اور اہل حاجت کو اذیت پہنچاتا ہے اور مزدور کا خون چوستا ہے،

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خوروں کو ایک خون کی نہر میں غوطے کھاتے ہوئے دیکھکر حضرت جبریل سے دریافت کیا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں حضرت جبریل نے بتایا تھا کہ یہ آپ کی اُمت کے سود خور ہیں۔ سود خور چونکہ عام اہل حاجت کو ستاتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں اس لئے جو سزا ان کے لئے مقرر کی گئی ہے اور جو دھمکی ان کو دی گئی تھی وہی ان لوگوں کو دی گئی جو خدا کے مخصوص بندوں کو ایذا پہنچاتے ہیں یا ان کی ایذا رسانی کے سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

سود خور اور ولی کے دشمن میں فرق

سود خور کا تعلق چونکہ عام غربا اور اُمت کے فقرا سے تھا اس لئے سود خور کی جنگ میں اپنے رسول کو بھی شریک کر لیا۔ تاکہ وہ بھی اپنی اُمت کے مساکین اور اہل فقر کی حمایت میں حصہ لیں اور چونکہ ولی کا معاملہ حضرت حق کے مخصوص دوستوں کا معاملہ تھا اور خدا کے دوستوں کو تکلیف پہونچانے والے بالواسطہ حضرت حق کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں اس لئے ان کے مقابلہ کا اعلان بھی تنہا فرمایا فقد اذنته بالحرب یعنی اس جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک نہیں کیا تاکہ دوستوں کی خصوصیت کا اعلان ہو جائے اور یہ ظاہر کر دیا کہ ہمارے ولی کو جو ستائیگا اس کا ہم مقابلہ کریں گے اور چونکہ آگے کے ٹکڑوں میں ولی کی حالت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوست کے اعمال وافعال کے وہی ذمہ دار ہوتے ہیں اس لئے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ جو ہمارے دوست کو ستاتا ہے وہ درحقیقت ہم کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ ہمارا ولی جو کچھ کرتا ہے وہ تو ہمیں کرتے ہیں۔ اس تقریر سے حدیث قدسی کی ترتیب بھی سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اور یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ سود خور کی

لڑائی میں اپنے رسول کو اپنے ساتھ شریک کرنا اس بنا پر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی حمایتی یا مددگار کی ضرورت ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی اُمت کے غرباء اور اہل حاجت کی حمایت کرانی مقصود ہے۔

ولایت اور دوستی کے طریقے حدیث کے دوسرے حصّہ میں اُن اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے حضرت حق کا قرب حاصل ہوتا ہے اور بندہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا دوست اور ولی ہو سکے یا اس کو ولی بنایا جا سکے۔ قرب حاصل کرنے کی دو راہیں اس حدیث میں مذکور ہیں۔ ایک تو فرائض الٰہی کو بجا لانا اور دوسرے نوافل و مستحبّات کو بکثرت ادا کرنا۔ اگرچہ اصل تو اس باب میں امتثال امر ہے لیکن قرب الٰہی کے چونکہ دو درجے ہیں اسلئے امتثال اوامر کو بھی دو حصّوں میں منقسم کر دیا ہے امتثال اوامر میں اجتناب عن المنہیات بھی داخل ہے۔ کیونکہ نہی کے معنی بھی ترک الفعل ہے۔ جب نہی کے معنی ہم ترک الفعل کریں تو پھر امتثال اوامر ہی رہ جاتا ہے۔ قرب کے دو درجے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اُن میں سے ایک فناء الذات ہے اور دوسرا فناء الصفات ہے۔ پہلا درجہ یقیناً دوسرے سے افضل ہے اسلئے اس درجہ کو حاصل کرنے اور اس تک پہنچنے کی راہ کو مقدم فرمایا یعنی اصل تقرب تو اس بندے کو حاصل ہوتا ہے جو فرائض الٰہی کی پوری رعایت کرتا ہے اور فرائض کو انتہائی رعایت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ فرائض کی ادائگی میں چونکہ اختیار کو دخل نہیں اور ان کا بجا لانا ضروری ہے اس لئے ان کی ادائگی طبیعت پر زیادہ شاق ہے۔ البتہ نوافل میں اختیار ہے اس لئے ان کی ادائگی اتنی سخت نہیں ہے۔ اس لئے نوافل کو مؤخر کیا بلکہ اسی کی تفصیل فرمائی کہ جب کوئی بندہ نوافل کی راہ سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور بکثرت نوافل

ادا کرتا رہتا ہے تو میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں۔ اس تقدیر پر اتنا خیال رہے کہ امر کے معنی میں تعمیم ہے یعنی امر وجوب اور استحباب دونوں کو شامل ہے۔

محبت کے اثرات

اور جب کسی بندے کو اس کی عبادت نافلہ کے باعث اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو پھر میں اسکی قوت سامعہ اور باصرہ بنجاتا ہوں۔ میں اسکے ہاتھوں میں بطش کی قوت اور اس کے پاؤں میں چلنے کی طاقت بن کر پنہاں ہو جاتا ہوں یہ بندہ میری ہی قوت سے دیکھتا ہے اور میری ہی وجہ سے سنتا ہے میری ہی قوت سے پکڑتا ہے اور میری ہی طاقت سے چلتا ہے اگر مجھ سے کچھ سوال کرتا ہے تو میں اس کا سوال پورا کر دیتا ہوں اور اگر کسی چیز سے بچنے کیلئے مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اس چیز سے بچا دیتا ہوں۔ اب آپ اس حدیث کی روشنی میں آیت کے معنی پر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حق جل مجدہٗ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے فعل کی ذمہ داری وہ خود لینا چاہتے ہیں چونکہ ان بندوں نے اپنی ذات اس طرح حضرت حق کے حوالے کر دی ہے کہ کوئی فعل بھی بلا اُن کی اجازت یا بدون اُن کی مرضی کے نہیں کرتے اسلئے وہ بھی ان بندوں کے افعال کو اپنی ہی طرف منسوب کر لیتے ہیں اور ان کے افعال و اعمال کو اپنے اعمال و افعال فرماتے ہیں۔ گویا اُن کے مخلص بندوں نے اپنے ارادے کو اس طرح فنا کر دیا ہے کہ کوئی کام بدون حضرت حق کے ارادے اور مشیت کے نہیں کرتے اس مرتبہ کو صوفیا کی اصطلاح میں مرتبہ کہتے ہیں۔ قرآن نے اس مرتبہ کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے ومن یسلم وجہہ للّٰہ اور فرماتے ہیں بلیٰ من اسلم وجہہ للّٰہ۔ سورۂ لقمان میں ارشاد ہے ومن یسلم وجہہ الی اللّٰہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں فرماتے ہیں

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - ان سب آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جملہ قوائے عملیہ اور فعلیہ کو حضرت حق کی رضا مندی اور ان کی مشیت میں فنا کردے - کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اس مرتبہ کو کوئی بندہ پوری طرح طے کر لیتا ہے تو دوسرا ایک اور بلند تر لیا مرتبہ کا وارث بنا دیا جاتا ہے اور اس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مراد کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق اس بندے کی رضا جوئی کرتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جس سے بندہ خوش ہو اور راضی رہے یہ مرتبہ بہت عالی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے بلکہ یوں کہیے کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے - چنانچہ قبلہ کی بحث میں فرماتے ہیں فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ مقرر کر دیا جائے - حضرت حق نے فرمایا ہم آپ کا اور آپ کی امت کا وہی قبلہ مقرر کر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں - اسی طرح سورۂ والضحیٰ میں فرماتے ہیں وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى آپ کا رب آپ کو زمانہ مستقبل میں اتنی نعمتیں دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا یا آپ خوش ہو جائیں گے - یہ ایک مرتبہ ہے جس کو اصطلاح میں مراد کہتے ہیں

ایک حدیث قدسی

اسی ارادے کی بحث میں مجھے ایک اور حدیث قدسی یاد آئی - الفاظ تو اس کے یاد نہیں مگر مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ کوئی ارادہ کرتا ہے تو ہم بھی ایک ارادہ کرتے ہیں اور ہوتا وہی ہے جو ہمارا ارادہ ہوتا ہے اگر وہ بندہ اپنے ارادہ کو ہمارے ارادے کے حوالے کر دیتا ہے تو ہم وہی کر دیتے ہیں جو اس کی خواہش ہوتی ہے اور

اگر وہ اپنی رائے اور اپنے ارادے کو ہمارے سپرد نہیں کرتا تو پھر وہی ہوتا ہے جو ہمارا ارادہ ہوتا ہے۔

ایک اور الٰہی روایت

اسی قسم کی یا اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت میری نظر سے گذری حضرت حق فرماتے ہیں۔

وعزتی وجلالی لا یکون عبد من عبیدی علی ما احب ثم ینتقل الی ما اکرہ الا انتقلت له مما یحب الی ما یکرہ ولا یکون عبد من عبادی علی ما اکرہ ثم ینتقل عنہ الی ما یحب الا انتقلت لہ مما یکرہ الی ما یحب مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جب کوئی بندہ میرے پسندیدہ کاموں کو چھوڑ کر ان کاموں کو اختیار کر لیتا ہے جو مجھے ناپسندیدہ ہیں تو میں بھی اس کو ایسی حالت کی طرف منتقل کر دیتا ہوں جس حالت کو وہ مکروہ سمجھتا ہے اور اس سے گھبراتا ہے اور جب کوئی بندہ میرے بندوں میں سے ان افعال کو ترک کر دیتا ہے جو میری مرضی کے خلاف تھے اور ایسے کام کرنے لگتا ہے جو مجھے پسندیدہ ہیں اور میری مرضی کے موافق ہیں تو میں بھی اس کو اسکی پسندیدہ حالت کی طرف منتقل کر دیتا ہوں اور کوئی بات ایسی نہیں کرتا جس سے وہ گھبراتا ہو اور اس کو پسند نہ کرتا ہو۔

ایک اور مشہور حدیث قدسی

ابو درداء کی ایک اور روایت ہے میں اللہ ہوں، میں ہی تمام بادشاہوں کا مالک ہوں تمام بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔ جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے قلوب ان پر مہربان کر دیتا ہوں اور وہ بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں لیکن اگر میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے قلوب ان پر سخت

کر دیتا ہوں اور وہ اپنی رعایا پر طرح طرح کے مظالم کرتے ہیں پس تم بادشاہوں پر بد دعا کرنے کی بجائے اپنے اعمال کی اصلاح کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے تضرع اور زاری کیا کرو تاکہ میں تمہارے بادشاہوں کے ظلم سے تم کو بچا لوں۔

حضرات! شاید آپ کو معلوم نہیں آپ کا تمام تصوف تسلیم و رضا میں مضمر ہے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کر دینا اپنے آپ کو سونپ دینا اپنے آپ کو مٹا دینا اپنی خواہشات اور اپنے ارادے کو فنا کر دینا اسی کا نام تصوف ہے اور یہی اصل تصوف ہے۔

سوتے وقت کی دعا

آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر آرام کرنے کی غرض سے تشریف لیجاتے تھے تو دائیں کروٹ لیٹ کر کیا پڑھا کرتے تھے اور اپنی امت کو آپ نے کیا ارشاد فرمایا ہے کہ جب بستر پر لیٹا کرو تو کیا پڑھا کرو ارے بھلے آدمیو! تم تو قرآن مجید پر غور ہی نہیں کرتے اصل سیرت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کی زندگی میں مضمر ہے تم حضور کی سیرت کو شہیدی کے مولود اور اکبر بیربل کی سی روایات کی کتابوں میں تلاش کرتے ہو یہی وجہ ہے کہ آج تک تم کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سرکار کون تھے اور وہ دنیا میں کیوں تشریف لائے تھے۔
چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب رات کو بستر پر سونے کیلئے

مر گیا تو فطرت پر مرے گا اور اگر زندہ اُٹھا تو خیر اور بھلائی حاصل کرے گا۔ اب ذرا اس دعا کا ترجمہ بھی سُن لیجئے۔ اے اللہ میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور اپنی ذات کو تیری طرف متوجہ کر لیا اور اپنے معاملات تیرے حوالے کر دیئے اور میں تیری ہی پناہ میں داخل ہو گیا کیونکہ تیرے علاوہ نہ کوئی سہارا اور نہ کوئی نجات کا ٹھکانہ ہے نہیں۔ تجھ سے ڈرتا بھی ہوں اور تجھ سے اُمید بھی رکھتا ہوں یا اللہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی اور اے اللہ میں اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا۔

صاحبو! ان الفاظ کو غور سے سنئے اور ان پر بار بار توجہ کیجئے تاکہ آپ کو اسلام کی روح معلوم ہو جائے جب ان الفاظ کے ساتھ آپ کا دل موافقت کرے تو سمجھ لیجئے کہ آپ اس مرتبے میں داخل ہوئے جس کو مرید کہتے ہیں۔

حدیث قدسی کا مطلب

ہاں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ کثرت نوافل کے باعث ہم سے قریب ہو جاتا ہے تو ہم بھی [illegible] کہ وہ کوئی کام ہماری مرضی کے [illegible] سنتا ہے تو میری اجازت [illegible] چلتا ہے تو میری مرضی [illegible] تو میرے حکم سے جب بندہ کبھی میرے کہنے سے کرتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے بلکہ ہم کرتے ہیں۔

تو چنے نہ تھے۔ خدا خدا کر کے مسلمانوں میں تھوڑی سی تعلیم آئی ہے اور بات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے تو اپنی زندگی نے جواب دیدیا اور قویٰ اس قابل نہ رہے، ایک سمندر ہے جس کو چاہتا ہوں اُٹھا کر بہا دوں مگر افسوس کہ اب ہمّت نہیں ہے ہاں حسرت ضرور ہے ؎

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ دل میں رہ گئیں مر کر
جو مسکن تھا تمنا کا وہ مدفن ہے تمنا کا

آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ سُنا ہوگا اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت خضر نے بعض باتیں ایسی کیں جن پر حضرت موسیٰ معترض ہوئے اور یہ بھی آپ نے سُنا ہوگا کہ تیسرے موقع پر حضرت خضر نے ان کو جواب دیدیا اور ان کا سفر نہ ہو سکا لیکن جب حضرت موسیٰ علیحدہ ہونے لگے تو حضرت خضر نے ان تمام کاموں کی توجیہ بیان کی اور جب توجیہ بیان کر چکے تو آخر میں ایک فقرہ فرمایا۔ وہ فقرہ کیا ہے۔ یہ سنئے آپ سے اب تک جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ ہے **وما فعلته عن امری** اے موسیٰ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنے حکم سے نہیں کیا بلکہ میرے مطلب سے اور حدیث قدسی کا کہ مقرب بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ میرے حکم اور میری مرضی سے کرتا ہے۔

اس وقت اس بحث میں نہ پڑیے کہ خضر پیغمبر تھے یا ولی تھے اور کیا علم میں [illegible] زائد تھے یہ [illegible] تحقیق کا نہیں ہے اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ پھر کسی موقع پر دیکھا جائیگا۔

جاہل صوفی اور جاہل پیر

غالباً اس تفصیل کے بعد آپ ان تمام خطرات سے محفوظ ہو گئے ہوں گے جو آج کل کے جاہل صوفی ان آیات و احادیث کے متعلق غلط بیانی کیا کرتے ہیں اور بندوں کو

خدا بناتے پھرتے ہیں جو وحدت الوجود یہ مسلمانوں کو سمجھاتے پھرتے ہیں وہ تو الحاد اور گمراہی کی ایک سڑک ہے جس پر عوام الناس کو چلانا چاہتے ہیں۔ یہ کمبخت نہ تو وحدت الوجود کو جانتے ہیں اور نہ وحدت الشہود کو سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کچھ متقدمین اور کچھ متاخرین کے اقوال یاد کر لئے ہیں وہی چند اقوال ان کے حجج و براہین کا منبع ہیں۔ ان جاہلوں کا کام یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی ہڈیاں فروخت کریں اور اپنا پیٹ پالیں۔ ایک طرف جاہل واعظ اور دوسری طرف یہ جاہل اور شعبدہ باز پیر یہ دونوں اُمت محمدیہ کے ایمان و اخلاق کو اس طرح کھا رہے ہیں جس طرح گھن اور دیمک لکڑی کو کھاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا وحدت الوجود یا فنا فی التوحید تو صرف یہ تھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کسی کی عبادت کیجائے نہ کسی کا سہارا تلاش کیا جائے نہ کسی غیر سے محبت کیجائے نہ کسی پر بھروسہ کیا جائے۔ انہوں نے کبھی ایک فقرہ بھی اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالا کہ خالق اور مخلوق کو ایک کر دیا ہو یا عابد اور معبود کی عینیت کا قول کیا ہو اور اگر اُمت محمدیہ کے کسی بزرگ سے عالم سکر محو اصطلام اور حالت فنا میں کوئی لفظ نکل گیا ہو تو اس سے استدلال کرنا خود سالکین کی نظر میں بھی مذموم و معیوب ہے۔ چہ جائیکہ یہ جاہل استدلال کریں جو ان کے الفاظ کا صحیح مفہوم بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت ابی یزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول

سبحانی ما اعظم شانی یا ما فی الجبۃ الا اللہ یا اپنے مریدوں کو خطاب کر کے فرمایا لا الہ الا انا فاعبدون یہ تمام حالت سکر کی باتیں ہیں۔ حالت محو یا حالت سلوک میں حضرت ابو یزید تو کیا کوئی معمولی علم کا بھی آدمی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض

ملحدین فلاسفہ نے اپنے مسائل الحادیہ کو ثابت کرنے کیلئے اکابر صوفیہ کے بعض اقوال کا اپنے کلام میں ایسا پیوند لگایا ہے کہ آج ان ملحدین کے کلام کو علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اکابر صوفیا کی کیفیات کو یہ اپنی عبارت میں ڈھال کر بیان کرنا چاہتے ہیں بعض لوگ جن کو علم نہیں ہے وہ اس سب لغویات کو صوفیہ کا کلام سمجھ لیتے ہیں اور آجکل کے مکار پیر اور جاہل صوفی اس کی تاویل کرتے ہیں اور اپنے لئے نفس پرستی کی راہیں نکال لیتے ہیں۔ ابو اسمعیل سلیمان بن علی اور عبدالحق علی اور اسی قسم کے شیاطین جو عباسی دور کی پیداوار ہیں اور خاک عجم کے مایۂ ناز سپوت ہیں انہوں نے تصوف کے رنگ میں الحاد کا کچھ ایسا جال پھیلایا ہے کہ نہ معلوم کون کون سے سادہ لوح ان کے شکار ہو چکے ہیں سلیمان بن علی نے تو یہی کہدیا کہ حلال و حرام تو محجوبین کیلئے ہے اور جو عالم شہود میں ہیں وہاں نہ حرام ہے نہ حلال ہے۔ کیا خدا خود اپنے پر بھی حلال و حرام کا حکم کر سکتا ہے۔ عبدالحق علی نے وحدت کے مسئلہ میں تو جو کچھ کہا وہ کہا دربار نبوت میں بھی گستاخی کی اور مردود نے کہا لقد تحجر ابن امنۃ واسعًا بقولہ لا نبی بعدی۔ دیکھا آپ نے، مردود نے کیسی نامعقول بات کہی ہے یعنی آمنہ کے لڑکے نے ایک بڑی وسیع چیز کو یہ کہکر تنگ کردیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اسی طرح ابن مقفع نے قل ھو اللہ احد کا جواب لکھا آخر ذلیل ہو کر اس کو نذر آتش کیا۔

لفظ یقین میں تحریف ایک صاحب اسی قسم کے جاہل کے اسٹیشن پر مل گئے تھے بیچارے بھٹے گانے بجانے کا سامان بھی ان کے پاس تھا اسٹیشن کے قلیوں کو گھیرے ہوئے توحید و...

دوران میں تقریر بھی کردیا کرتے تھے۔ گاڑی کے آنے میں دیر تھی۔ میں بھی ایک کونے میں بیٹھکران کی سیر کررہا تھا۔ توجہ کے دوران میں تقریر کی توجیہ فرمانے لگے اور فرمایا میں اسلئے تقریر کرتا ہوں کہ تمہارا دل بہلتا رہے ورنہ تم میری توجہ سے پاگل ہوجاؤ۔ خیر مجھے اس سے کوئی بحث نہ تھی لیکن انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد کہا ہم پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نماز کیوں نہیں پڑھتے روزہ کیوں نہیں رکھتے، یہ لوگ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ عبادت جس کام کےلئے کیجاتی ہے جب وہ چیز حاصل ہوجائے توپھر عبادت کی ضرورت کیا ہے بلکہ وقت کو ضائع کرنا ہے۔ اس جاہل نے ایک خوش کن مثال بھی سنائی کہ دیکھو مجھے حیدرآباد جانا ہے اور حیدرآباد پہونچنے کا ذریعہ ریل ہے اسلئے مجھے ریل میں سوار ہونا ضروری ہے لیکن جب میں حیدرآباد پہونچ جاؤں گا توپھر ریل میں بیٹھنا بے کار ہوگا۔ اگر حیدرآباد پہونچکر میں ریل سے نہ اُتروں توآپ مجھے بیوقوف کہیں گے یا نہیں؟ لوگ ان کی باتیں سنکر سر ہلانے لگے جب ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ میری تائید کررہے ہیں تو انہوں نے فرمایا عبادت کا مقصد ہے شہود حقیقت، اگر کسی کو شہود حقیقت حاصل ہوجائے توپھر اس کو عبادت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اوراسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ اپنے رب کی عبادت جب کرو جبتک تم کو شہود حقیقت حاصل نہ ہوجائے

صوفی کا جہل

جب یہ صوفی صاحب یہاں تک پہونچے تو میں نے اُن سے عرض کیا شاہ صاحب آپ سے سکتا ہے فرمانے لگے دریافت کرو۔ میں اسوقت ذات ت کروگے بتاؤں گا۔ میں نے کہا آپ نے ایک قرآن کی

آیت پڑھی ہے۔ اس میں یقین کا لفظ ہے۔ آپ نے یقین کے کیا معنے کیے۔ فرمانے لگے شہود حقیقت، میں نے کہا یہ لفظ قرآن میں کہیں اور بھی آیا ہے، فرمانے لگے آیا ہوگا۔ میں نے کہا وہاں اس کے کیا معنی ہیں فرمایا وہاں بھی یہی معنے ہوں گے میں نے کہا جناب وہاں تو یہ معنی نہیں بنتے وہاں کافروں کا ذکر ہے جو دوزخ میں ہوں گے اور جب مسلمان ان سے دریافت کریں گے کہ تم دوزخ میں کیسے آئے تو وہ جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰٓى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ۔ اہل دوزخ جواب میں کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے نہ مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور دین کی باتوں کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ ہو جاتے تھے قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی، اب فرمایئے اگر یہاں شہود حقیقت ہو تو معاذ اللہ شہود حقیقت والے دوزخی ہوئے پھر اس لفظ کی تفسیر حدیث سے بھی ہو سکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی موت کے وقت فرمایا تھا اما عثمان بن مظعون فقد جاءه اليقين من ربه۔ اس حدیث نے لفظ یقین کے معنی بتا دیئے کہ موت ہیں۔ اب شاہ صاحب جو ذات میں تھے ایسے کھوئے گئے کہ آنکھیں بند کر لیں معلوم ایسا ہوتا تھا کہ مراقبہ میں ہیں

انبیاء کی عبادت

میں نے بھی موقع کو غنیمت سمجھا اور میں نے کہنا شروع کیا۔ اگر اس شہود حقیقت کے کوئی معنی ہیں اور یہ واقعی کوئی بامعنے لفظ ہے تو جن کو یہ حکم دیا تھا وہ آخر عمر تک اللہ کی عبادت کرتے رہے جب کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر نماز ادا کی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون شاہد حقیقت ہو سکتا ہے جب ان کو

بھی زندگی کے آخری لمحات تک نماز معاف نہ ہوئی تو جناب کو وہ کون سی
حقیقت مشاہدہ ہوگئی جس کی وجہ سے عبادت ساقط ہوگئی ۔ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں ۔ وجعلنی مبارکا اینما کنت واوصانی
بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیاً ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی برکتوں کو میرے ساتھ
وابستہ کردیا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں خدا کی برکتیں میرے ساتھ ہیں اور
جب تک میں زندہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھکو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم
دیا ہے ۔ جب پیغمبروں کو زندگی کے آخری وقت تک نماز پڑھنے کا حکم ہے
تو پھر جناب کون ہیں جن پر سے عبادت کو معاف کردیا گیا ۔ میں یہ سب کچھ
کہتا رہا ۔ اور شاہ صاحب مراقبہ سے بیدار نہ ہوئے یہاں تک کہ میری گاڑی
آگئی اور میں روانہ ہوگیا ۔ ان شاہ صاحب کو سانپ نے ایسا سونگھا کہ ان
بیچاروں کو سانس نہیں آیا ۔

ایک جاہل پیر کا واقعہ

ایک اور اسی قسم کے صوفی صاحب جو بیعت باقاعدہ
پیر تھے گوجرانوالہ کے اسٹیشن پر مل گئے ان کے
ہمراہ بھی جاہل مریدوں کا ایک غول تھا ۔ یہ اجمیر شریف جانے کے لئے دہلی
آرہے تھے ان کی زبان اگرچہ پنجابی تھی لیکن شہری پنجابی تھی جو باسانی سمجھ میں
آسکتی تھی ۔ یہ گوجرانوالہ سے لاہور تک برابر علماء کی مذمت کرتے رہے ۔
بار بار فرماتے تھے ۔ مولوی قرآن وحدیث نہیں جانتا ہم لوگ اصل معنی قرآن
کے جانتے ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کرتے تھے ۔ دوران گفتگو
میں کچھ ایسا معلوم ہوا کہ ان پر کیفیت طاری ہوگئی اور بدن میں کچھ رعشہ معلوم
ہوا ۔ تھوڑی دیر میں کہنے لگے ۔ ہماری مثال ایسی ہے جیسے کوئی رئیس اپنا غلام
دوسرے رئیس کو ہبہ کردے یا فروخت کردے ۔ پھر خاموش ہوگئے پھر ایک

دفعہ ہی عجیب وغریب حرکت کرکے بولے۔ نور نور پر عاشق ہوا۔ نور ہی عاشق نور ہی معشوق۔ نوری عاشق نے نوری معشوق کو اپنے تمام خاکی بندے ہبہ کر دیئے۔ بخشدیئے۔ پھر تھوڑی دیر سکوت اختیار کیا اور فرمانے لگے، پڑھو قرآن کی آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا میرے معشوق کہدے اپنے بندوں سے کہدے اے میرے بندو۔ ہم معشوق کے بندے ہیں عاشق کے نہیں، عاشق تو ہم کو معشوق کی خدمت میں پیش کر چکا جب ہی تو معشوق کہتا ہے اے میرے بندو! ہم معشوق کے بندے ہیں عاشق کے نہیں ہیں ہمارا عاشق سے کوئی تعلق نہیں۔ پہلی تمام امتیں عاشق کی تھیں یہ اُمّت معشوق کی ہے۔ قیامت میں خدا تعالیٰ کہے گا۔ محمد کی اُمت کو محمد جانے میں اس کا مالک نہیں ہوں۔ جو مالک ہے وہ جو چاہے کرے۔

قرآن میں تحریف

جب ان بزرگ صورت نے قرآن میں تحریف شروع کی تو میں نے ان سے بھی نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا حضرت شاہ صاحب! ایک میری بھی گذارش ہے۔ جب نوری عاشق نے اپنی تمام مخلوق نوری معشوق کو دیدی تو اب ہم سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے ہیں اور آپ ہی کے مملوک ہیں تو اگر ہم کوئی گناہ کریں یا خطا کریں تو اس کے بخشنے یا نہ بخشنے کا حق بھی ہمارے مالک کو ہونا چاہیئے خدا کو اس میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اب تو یوں سمجھئے کہ ہمارا خدا سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہم مجرم ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، آپ چاہیں ہم کو بخشیں یا نہ بخشیں۔ پیر صاحب بولے آہو جی! یہی گل ہے۔ یعنی یہی بات ہے کہ ہم مملوک ہیں نوری معشوق کے اور اب ہمارا خدا سے کوئی تعلق نہیں، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یعبادی کہکر خطاب کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا شاہ صاحب

اس آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ہمارے معشوق کہدو۔ اے میرے بندو! ایسے بندوں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور زیادتی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخشنے پر قادر ہے وہ غفور اور رحیم ہے۔ تو یہ بات کیا ہوئی بندے ہم محمدؐ کے، وہ ہم کو خطاب کرتے ہیں اور خطاب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ سب گناہ بخش دیگا۔ اگر ہم حضور کے بندے ہیں تب تو یوں فرماتے میرے بندو میری رحمت سے ناامید مت ہو میں سب گناہوں کو بخش دوں گا۔ یہ عجیب تماشا ہے کہ ہم گناہ کریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بخشنے کو آجائے اللہ تعالیٰ، جب ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر وہ اپنی مغفرت کا پروپگنڈا کیوں کرتا ہے یہ تو ایسا ہوا جیسے زید اپنے غلام سے کہے اگر تو نے کوئی غلطی کی تو بکر تجکو معاف کردے گا۔ وہ غلام یہ کہہ سکتا ہے کہ سرکار میں تو تیرا بندہ ہوں تو چاہے عذاب کرے اور تو چاہے تو معاف کرے یہ بکر لوند کا مہینہ کہاں سے آگیا، میں کیا جانوں بکر کون ہے۔ جب ہم بندے محمد کے ہوئے اور آپ نے اپنا بندہ ہم کو بنا لیا پھر ہمارے روبرو خدا کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے اور یہ کیوں کہا جاتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ وہ غفور الرحیم ہوا کرے ہمیں اس کی غفاری سے کیا مطلب، قرآن جیسی فصیح کتاب کا آپ ایسا غلط مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ مہمل شاید ہی کوئی بات ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو فرمائیں اے میرے بندو اگر کوئی گناہ کرلوگے تو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا، کیا خوب! بندے آپ کے اور دکھائیں ادھار مجرم آپ کے اور معاف کرے خدا۔

عبدی اور امتی کہنے کی ممانعت

میں ابھی یہ گفتگو کر رہا تھا کہ لاہور

آگیا۔ میں نے عرض کیا حضور اگر تھوڑا سا وقت عنایت کریں تو ایک نوری معشوق کی حدیث بھی سُنا دوں۔ ارشاد ہوا اچھا جلدی کرو ہم یہاں قیام کریں گے میں نے کہا عرب میں عام دستور تھا کہ لونڈی اور غلاموں کو اُن کے آقا یا عبدی اور یا امتی کہکر پکارا کرتے تھے، اور لونڈی غلام اپنے آقاؤں کو ربّی کہکر پکارا کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کا استعمال دیکھا تو فرمایا لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی ولا یقل العبد ربی ولکن لیقل سیدی ومولائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے لونڈی غلاموں کو عبدی اور امتی کہکر نہ پکارے تم سب اللہ تعالیٰ کے عبد ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں۔ اگر لونڈی غلاموں کو آواز دینا ہو تو غلامی اور جاریتی کہکر آواز دیا کرو۔ اسی طرح کوئی غلام اپنے آقا کو ربی کہکر خطاب نکرے بلکہ سیّد اور مولا کہکر پکارے۔

میں نے عرض کیا شاہ صاحب اب فرمائیے جو نوری معشوق اپنے لونڈی اور غلاموں کو عبادی نہ کہے وہ اُمت کو کس طرح عبادی کے الفاظ سے خطاب کرسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محفوظ ہے اور اس حق کو خود ہی سلب کرلیں۔ لیعنی خدا کے بندوں کو یا عبادی کہکر انہوں نے خطاب فرمایا۔ اس سے بڑھکر اس نوری معشوق کی شان میں اور کیا گستاخی ہو سکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ اور نبی کریم علیہما الصلوٰة والسلام

میں نے کہا شاہ صاحب ایک اور گذارش بھی سُن لیجئے۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں

اپنی اُمت کے متعلق فرمائیں گے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اے خدا اگر تو ان کو عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے یہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے جو وہ قیامت میں فرمائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکدن تہجد کی نماز میں یہ آیت پڑھی اور آپ بار بار اس آیت کو پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی صبح کسی واقفکار نے دریافت کیا یا رسول اللہ آج تو آپ نے ایک ہی آیت میں تمام رات گذار دی سرکار نے فرمایا مجھے اپنے بھائی عیسیٰ کے یہ الفاظ بہت پسند آئے اور میں رات بھر ان الفاظ کو دُہراتا رہا۔ اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت میں مجھ سے سوال کیا تو میں بھی اپنی اُمت کی جانب سے انہی الفاظ میں سفارش کروں گا۔ اے خدا اگر تو ان کو عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت کر دے تو تو کمال قوت اور کمال علم کا مالک ہے۔ میں نے عرض کی شاہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو قیامت میں بھی اپنی اُمت کو عبادك فرمائیں یعنی اے خدا یہ تیرے بندے ہیں اور آپ ہیں کہ ہم نوری معشوق کے بندے ہیں ہم کو عاشق سے اب کوئی واسطہ نہیں یہ روایت اگرچہ مختلف طرق سے مروی ہے۔ لیکن غالبًا ابو ذر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا مطلب یہ ہے کہ میں بھی وہی کہوں گا جو خدا کا وہ نیک بندہ یعنی حضرت عیسیٰ کہیں گے۔

شاہ صاحب نے بڑی مشکل سے میری یہ باتیں سُنیں اور فرمانے لگے اچھا بابا پھر ملاقات کریں گے۔ میں نے اُن کے مریدوں سے اُن کا نام دریافت کرنا چاہا لیکن انہوں نے کچھ ایسا نام بتایا جسکو نہ تو میں سمجھا اور نہ یاد رکھ سکا۔ سونٹا شاہ یا سوڈا شاہ کچھ ایسا ہی تھا جو مجکو یاد نہیں رہا۔ یہ حالت ہے ان جاہل پیروں کی جو مسلم قوم کے

ناخدا بنے ہوئے ہیں۔

شاہ جہاں کا واقعہ

شاہ جہاں فقیروں سے بہت حسن عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کے زمانہ میں ایک جاہل اور معمر فقیر دکان کھول بیٹھا۔ دارا شکوہ کی پیر پرستی تو مشہور ہی ہے وہ اس بڈھے فقیر کا معتقد ہو گیا اور باپ سے اصرار کیا کہ حضور ایکدن شاہ صاحب کی خدمت میں تشریف لے چلیئے۔ حضرت بڑے باکمال بزرگ ہیں۔ شاہجہاں بیٹے کے اصرار پر ایکدن اس جاہل سے ملاقات کو گئے، ان کے ہمراہ نواب اسعد اللہ خان اور عالمگیر بھی تھے ان سب نے اس جاہل فقیر سے ملاقات کی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد نواب اسعد اللہ خان نے گفتگو شروع کی۔ بڈھے سے دریافت کیا کہ حضور کا سن شریف! فرمانے لگے صحیح عمر تو یاد نہیں دو جنگیں یاد ہیں ایک تو میرے بچپنے میں ہوئی تھی اور ایک میں میں خود شریک ہوا تھا۔ نواب اسعد اللہ خان نے دونوں لڑائیاں دریافت کیں یہ فرمانے لگے ایک تو جو الکرنین کی جو بجیڈوں کے ساتھ ہوئی تھی اسوقت میں بچہ تھا۔ دوسری امیر تنبور کی جو محمد رسول اللہ سے ہوئی تھی اسوقت میں جوان تھا اور امیر تنبور کی فوج میں تھا۔ اس بڈھے کا مقصد یہ تھا کہ شاہی خاندان سے قدیم وفاداری ثابت کیجائے، شاہ جہاں نے غصہ میں کہا۔ اس کمبخت نے میرے دادا کو بھی کافر بنایا۔ نواب اسعد اللہ خان نے کہا جہاں پناہ! قطع نظر کفر و ایمان کے حضرت کو تاریخ دانی میں کیسا زبردست ملکہ ہے۔

سیدنا ابراہیم و علیہما کے متعلق ایک نکتہ

میرے معزز دوستو! ان پیروں کا قصہ کا تو ایک حدیث قدسی کے سلسلے میں یاد آگیا تھا، اس پر اور روایتیں یاد آ گئیں، اب ایک اور علمی نکتہ سن لو

میرا جی تو نہیں چاہتا لیکن کیا کروں علمی بات ہیں بخل کرنا بھی اچھا نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمات آپ نے سُن لئے اور اپنی اُمت کے سلسلے میں جو کچھ وہ فرما گئے وہ بھی آپ کو معلوم ہوگیا۔ قصہ کی تفصیل تو اس وقت چھوڑ دیجئے صرف ایک بات پر غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں ان تعذبہم فانہم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم۔ یعنی اگر آپ اُنکو عذاب کریں تو یہ آپ کے بندے اور مملوک ہیں اور آپ کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا پورا اختیار ہے۔ لیکن اگر آپ ان کی مغفرت کر دیں تو آپ عزیز اور حکیم ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی قسم کی سفارش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانك غفور رحيم اے اللہ میری اولاد میں سے جو میرا فرمانبردار ہو وہ تو میرا ہی ہے۔ اور مجھ ہی سے ہے اور اگر کوئی میری نافرمانی کرے اور میری شریعت پر عمل نہ کرے تو آپ غفور رحیم ہیں۔ معاملہ ایک ہی سا ہے دونوں اپنی اُمت کے گناہگاروں کی سفارش کر رہے ہیں لیکن ایک پیغمبر غفور رحیم کہتا ہے اور دوسرا عزیز وحکیم کہتا ہے حضرت ابراہیم نے غفور اور رحیم کیوں اختیار کیا اور حضرت عیسیٰ نے عزیز اور حکیم کیوں اختیار کیا

عزیز اور حکیم کے معنی

دیکھئے عزیز کے معنی ہیں کمال قوت اور حکیم کے معنی ہیں کمال علم، حضرت عیسیٰ قیامت میں اپنی اُمت کی سفارش کر رہے ہیں جہاں نصاریٰ کے لئے توبہ کرنے اور اپنے گناہوں پہ نادم ہونے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ اگر اس دن کافر ایمان لائیں تو اُن کا ایمان غیر معتبر ہے۔ کافر تو اس دن سامان ہو ہی جائیں گے لیکن ان کا ایمان معتبر نہ ہوگا اسلئے توبہ کا نہ تو قیامت میں وقت ہے اور نہ توبہ مفید ہے۔ فلم يك ينفعهم ايمانهم لما رأوا بأسنا یعنی جب ہمارے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ

دیکھ لیں تو پھر کافروں کو ان کا ایمان نفع نہیں دے سکتا۔ چونکہ آخرت میں تمام مغفرت کے امکانات ختم ہو چکے ہوں گے تو حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت قوت، علم کا واسطہ دیکر اپیل کریں گے اور یوں فرمائیں گے کہ اگرچہ قاعدے اور قانون سے ان کی مغفرت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن آپ تو انتہائی قوت کے مالک ہیں اگر آپ اس حالت میں بھی ان کی مغفرت کر دیں تو آپ پر کون اعتراض کر سکتا ہے آپ اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ چاہیں تو تمام کافروں کو بخشدیں، آپ سے کون دریافت کر سکتا ہے اور یہ کس کی مجال ہے کہ کوئی دم مار سکے۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام چونکہ دنیا میں گنہگاروں کی سفارش کر رہے ہیں اور یہاں توبہ کرنے اور توبہ کو قبول کرنے کے امکانات ہیں اسلئے فرماتے ہیں آپ غفور ہیں اور رحیم ہیں اگر نافرمانوں کو معاف کر دیں اور آپ کی رحمت ان کو اپنے دامن میں لیکر اُن کو توبہ کی توفیق دیدے تو یہ کوئی مستبعد نہیں۔ یہ وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم صفت غفران اور رحمت کے نام پر اپیل کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ صفت قوت اور علم کے نام پر اپیل کرتے ہیں۔

خلف وعید کا شبہ اس تقریر پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس صورت میں خلف وعید کی بحث پیدا ہو گی۔ اگرچہ یہاں اس بحث کا موقع نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جو حضرات خلف وعید کے قائل ہیں ان کا اس آیت میں استدلال ضرور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نصاریٰ کے لئے مغفرت کی اُمید کا اظہار کرنا اس امر کو یقیناً مستلزم ہے کہ وہ خلف وعید کو جائز خیال کرتے ہیں اور حضرت حق جل مجدہٗ کے لئے خلف فی الوعید کو قبیح اور ذم نہیں سمجھتے ورنہ فلم یک ینفعھم ایمانھم کی وعید کے بعد وان تغفر لھم کہنے کا کیا مطلب ہو گا۔

ابو عمرو بن علاء اور عمرو بن عبید کا مناظرہ

متقدمین میں یہ بحث قاتل مومن کی نجات پر چلی ہے جو قاتل مومن کی نجات کے قائل ہیں ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس شکل میں خلف وعید لازم آئے گا کیونکہ حضرت حق کے اس فرمان کے بعد کہ قاتل مومن ہمیشہ عذاب میں رہے گا پھر اس کی نجات کا امکان کس طرح ہو سکتا ہے **ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا** یعنی جو شخص کسی مسلمان کو قصداً جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس اعلان کے بعد یہ کس طرح تصور ہو سکتا ہے کہ وہ شخص کبھی جہنم سے نکل بھی سکتا ہے۔ لیکن قائلین نجات نے اس کا جواب یہی دیا ہے کہ یہ وعید ہے اور وعید کا خلف کوئی برائی نہیں ہے بلکہ خوبی ہے۔ چنانچہ ابو عمرو اور عمرو بن عبید کا اس پر مناظرہ بھی ہوا ۔ ۔ ۔ عمرو بن عبید نے کہا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کر سکتا۔ لا یخلف اللہ وعدہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا۔ پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مومن کا قاتل جہنم سے نکال دیا جائے ابو عمرو بن علاء نے جواب دیا کہ شاید جناب نے یہ بات عجم سے سنی ہوگی وعدہ اور وعید میں فرق ہے۔ عرب کے نزدیک وعید کا خلف قبح اور ذم نہیں ہے بلکہ جود و کرم ہے۔ اہل عرب تو وعید کے خلاف کو خوبی سمجھتے ہیں کیا تم نے عربی شاعر کا قول نہیں سنا ؎

ولا یرھب ابن العم ما عشت صولتی
ولا یختشی من سطوۃ المتھدد
وانی ان اوعدتہ او وعدتہ
لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

شاعر کہتا ہے کہ میرے متعلقین کو میری حکومت اور میری صولت و دبدبہ سے ڈرنا نہیں چاہیئے کیونکہ میں لوگوں سے وعدہ بھی کرتا ہوں اور ان کو خوف بھی دلاتا ہوں۔ پھر جس چیز کا وعدہ کرتا ہوں تو اسے پورا کرتا ہوں اور جو کسی کے ڈرانے اور خوف دلانے کی غرض سے وعید کرتا ہوں اسکا خلاف کرتا ہوں

مطلب یہ ہے کہ جب کسی اجر اور صلہ کا وعدہ کیا جائے تو اس کو وعدہ کہتے ہیں مثلاً ایک بادشاہ کسی سے کہے میں تجھ کو انعام دوں گا تو یہ وعدہ ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ بادشاہ کی کسر شان ہے اور اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ ہم تجکو قتل کر دیں گے تو اس کو وعید کہتے ہیں اگر وعید کے خلاف کرے اور اس شخص کو معاف کر دے تو یہ عیب کی بات نہیں بلکہ بادشاہ کی بخشش اور اس کا کرم ہے۔ اسی طرح حضرت حق کی جناب میں بھی خلف وعید کوئی عیب نہیں بلکہ یہ اس کا جود و کرم ہے۔ کہ اس نے مجرم سے یہ کہا تھا کہ میں تجکو عذاب کروں گا لیکن اگر وہ چاہے تو معاف کر دے۔ اگر معاف کر دے تو کر سکتا ہے اور یہ معاف کرنا معاذ اللہ اس کی شان کے لئے کوئی عیب نہ ہوگا۔

خلف وعید پر ایک عجیب استدلال

خلف وعید کو جائز سمجھنے والوں نے کعب بن زہیر کے ایک شعر سے عجیب و غریب استدلال کیا ہے۔ کعب بن زہیر بھی ان مفرورین میں ہیں جو فتح مکہ کے بعد بھاگ گئے تھے اور جن کے لئے دربار رسالت سے قتل کا حکم ہو چکا تھا۔ یہ چھپ چھپا کر کسی ترکیب سے مدینہ پہنچے اور اپنے ایک مسلمان عزیز کے ہاں روپوش ہو گئے۔ انھوں نے اپنے عزیز سے کہا کہ میرے متعلق دربار رسالت سے استمزاج کرو۔ کہ اگر کعب مسلمان ہو کر حاضر ہو جائے تو کیا اس کا اسلام قبول کر لیا جائیگا۔ چنانچہ ان صاحب نے ایکدن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

دریافت کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ وہ ایک قصیدہ سُننا چاہتا ہے چنانچہ دربارِ رسالت سے اجازت مل گئی وہ مسجدِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا جو آجکل بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔ سرکار نے اس قصیدہ کو بہت پسند کیا ایک جگہ اس کی اصلاح بھی دی۔ اس نے حضور کو سیف الھند کا خطاب دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا بجائے سیف الھند کے سیف اللہ کر دو۔ اس قصیدہ کو سُنکر آپ نے اس کو اپنی چادر مبارک بھی عطا فرمائی۔ اس لیے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ قصیدہ بانت سعاد کا نام اصل میں قصیدہ بردہ ہے کیونکہ حضور اس قصیدہ کو سنکر اپنی ردار مبارک عطا فرمائی تھی۔ بہر حال اس قصیدے میں ایک شعر ہے ؎

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی   والعفو عند رسول اللہ مامول

مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قتل کا حکم دیا ہے اور میرے قتل کا اعلان کر دیا گیا ہے اور میرے متعلق یہ وعید فرمائی ہے کہ مجھکو قتل کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ فیصلہ کر دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت معاف کر دینے کی ہے۔

یہ شعر حضور کے سامنے پڑھا گیا۔ آپ کے صحابہ بھی موجود تھے لیکن کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ معاذ اللہ اس شعر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب کی نسبت ہوتی ہے کیونکہ قتل کا وعدہ کرنے کے بعد اگر معافی دی گئی تو اسکا یہ مطلب ہوگا کہ وعید کا خلاف ہوا۔ یہ اعتراض اسی بنا پر نہیں کیا گیا کہ عرب کے نزدیک خلف فی الوعید عیب نہیں بلکہ مدح ہے۔ جب ہی تو حضور نے اس شعر کو سننے کے باوجود اس قصیدے کو پسند فرمایا اور بجائے قتل کے اس کو چادر مبارک بطور اکرام و انعام عطا فرمائی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ استدلال محل نظر نہیں ہے لیکن اسمیں

شک نہیں کہ استدلال نہایت صاف اور واضح اور مبرہن ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائیگا وہ خرط القتاد ہی ہوگا۔

حدیث قدسی کا آخری حصہ

معزز حضرات! اس حدیث قدسی کے متعلق میں نے جو کچھ عرض کیا۔ اس کا مطلب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ اس میں نہ وحدت الوجود کا کوئی ثبوت ہے نہ اتحادیوں کی کوئی دلیل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ہمارا بندہ ہم سے قریب ہو جاتا ہے تو اس کے تمام افعال و اقوال کے ہم ذمہ دار ہوتے ہیں وہ جو کچھ کرتا ہے ہمارے اشارے اور ہمارے حکم سے کرتا ہے۔ اس کے تمام افعال کی ذمہ داری ہمیں ہوتی ہے۔ اگر اس کے کسی فعل کی شکایت ہو تو ہم سے کیجائے، اس ہمارے ولی کو کچھ نہ کہا جائے اگر ہمارے ولی کو کچھ کہا جائیگا یا اس کی شان میں کوئی گستاخی کیجائیگی تو یہ ہمارے لئے اعلان جنگ کے مترادف ہوگا۔ میں نے یہ جو کچھ عرض کیا یہ حدیث قدسی اور روایت الٰہی کے پہلے دو ٹکڑوں کے سلسلے میں تھا۔ اب آخری حصہ سنئے جو واقعی عجیب و غریب ہے فرماتے ہیں۔

وما ترددت عن شیٔ انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مساءته ولا بدّ له منه یعنی حضرت حق فرماتے ہیں میں جس کام کو کرنا چاہتا ہوں مجھے اس کے کرنے میں کوئی تأمل اور تردد نہیں ہوتا بلکہ جس کام کو کرنا چاہتا ہوں اس کو کر لیتا ہوں البتہ ایک کامل مومن کی جان قبض کرنے میں مجھکو تردد ضرور ہوتا ہے کیونکہ طبعاً وہ موت کو پسند نہیں کرتا۔ اور موت سے گھبراتا ہے۔ اور میں اس کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ موت ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ دیکھا آپ نے مخلصین کی دل جوئی اور خاطر داری۔ اسکو میں عرض کر رہا تھا کہ بندے کے لئے ایک ایسا مرتبہ اور درجہ

بھی ہے جہاں وہ پہنچکر اس قابل ہو جاتا ہے کہ حضرت حق اسکی دلجوئی کرتے ہیں
یہی تو مطلب ہے وانا اکرہ مساءتہ کا۔ یعنی میں اس کو رنجیدہ اور ملول کرنا
پسند نہیں کرتا۔ بھلا اُن بندوں کے مراتب علیا کا کیا ٹھکانا ہے جن کی رنجیدگی
اور ملالِ خاطر سے حضرت حق احتراز فرمائیں اور اپنے اس جذبہ کا اعلان ان
الفاظ میں فرمائیں کہ میں اس کی تکلیف اور رنجیدگی کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ اللہ!
وہ بندے کون ہوں گے جن کی ایذا رسانی حضرت حق کیلئے ناگواری خاطر
کا موجب ہوتی ہوگی۔ انہی کے لئے ارشاد ہوا تھا کہ وہ جو طلب کرتے ہیں میں
ان کو عطا کر دیتا ہوں اور جس چیز سے پناہ مانگتے ہیں اس سے ان کو بچا لیتا ہوں

موت ایک ضروری اور لازمی چیز ہے

یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر انسان کیلئے
موت ضروری ہے اسی لئے
فرماتے ہیں کل نفس ذائقۃ الموت۔ ہر ذی روح کو ایکدن موت سے
دوچار ہونا ہے جو پیدا ہوا اس کو ناپید ہونا اور موت کے گھاٹ اترنا ہے،
یہ شبہ نکیا جائے کہ نفس کا اطلاق تو حضرت حق پر بھی کیا گیا ہے۔ تو کیا
معاذ اللہ حضرت حق کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اسی لئے میں نے نفس کا ترجمہ
ذی روح کیا تاکہ یہ شبہ پیدا ہی نہو۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ نفس کا اطلاق
جناب باری عز اسمہٗ پر کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے قول میں ہے تعلم ما فی نفسی
ولا اعلم ما فی نفسک تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں تیرے نفس کی
بات سے واقف نہیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے۔ ان ذکرتنی فی نفسک
ذکرتک فی نفسی وان ذکرتنی فی ملأ ذکرتک فی ملأ خیر منھم
یعنی حضرت حق فرماتے ہیں اگر تو مجکو اپنے دل میں یاد کرے گا تو میں بھی تجکو اپنے
جی میں یاد کروں گا۔ اور اگر تو مجکو کسی جماعت میں بیٹھ کر یاد کرے گا تو میں تجکو

ایسی جماعت میں یاد کروں گا اور تیرا ذکر ایسی جماعت کے روبرو کروں گا جو اس جماعت سے بہتر ہوگی جس میں تو نے مجکو یاد کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جو بندہ ہمیں خفیہ طور پر یاد کیا کرتا ہے تو ہم بھی اسکے ساتھ اجر و ثواب کا معاملہ خفیہ طور پر کیا کرتے ہیں اور جو بندہ انسانوں کی جماعت میں ہمارا ذکر کیا کرتا ہے تو ہم اس کا تذکرہ ملائکہ کی جماعت میں کیا کرتے ہیں اور وہ ملائکہ کی جماعت انسانوں کی جماعت سے افضل ہے۔

ملائکہ افضل ہیں یا انسان

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی جماعت انسانوں کی جماعت سے افضل ہے۔ اور اسی لئے اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو ملائکہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ مثلاً معتزلہ نے علاوہ اور استدلالات کے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ عام انسان عام ملائکہ سے افضل اور خواص ملائکہ کے خواص سے افضل، یعنی یہ بات نہیں کہ ہر انسان ہر فرشتے سے افضل ہے بلکہ ملائکہ میں بھی عوام و خواص کا فرق ہے جس طرح انسانوں میں عوام و خواص ہیں اسی طرح ملائکہ میں بھی عوام و خواص ہیں۔ تو انسانوں کے عوام فرشتوں کے عوام سے افضل ہیں۔ اور انسانوں کے خواص فرشتوں کے خواص سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ مطلقاً انسان سے افضل ہیں جیسا کہ فرمایا ذکرتك فی ملأ خیر منهم میں ایک ایسی جماعت میں تیرا تذکرہ کروں گا جو اس جماعت سے بہتر ہوگی جس جماعت میں تو نے میرا ذکر کیا ہوگا اب یہ ظاہر ہے کہ انسان تو انسانوں ہی کی جماعت میں خدا کا ذکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ ملائکہ کی جماعت میں تذکرہ کرے گا۔ جب وہ جماعت اور گروہ جس میں خدا

بندے کا تذکرہ کرتا ہے وہ بہتر ہوئی تو معلوم ہوا کہ ملائکہ انسان سے بہتر ہوئے۔

معتزلہ کا جواب

بظاہر اس شبہ کے اہل سنت نے بہت سے جواب دیئے ہیں لیکن ایک جواب جو بہت صاف اور آپ کے اذہان سے قریب تر ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس معنی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بیشک وہ جماعت اور وہ گروہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کا تذکرہ کرتا ہے اس گروہ سے افضل ہے جس گروہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ اس برتری اور بہتری کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ملائکہ انسان سے برتر و افضل ہیں۔ بلکہ اس جماعت میں ذاکر حضرت حق جل مجدہ ہیں اور انسانوں کی جماعت میں ذاکر انسان ہے اور جس گروہ میں اللہ تعالیٰ ذاکر کی حیثیت سے شریک ہوں وہ گروہ یقیناً اس گروہ سے افضل ہوگا جس گروہ میں ذاکر انسان ہو جس خیریت کا حدیث میں ذکر ہے وہ ذاکر کی رعایت اور ذاکر کو شریک کر کے کہا گیا ہے۔ انسانوں کی جماعت میں ذاکر انسان ہے اور ملائکہ کی جماعت میں ذاکر خدا ہے۔ اس لئے وہ جماعت افضل ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں۔

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی

اسی قسم کی ایک اور مشہور روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کے ہاتھ کو نیچے کے ہاتھ سے بہتر اور افضل فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سخی کا ہاتھ فقیر کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ کیونکہ فقیر کا ہاتھ لینے کے وقت پھیلا ہوا ہوتا ہے اور نیچا ہوتا ہے، دینے والا اوپر سے اس کے ہاتھ میں ڈالتا ہے تو دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے اور لینے والے کا نیچا ہوتا ہے۔ اونچا ہاتھ یا اوپر کا ہاتھ سرمایہ دار کا ہوا اور نیچے کا ہاتھ مزدور کا ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کے ہاتھ کو افضل کہا تو معلوم ہوا کہ مال اور سرمایہ داری

اور سرمایہ داری، فیقری اور مزدوری سے افضل ہوئی، اوپر کا ہاتھ تو مالدار ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ غریب اور فقیر تو ہمیشہ اپنے ہاتھ کو نیچا ہی رکھتا ہے۔ اس روایت سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دولتمند کی تعریف مقصود ہے اور دولت میں خیریت کا اظہار ہے اور فقیری اور فقر کو مفضول ظاہر کرنا مقصود ہے۔

فقیر صابر اور غنی شاکر

اس سلسلہ میں اپنے اکابر کا مسلک یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ علماء میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث رہا ہے کہ سرمایہ دار افضل ہے یا فقیر افضل ہے، مال افضل ہے یا فقر افضل ہے۔ مطلقاً تو فقر مال سے افضل ہی ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ مالدار شاکر ہو یعنی مالدار حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہو، بخیل نہ ہو، صدقات و خیرات کا خوگر ہو، ایک طرف ایسا مالدار ہو اور دوسری طرف فقیر صابر ہو یعنی ایسا فقیر جو صبر کرتا ہو لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا ہو، اپنی حاجت دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کرتا ہو۔ خدائے تعالیٰ کا شکوہ نہ کرتا ہو صابر اور قانع ہو، ان دونوں مالدار شاکر اور فقیر صابر میں کون افضل ہے لیکن اپنے اکابر کی رائے یہ ہے کہ فقیر صابر کا مرتبہ زیادہ ہے، اس وقت ہر دو فریق کے دلائل بیان کرنے مقصود نہیں ہیں صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ الید العلیا خیر من الید السفلیٰ کے ظاہری الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مالدار کے ہاتھ کو بہتر بتایا گیا ہے اور فقیر کے ہاتھ کو کمتر بتایا گیا ہے اس لئے مالدار شاکر بہتر ہے فقیر صابر سے۔ ہمارے اکابر کا جواب یہ ہے کہ بے شک اونچے ہاتھ کو نیچے ہاتھ سے فضیلت ہے لیکن اس فضیلت

کی وجہ مال نہیں ہے بلکہ اخراج مال ہے، مالدار کا ہاتھ اسلئے بہتر نہیں ہے کہ وہ مالدار کا ہاتھ ہے بلکہ اسلئے بہتر ہے کہ اس سے مال نکل رہا ہے اور مال و دولت کو یہ ہاتھ دفع کر رہا ہے اور فقیر کا ہاتھ اس لئے کمتر ہے کہ وہ مال جیسی بری چیز کو لے رہا ہے، گویا خیریت مال کو دفع کرنے کی وجہ سے ہے اور عدم خیریت مال کو حاصل کرنے کی وجہ سے ہے۔ ہٰذا سمعت عن الذی سمعہ عن شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حدیث کی دوسری توجیہ

اسی حدیث کی ایک دوسری توجیہ بھی اپنے اکابر سے منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دو آدمیوں کے ہاتھ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخص کے ہاتھ کی دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک فقیر طمّاع یا طمّاع عالم جو لوگوں کے آگے اپنی حاجت پیش کرتا ہے اور ہاتھ پھیلا کر اُن سے مانگتا ہے یہ ہاتھ جو لینے کے وقت دینے والے کے سامنے پھیلایا جاتا ہے اس میں خیر نہیں ہے، دوسرے وہ خوددار فقیر اور وہ عالم قانع جو لوگوں کے رُوبرو اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتا اور اہل دُوَل سے سوال نہیں کرتا، اگر کوئی دولتمند خود اُن کے سامنے کچھ پیش کرتا ہے اور ان کے ادب و خودداری کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو کچھ دیتا ہے تو یہ اسکو قبول کر لیتے ہیں اور ہاتھ بڑھا کر اسکو اٹھا لیتے ہیں اگر خودداری کا لحاظ کرتے ہوئے کسی عقیدتمند کی خدمت کو قبول کر لیا جائے تو اس میں خیر و برکت ہے، اس تقدیر پر سرمایہ دار اور فقیر کی اس حدیث میں حیثیت نہ ہوگی بلکہ فقیر کی دو حالتوں کا اظہار ہوگا، ایک فقیر صابر اور دوسرا حریص۔ فقیر صابر تو وہ ہے جب کسی مالدار نے ہاتھ پر رکھکر کوئی نذر پیش کی [illegible] اٹھائی اور فقیر حریص وہ ہے جو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے اور

دولتمند اس کے ہاتھ میں کچھ ڈال دیتا ہے۔ پہلی حالت میں لیتے وقت فقیر کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے اور دوسری حالت میں لیتے وقت فقیر کا ہاتھ نیچا ہوتا ہے ہاتھ تو ایک ہی ہے صرف اس کی دو حالتوں کو بتا کر یہ فرمایا ہے کہ الید العلیا خیر من الید السفلی یعنی فقیر کا وہ ہاتھ جو صدقہ قبول کرتے وقت اونچا ہو اس ہاتھ سے بہتر ہے جو خیرات یا صدقہ قبول کرتے وقت نیچا ہو۔

کُلُّ نفس ذائقۃ الموت

اصل تو لفظ نفس پر بحث ہو رہی تھی اور میں اس شبہ کا جواب دے رہا تھا جو بعض ناواقف حضرات کو اس لفظ پر ہو جاتا ہے کہ جب نفس کا اطلاق حضرت حق کی ذات پر بھی ہوتا ہے تو کیا معاذ اللہ ان کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حق کی ذات پر اس لفظ کا اطلاق اس معنی میں نہیں ہے جس معنی میں اس لفظ کا اطلاق بندے پر کیا جاتا ہے عبارت کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے مقابلتاً یہ لفظ بولا گیا ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ جس طرح انسان کا نفس ہے اسی طرح حضرت حق کا بھی نفس ہے۔ حضرت حق پر جو نفس کا اطلاق جاتا ہے اس کے معنی عام طور سے علم کے ہوتے ہیں اور کہیں کسی مناسبت سے دوسرے معنی بھی مراد لئے جاتے ہیں۔

بہرحال موت ایسی چیز ہے کہ اس کا ذائقہ ہر جاندار کو چکھنا ہی ہوگا، اس راہ میں نہ مال و دولت مفید ہو سکتا ہے اور نہ عبادت و ریاضت کام آ سکتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں انک میت و انھم میتون یعنی آپ پر بھی موت طاری ہونے والی ہے اور

ان کفار کو بھی موت آنے والی ہے۔

قادیانیوں کا استدلال

میں نے گذشتہ تقریر سیرت کے موقع پر بھی قادیانی فرقہ کے متعلق کچھ عرض کیا تھا بالخصوص اس فرقہ ضالہ کے بانی مرزا غلام احمد کی سوانح حیات کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ میرا مقصد اس گمراہ فرقہ کے بیان سے صرف یہ ہوتا ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایمان لانا ہر مسلمان کیلئے جزو ایمان ہے اسی طرح ان باغیان رسالت کو کافر اور دشمن اسلام سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ طاغوت کے کفر کا اقرار کیا جائے فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے وہی شخص کامل الایمان ہے اور اس نے ایک مضبوط رسی کو پکڑا ہے۔ طاغوت کے معنی اگرچہ تشریح طلب ہیں لیکن آپ اتنا سمجھ لیجئے کہ طاغوت ہر اس قوت کو کہتے ہیں جو خدا اور رسول کے مقابل ہو۔ جس طرح کافر اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں اسی طرح قادیانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں، ان باغیان رسالت کو جب تک کافر نہ سمجھا جائے اسوقت تک کسی مسلمان کا ایمان پختہ نہیں ہوتا، ان کے مذہب کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر قائم ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات ہو چکی اور قیامت کے قریب آنے والا مسیح وہ مسیح نہیں ہے جو بنی اسرائیل میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا بلکہ وہ اسی اُمت کا ایک شخص ہوگا جو بجائے آسمان سے نازل ہونے کے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ چنانچہ یہ شب و روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو مختلف آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیا کرتے ہیں اور چونکہ یہ فرقہ جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقوف

بھی ہے اس لئے اس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے اور
ہم کو دلیل کیا پیش کرنی چاہئے، اپنے دعوی اور مدعا کو استدلال کے
ذکر میں بھول جانا اس فرقہ کا طغرائے امتیاز ہے۔ یہ لوگ بے ربط اور
بے جوڑ بہت سی آیتیں جمع کر دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم نے ہیں آیتوں
سے حضرت عیسی کی موت ثابت کر دی ہے، مجھے اسوقت ان کے تمام
استدلالات تو محفوظ نہیں البتہ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو سورہ انبیاء
کی دو آیتیں بھی ان کے دلائل کا جزء لاینفک ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے
وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد اور پہلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے
وما جعلنٰهم جسدًا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین۔ ان دونوں
آیتوں میں نہ کہیں حضرت عیسی کا ذکر ہے نہ کہیں ان آیتوں کے آس پاس
مسیح ابن مریم کا تذکرہ ہے لیکن ان ملاعنہ کو اس سے کیا غرض، ان کو قرآن
میں تحریف کرنے سے کوئی باک نہیں۔ ان کا دعوی تو یہ ہے کہ مسیح ابن مریم
وفات پاگئے اور جو دلیل پیش کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے کسی بشر
کے لئے ہمیشہ زندہ رہنے کی گارنٹی نہیں کی ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ
اے محمد تم کو تو وفات آجائے اور کافر ہمیشہ جیتے رہیں، دوسری آیت کا مطلب
یہ ہے کہ ہم نے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جو کھانا نہ کھاتا ہو اور نہ کوئی پیغمبر ایسا
بنایا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے، اب فرمائیے ان آیتوں کا تعلق حضرت عیسی سے
کیا ہے؟ یہ آیتیں اُن لوگوں کے خلاف تو استعمال کیجا سکتی ہیں جن کا
عقیدہ یہ ہو کہ پیغمبروں کو موت نہیں آتی یا پیغمبروں کی وفات نہ ہونی چاہئے
یا پیغمبر کھانے پینے سے پاک ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے یہ اعتراض
کافر تو کیا کرتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو یہ کھانا کیوں

کھاتے ہیں اور ان پر زمانہ کے حوادثات کا کیوں اثر ہوتا ہے مسلمانوں میں سے تو کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات نہیں ہوتی یا وہ کھانے پینے سے پاک ہوتے ہیں نہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ان کو کبھی موت نہیں آئے گی پھر آخر قائلین حیات مسیح کے سامنے ان آیتوں کو پیش کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

حضرت مسیح کی خوراک رہا کھانے پینے کا معاملہ تو ممکن ہے بیوقوف اس وجہ سے وما جعلنٰھم جسداً کی آیت پیش کرتے ہوں کہ جب کوئی جسم بدون کھانے پینے کے نہیں رہ سکتا تو آسمانوں میں کھانے پینے کا انتظام کیا ہوگا وہاں کوئی ہوٹل تو ہے نہیں، میں عرض کرتا ہوں ان احمقوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ اصل رزق تو تمام مخلوق کا آسمانوں ہی میں ہے فرماتے ہیں وفی السماء رزقکم وما توعدون جب زمین والوں کا رزق بھی آسمان سے ہی آتا ہے تو اگر کوئی زمین کا بسنے والا آسمان پر چلا جائے تو وہ کس طرح بھوکا مر سکتا ہے۔ پھر آسمان پر کیا نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا نکاح تو محمدی بیگم کے ساتھ آسمان پر ہو سکتا ہے اور ایک حضرت مسیح کے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا اور یہ بھی کیا ضروری ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام وہی خوراک کھاتے ہوں جو مرزا صاحب کھایا کرتے تھے۔ حضرت مسیح کو نہ تو وہاں ہندوستانی دواخانہ کی یاقوتی چاہیے اور نہ ان کو دوا کے لئے شراب کی ضرورت ہے اور نہ ان کو مقوی اور مرغن کھانوں کی تلاش ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنکی تمام زندگی زاہدانہ تھی ان کے کھانے میں خرچ ہی کیا ہوتا ہوگا۔

صوم وصال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی دن کے متواتر روزے

رکھا کرتے تھے۔ آپ کے اصحاب نے بھی چاہا کہ ہم بھی متواتر روزے رکھا کریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور یہ فرمایا کہ یہ کام تمہارے بس کا نہیں، تم میں کون ایسا ہے جو مجھ جیسا ہو سکتا ہے۔ میں تو رات اپنے رب کے پاس بسر کرتا ہوں وہ مجھکو کھانا بھی کھلا دیتا ہے اور پانی بھی پلا دیتا ہے۔ ابیت عند ربی ھو یطعمنی ویسقینی۔ انبیاء علیہم السلام زمین پر بھی بعض دفعہ کھانے پینے سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو ایسی خوراک دی جاتی ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے۔ جب زمین پر بھی انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص قسم کی غذا دیجا سکتی ہے تو آسمان پر خاص قسم کی غذا اُن کے لئے مہیا کیوں نہیں کیجا سکتی۔ ہم نے کب انکار کیا ہے کہ ان کو طعام کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن وہ ایسے طعام کے محتاج نہیں ہیں جس طعام اور غذا کے ہم لوگ محتاج ہیں۔ جب حیات مسیح کے قائل ان باتوں میں سے کسی بات کا انکار ہی نہیں کرتے نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کو کبھی موت نہ آئے گی، اور نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فاقہ کر رہے ہیں اور ان کو کسی قسم کی غذا نہیں دیجا رہی ہے اور جب وہ ان باتوں کے قائل نہیں ہیں تو اُن کیخلاف یہ آیتیں حجت کس طرح ہو سکتی ہیں۔

حدیث قدسی کی بقیہ بحث

ذکر اس کا ہو رہا تھا کہ موت کا آنا تو لازمی ہے، موت سے تو کوئی چارہ نہیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ موت سے ہر انسان طبعاً گھبراتا بھی ہے۔ بڑے لوگ تو اس وجہ سے گھبراتے ہیں کہ ان کو اپنا انجام معلوم ہے؛ دنیادار اسلئے گھبراتے ہیں کہ دنیا جو ان کی محبوبہ ہے، موت اس سے جُدا کر دیگی رہے نیک بندے وہ اگرچہ مطمئن ہوتے ہیں لیکن اُن پر خوف غالب ہوتا ہے

کہ دیکھیئے کیا معاملہ کیا جائے یا اس وجہ سے زندگی کا شوق ہوتا ہے کہ کچھ اور نیک عمل ہو جائیں تو اچھا ہے تاکہ آخرت میں زیادہ نفع اٹھانے کا موقع مل جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ بندہ خوش قسمت ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں۔

سیّدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیّدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی وفات کے وقت بہت متوحش تھے، بعض لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ اسقدر پریشان کیوں ہوتے ہیں، سیدنا امام حسن نے فرمایا میں موت سے نہیں گھبراتا لیکن مجھکو خوف یہ ہے کہ میں ایسے راستہ پر سفر کرنے والا ہوں جسکو میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے، نئے لوگوں سے واسطہ پڑنے والا ہے جس طرح کوئی شخص نئی جگہ جانے سے گھبراتا ہے اسی طرح مجھکو بھی گھبراہٹ ہوتی ہے ورنہ موت معاذ اللہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔

موت تو ایک احسان ہے

صاحبو! جس موت کو ہم بُرا سمجھتے ہیں وہ تو حضرت حق کا احسان ہے فرماتے ہیں کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔ یعنی تم اللہ کی نافرمانی کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم معدوم تھے خدا نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیگا، پھر تم کو زندہ کرے گا۔ دیکھئے اپنے احسانات میں موت کو بھی شمار کیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ موت نہ صرف مرنے والوں کیلئے احسان ہے بلکہ زندوں کے لیے بھی احسان ہے، مرنے والوں کو تو اسلئے کہ دار العمل سے دار الجزاء کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ایک مزدور کے لیے اس سے بڑی اور کیا مسرت ہو سکتی ہے کہ اُس سے

کہا جائے آؤ اور اپنی مزدوری لے لو۔ رہا زندوں کا معاملہ تو یہ جہاں اگر لوگ مرتے نہیں تو زمین پر رہنے کو جگہ بھی نہ ملتی اور سرمایہ دار کا سرمایہ بھی منتقل ہوتا

ایک دوست کا انتقال

میرے ایک دوست کا انتقال ہو گیا تھا ان کی عمر تقریباً پچپن سال کی تھی، ان کی بیوی پر اپنے خاوند کی موت کا بڑا اثر تھا وہ بہت روتی تھیں ہائے میری سلطنت مٹ گئی ہائے میرا تاج چھن گیا۔ ارے میں برباد ہو گئی۔ ارے میری بادشاہت خاک میں مل گئی، ہائے میں کیوں نہ مر گئی، ارے وہ زندہ رہتے اور میں مر جاتی غرض جو عورتوں کی عادت ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی بیان کر رہی تھیں۔ مجھے وعظ کو بلایا کہ آپ کچھ نصیحت کر دیجئے شاید صبر آ جائے میں اپنے دوست کے مکان پر گیا۔ صبر کے فضائل بیان کئے اور میں نے دوران تقریر میں کہا میں تمہارے رونے پیٹنے اور اس جھوٹی محبت کا کیا اعتبار کروں۔ تمہاری تو حالت یہ ہے کہ اگر یہی مرنے والا جو پچپن سال کی عمر میں مرا ہے اگر پچیس سال اور زندہ رہتا اور اس کی عمر پچھتر برس کی ہو جاتی تو آپ یا آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد یہ کہتی کہ بڑے میاں مرتے کیا نہیں لیتے۔ اجی یہ کیا قیامت ہے کیسے بوڑھے سمٹ بیٹھے ہیں سب کی کمائی چٹ کئے جاتے ہیں۔ دیکھئے ان کا وقت کب آتا ہے ان کی مٹی عزیز ہو جائے تو اچھا ہے جناب آپ کی محبت کا تو یہ حال ہے کوئی زیادہ دن جئے تو آپ کہئے وبال جان ہو جاتا ہے۔ میں کس طرح یقین کروں کہ واقعی آپ کو مرنے والے کے ساتھ محبت ہے۔

ایک دولتمند کا واقعہ

میرے ایک دوست اللہ بخشے چھاپنے والوں میں سے تھے، آدمی مالدار اور خوش چلن تھے، وعظ میں بہت آیا کرتے تھے

بڑے وضع کے پابند تھے۔ ایک ان کے صاحبزادے تھے جو عیاش ہونے کے علاوہ خراج بھی بہت تھے، والد ان کو جیب خرچ کیلئے سو روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے لیکن بھلا سو روپے میں ان کا کیا گزارہ ہوتا تھا والد کی بڑی عمر ہوئی جب والد کی عمر پچھتر برس کی ہوئی تو ان کی عمر چالیس کے قریب ہوگئی یہ صاحبزادے جب کبھی ملتے تو مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ابا کو سمجھائیے وہ آپ کے معتقد ہیں مجکو بہت تنگ کرتے ہیں، پیسہ پیسہ سے پریشان کر رکھا ہے جب میں اُن سے کہتا کہ میاں تم کو سو روپے ماہوار تو دیتے ہیں تو صاحبزادے بڑے خفا ہوکر کہتے، اجی مولوی صاحب آجکل سو روپے کیا ہوتے ہیں سو روپے تو ایکدن میں خرچ ہوجاتے ہیں۔ ایک دن یہ صاحبزادے بہت پریشانی کی حالت میں مجھے مل گئے اور بڑے افسوس کے لہجے میں فرمانے لگے مولانا صاحب! کوئی ایسا وظیفہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد کا انتقال ہوجائے، میں نے کہا وظیفہ تو معلوم ہے لیکن وظیفہ پڑھکر کیا کروگے۔ یہ کام تو ہونے والا ہی ہے وظیفہ تو جب پڑھتے ہیں جب کسی کام کے ہونے کی توقع نہ ہو۔ والد تو تمہارے ایک دن مر ہی جائیں گے پھر جلدی کیا ہے ان صاحبزادے نے ایک ٹھنڈا سانس لیکر کہا اجی مولانا صاحب جب میں بڈھا ہوگیا اور مجکو بڑھاپا آگیا پھر اگر ابا مرے تو کیا مرے اسوقت ان صاحبزادے کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی ان کی خواہش یہ تھی کہ ابا میری جوانی میں مرجائیں تو اچھا ہے تاکہ دولت کا مزہ جوانی میں حاصل کروں۔ اگر بڑھاپے میں ابا مرے اور روپیہ بھی ہاتھ لگا تو کیا لطف آئیگا۔

بہرحال صاحبو! موت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

موت اور شادی میں مماثلت

حضرات! آپ نے اپنی لڑکی کی شادی کی ہوگی جس طرح ایک لڑکی کی شادی ہوتی ہے اور وہ اپنے خاوند کے ہاں جاتی ہے اسی طرح ایک زندہ انسان کی موت کے وقت شادی ہوتی ہے اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو دونوں میں مشابہت دکھا کر آپ سے دریافت کروں کہ بتائیے موت اور شادی میں صورتاً کیا فرق ہے۔ آپ جانتے ہیں جب کسی لڑکی کی شادی ہونے والی ہوتی ہے تو سب سے پہلے اس کی منگنی ہوتی ہے منگنی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے متعلقین کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اب اس لڑکی کی فلاں لڑکے کے ساتھ شادی ہوگی جس طرح لڑکی کی منگنی ہوتی ہے اسی طرح تم سب کی منگنی کا بھی اعلان ہو چکا ہے اور تم سب منگیتر ہو۔ آپ کی منگنی کا اعلان ان الفاظ میں ہوا ہے **کل نفس ذائقۃ الموت کل من علیھا فان۔ کل شیئ ھالک الا وجھہ** ہر جاندار کو موت آنے والی ہے۔ جو شخص زمین پر بسنے والا ہے وہ فنا ہونے والا ہے، ہر شے ہلاک ہونے والی ہے مگر خدا تعالیٰ کی ذات فنا سے محفوظ ہے۔

نکاح سے پہلے مائیوں بٹھانا

آپ جانتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مائیوں کی رسم ہوتی ہے اگرچہ یہ رسم الخ ہندوانی ہے مگر لڑکی کو مائیوں بٹھانے کی رسم مسلمانوں میں بھی جاری ہے اس رسم میں چند امور کا لحاظ رکھا گیا ہے، لڑکی کو کچھ دنوں کے لئے ایک علیحدہ کوٹھری میں بٹھا دیتے ہیں، روز کھلی اور اُبٹنا ملکر نہلاتے ہیں، غذا میں بھی احتیاط کی جاتی ہے۔ علیحدہ بیٹھنے سے لڑکی کی صورت ذرا نکھر جاتی ہے اور چہرے پر رونق آجاتی ہے بڑی بات یہ ہے کہ چند دن خاموش بیٹھنے

اور چلہ کشی کی زندگی بسر کرنے کی حالت میں دولہا کا تصور لڑکی کے دماغ پر مستولی ہو جاتا ہے وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ اب میرا نکاح ہوگا، ایک غیر مرد سے میرا تعلق ہو سکتا ہے، میں اصلی بیوی بنوں گی وہ میرا خاوند ہوگا، ان خیالات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب نکاح کے بعد اپنے خاوند سے ملاقی ہوتی ہے تو اسکو وحشت نہیں ہوتی اور اس فرضی تصور کو جب اپنی اصلی حالت میں دیکھتی ہے تو بجائے وحشت کے اس سے مانوس ہو جاتی ہے۔

موت سے پہلے بیماری

یہی حالت مرنے والے کی ہے کہ مرنے سے پہلے بیماری آتی ہے، بیماری میں موت کا تصور قبر کا تصور رہتا ہے، نکیرین کا بھی خیال کرتا ہے اس لئے قبر میں وحشت نہیں ہوتی بلکہ عالم برزخ کے لوگوں سے مانوس ہو جاتا ہے، اپنے گناہوں کو یاد کرکے توبہ کرتا ہے گناہوں پہ نادم ہوتا ہے اور اس طرح گناہوں کی میل سے پاک ہو جاتا ہے لڑکی صابن اور اُبٹنے سے اپنا میل دور کرتی ہے اور انسان توبہ و ندامت سے اپنے گناہوں کا میل دور کر لیتا ہے

ایک شبہ کا جواب

یہ شبہ کیا جائے کہ بعض لوگ اچانک مر جاتے ہیں اور ان کو بیمار پڑنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ میں کہتا ہوں کہ اسی طرح بعض نکاح بھی ہو جاتے ہیں صبح کو بات ٹھیرتی اور شام کو نکاح ہو گیا، مانجھوں بیٹھنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے مستثنیات تمام واقعات میں ہوا کرتے ہیں۔

دلہن کا غسل

دلہن کو نکاح کے وقت نہلاتے ہیں، اسی طرح مردے کو بھی غسل دیتے ہیں، فرق یہ ہے کہ دلہن کو چوکی پر بٹھا کر غسل دیتے ہیں اور مردے کو تختے پر لٹا کر غسل دیتے ہیں، دلہن کو نہلا کر

نیا جوڑا پہناتے ہیں جس کو ریت کا جوڑا کہتے ہیں، مردے کو بھی نیا جوڑا پہناتے ہیں اس کا نام کفن ہے، اگرچہ ریت کے جوڑے کی رسم اب بہت کم ہو گئی ہے لیکن اس میں جو کرتہ ہوا کرتا ہے اسکی آستینیں نہیں ہوتیں ریت کے جوڑے میں جو کرتہ دیا جاتا ہے اس کی شکل کفنی کے بالکل مشابہ ہوتی ہے۔ رہا یہ امر کہ ریت کا جوڑا سرخ ہوتا ہے اور کفن سفید ہوتا ہے تو یہ بات کچھ دنوں سے ہو گئی ہے ورنہ پہلے تو کفن بھی سرخ ہوا کرتا تھا جس کی رنگت تو خون کی طرح سرخ ہوا کرتی تھی لیکن خوشبو مشک جیسی ہوتی تھی۔ لونہ لون الدم وریحہ ریح المسک۔

دلہن کا بناؤ

آپ دلہن کو نہلانے کے بعد اس کا بناؤ کرتے ہیں۔ سر گوندھ کر مانگ نکال لیتے ہیں اور یہ مانگ اس لئے نکالا کرتے ہیں کہ دولہا کو وہ سر پسند ہے جس میں مانگ نکلی ہوئی ہو لیکن آپ کے حقیقی مولیٰ کو وہ سر پسند ہے جو اس کے سوا کسی دوسرے کے آگے نہیں جھکتا۔ آپ دلہن کے ہونٹوں پر مسّی لگاتے ہیں لیکن مولائے حقیقی کو وہ ہونٹ پسند ہیں جو ہر وقت اسکی یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں۔ دلہن کی آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے اس لئے کہ آجکل کے نوجوان سرگیں آنکھ کو بہت پسند کرتے ہیں مگر تمہارے حقیقی دولہا کو وہ آنکھ پسند ہے جو خدا کے خوف سے رویا کرتی ہے۔

تین قسم کی آنکھیں

آپ کو معلوم ہے تین قسم کی آنکھیں ہیں جن پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے، ایک وہ آنکھ جو تنہائی میں خدا کے خوف سے رویا کرتی ہے تنہائی کی قید اس واسطے لگائی ہے تاکہ ریاکار آنکھ نکل جائے، دوسری وہ آنکھ جو دارالاسلام کی

حدود پر مجاہدین کی حفاظت کیلئے جاگتی رہتی ہے کہ کوئی دشمن مسلمانوں پر شب خون نہ مار جائے تیسری وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دیکھنے سے اجتناب کرتی ہے اور جب کوئی حرام چیز سامنے آجاتی ہے تو وہ جھک جاتی ہے اور محرمات کو دیکھنے سے انکار کرتی ہے۔

دلہن کا زیور اور مہندی

دلہن کے گلے میں چمپاکلی اور گلوبند پہنائے ہو۔ سونے کا ہار آویزاں کرتے ہو جو دلہن کے سینے پر پڑا رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہو کہ دلہن دولہا کو پسند آجائے۔ حضرت حق جل مجدہٗ اس گلے کو پسند کرتے ہیں جو انکی راہ میں پھانسی کے پھندوں سے اپنی گردنوں کو آراستہ کرتے ہیں وہ اس سینہ کو محبوب رکھتے ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تیر اور برچھیاں کھا کر لہولہان ہو جاتا ہے، دلہن کے وہ ہاتھ اچھے معلوم ہوتے ہیں جن میں مہندی لگی ہوئی ہو۔ حضرت حق کو وہ ہاتھ پسند ہے جو سیدھے ہاتھ سے خرچ کرتا ہے اور اُلٹے ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی یعنی اس قدر پوشیدہ خیرات کرتا ہے کہ ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی۔ تنفق یمینہ لاتعلم شمالہ۔

دلہن کے ہاتھوں کو زیور پہنایا جاتا ہے پاؤں میں مہندی لگائی جاتی ہے لیکن مولائے حقیقی اُن پاؤں کو پسند کرتا ہے جو جہاد کے میدانوں اور حجاز کے صحراؤں میں گرد آلود ہوا کرتے ہیں۔ جب لوگ رات کو پاؤں پھیلا کر سوتے ہیں تو یہ پاؤں خدا کی عبادت کیلئے مصلے پر کھڑے رہتے ہیں والصلوۃ باللیل والناس نیام۔

دلہن کی پالکی اور مردے کی چارپائی

دلہن کو رخصت کرتے وقت منڈھا گاتے ہیں۔ منڈھا ایک خاص قسم کا گیت ہے

جو دلہن کی رخصت کے وقت گایا جاتا ہے اور اسی وقت کے لئے مخصوص ہے، دلہن کو سنڈہا سنایا جاتا ہے تو مردے کے سرہانے سورۂ لیٰسین پڑھی جاتی ہے۔ اس سورت کا میت کے قریب پڑھنا مسنون ہے دلہن کو پالکی میں بٹھاتے ہیں جسکو چار کہار اُٹھاتے ہیں، مردے کی چارپائی کو بھی چار آدمی اُٹھاتے ہیں دلہن کی پالکی پر عورتیں ایک دوپٹہ ڈال دیتی ہیں جس پر گوکھرو کا جال بنا ہوا ہوتا ہے۔ بیچ میں جال کے پھل ٹانک دیتے ہیں، مردے کی چارپائی پر جو چادر ڈالی جاتی ہے اس پر چار خانہ بنا ہوا ہوتا ہے اور چار خانے کے بیچ میں اللہ اللہ لکھا ہوا ہوتا ہے جو دیکھنے والے کو دور سے جال کا دوپٹہ معلوم ہوتا ہے چلتے وقت دلہن کے ساتھ ایک ساتھ والی بھی جایا کرتی ہے، اگر یہ ساتھ والی تجربہ کار اور ہوشیار ہوتی ہے تو دلہن کو سسرال میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور اگر ناتجربہ کار ہوتی ہے تو دلہن کو بجائے آرام کے تکلیف ہوتی ہے یہ رسم بھی پرانی ہے اور یہ اس لئے رکھی گئی ہے کہ دلہن جب سسرال میں جاتی ہے تو سب لوگ وہاں نئے ہوتے ہیں اسلئے کوئی عورت میکے کی ساتھ کر دی جاتی ہے تاکہ دلہن کو اجنبی لوگوں میں وحشت نہ ہو، مردے کے ساتھ اس کے اعمال ہوتے ہیں اگر اعمال اچھے ہیں تو قبر میں موجب تسلی ہو اطمینان ہوتے ہیں اور اگر اعمال بُرے ہیں تو قبر میں موجب وبال و نکال ہو جاتے ہیں۔

دلہن کا گھونگٹ

دلہن جب پالکی میں بیٹھتی ہے تو گھونگٹ نکال لیتی ہے یہ گھونگٹ بظاہر شرم کی علامت ہے مردے کو کفن میں لپیٹ کر منھ باندھ دیتے ہیں گویا میت اپنے حقیقی مولا سے یہ کہتی ہے کہ میرا منھ اس قابل کہاں ہے جو تجھ کو دکھا سکوں مجھ گنہگار

اور خطا کار کا چہرہ تیرے دکھانے کے قابل نہیں ہے اس لیے شرمندگی سے منہ کفن میں لپیٹ کر اوپر سے بند ہوا لیا ہے میں نے کفن میں اپنا چہرہ اسلئے چھپا لیا ہے کہ اے میرے مولیٰ! میرا چہرہ تیرے روبرو پیش کرنے کے لائق نہیں ہے۔

جنازے کی نماز میں دُعا

دلہن کو جب رخصت کرتے ہیں تو دلہن کا باپ یا سرپرست دولہا سے کہتا ہے یا دولہا کے سرپرست سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے یہ لڑکی اگرچہ ہماری بیٹی ہے لیکن ہم نے آپ کو لونڈی دی ہے آپ کی شان کے قابل نہ تو یہ دلہن ہے اور نہ اس کا جہیز آپ کے مرتبہ کے لائق ہے اگر آپ اس کو خوش رکھیں گے تو ہمارا کلیجہ بھی ٹھنڈا رہے گا۔ اور اگر اس کو تکلیف ہوگی تو ہمارا دل دُکھے گا۔ بہرحال ہم سفارش کرتے ہیں ہم تو آپ کو لونڈی دے چکے اسی قسم کا مضمون اور اسی سے ملتا جلتا مضمون اس دُعا کا ہے جو جنازے کی نماز میں پڑھی جاتی ہے، ایک دعا تو وہ ہے جو آپ حضرات پڑھا کرتے ہیں اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا لیکن اس مشہور دعا کے علاوہ اور بھی بہت سی دعائیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں تم کو ایک ہی دُعا یاد کرنی مشکل ہے میں تم کو اور دعائیں کیا بتاؤں لیکن ایک دعا میرے مضمون کی تصدیق کرتی ہے اس لئے وہ سُنا دیتا ہوں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے کی نماز پڑھائی تو حسب ذیل کلمات پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَاَنْتَ خَلَقْتَھَا وَاَنْتَ ھَدَیْتَھَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّھَا وَعَلَانِیَتِھَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْلَہٗ۔

دولہا کے گھر کی پہلی رات

حضرات! دلہن کے لئے دولہا کے گھر کی پہلی رات بھی دلہن کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوتا ہے اگر دولہا نے دلہن کو پسند کر لیا تو تمام عمر عیش وآرام ہے اور اگر کوئی بدنصیب دلہن اپنے دولہا کو پسند نہ آئی تو تمام عمر کے لئے مصیبت کا سامنا ہے۔ یہی حالت قبر میں مردے کی ہے، اگر حضرت حق نے اپنے بندے کو قبول فرما لیا تو ارشاد ہوتا ہے۔

نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ۔ اس طرح سو جا جس طرح دلہن سو جاتی ہے کہ اس کو سوائے اس کے خاوند کے کوئی دوسرا نہیں جگا سکتا۔ یہاں تک کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہی اس کو جگائے گا۔ اور قیامت تک اپنی قبر میں یہ شخص آرام سے سوتا رہے گا۔ اور اگر خدانخواستہ حضرت حق نے اس کو پسند نہیں کیا تو پھر اس کی قبر کو آگ سے بھر دیا جاتا ہے اور وہ ایک دکھیاری دلہن کی طرح انواع واقسام کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے

صورت کی بجائے دل کا سوال ہے

ہاں یہ ضرور ہے کہ یہاں کے دولہا دلہن کی خوبصورتی کو دیکھتے ہیں، اور حضرت حق قلب کے اطمینان کو دیکھتے ہیں، یہاں اگر دلہن کالی ہو تو دولہا اس سے ناراض ہو جاتا ہے خواہ جہیز کتنا ہی ہو اور اگر دلہن خوبصورت ہو تو جہیز کی قلت بھی گوارا کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر بندۂ مومن کا قلب توحید الٰہی اور یقین واذعان کی برکت سے معمور ہو تو اعمال صالحہ کی قلت مضر نہیں ہوتی لیکن دل اگر کسی بندہ کا توحید کی نعمت سے خالی ہو تو اعمال صالحہ کی کثرت بھی مفید نہیں ہوتی اور وہ تمام

اعمال نظر انداز کر دئے جاتے ہیں ان اللہ لا ینظر الیٰ صُورکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب کو دیکھتا ہے۔ ہر چند کہ موت اور شادی میں کوئی فرق نہیں لیکن پھر بھی انسان طبعاً زندگی پسند واقع ہوا ہے اور موت اس کو پسند نہیں ہے لیکن یہ چیز ہے ضروری کیونکہ نظام عالم اسی طرح ہے کوئی کتنی ہی عمر زندہ رہے لیکن آخر ایک دن اُسے مرنا ضرور ہے۔

حضرت حق کا تأمّل و تردّد

حضرت حق نے حدیث قدسی میں جو لفظ تردد فرمایا ہے اُس کے معنی کچھ بھی ہوں اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ فعل کے معنی ہمیشہ فاعل کی نسبت سے ہوا کرتے ہیں لیکن بہرحال مقصد یہ ہے کہ مقرب اور مخلص بندے کا پاس خاطر یہاں تک محبوب ہے کہ اس کو رنجیدہ کرنا نہیں چاہتے، موت بھی ضروری اور موت کا ناپسندیدہ ہونا بھی ضروری اور حضرت حق کا اپنے مقرب بندہ کا دلجوئی کرنا بھی ضروری، ان تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں بغیر کسی تامل و تردد کے کر لیتا ہوں اگرچہ دوسرے کاموں میں بھی کبھی کوئی تردد پیش آتا ہو لیکن اپنے ولی کی موت کے وقت سب سے زیادہ تردد ہوتا ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اسکی جان بھی قبض کر لوں اور اس کو ناگوار بھی نہ گزرے۔ یہ صورت کس طرح ممکن ہو سکتی ہے کہ مرتے وقت پریشانی نہ ہو اور انسان خوش ہو کر اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دے۔ اس کی عام طور سے دو صورتیں ہوا کرتی ہیں یا تو اس مخلص بندہ کو مصائب اور پریشانیوں میں اس قدر مبتلا کیا جاتا ہے کہ یہ زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے یا مرتے وقت اتنی بشارتیں

دی جاتی ہیں اور ایسی چیزیں دکھائی جاتی ہیں کہ اس پر موت آسان ہو جاتی ہے اور مرتے وقت کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی نہیں ہوتی، اس طرح وہ کام بھی ہو جاتا ہے جو میاں چاہتے ہیں اور اس بندے کو بھی ناگوار خاطر نہیں ہوتا۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ اللہ تعالیٰ کی لقاء اور ان کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس بندہ سے ملاقات کی خواہش کرتے ہیں اور جو بندہ ان کی ملاقات سے گھبراتا ہے تو وہ بھی اسکی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس پر ازواج مطہرات میں سے کسی بیوی نے کہا یا رسول اللہ انّا لنکرہ الموت لقاء الٰہی تو مرنے کے بعد ہی نصیب ہوگی اور موت کو طبعًا ہم سب ناپسند کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ مسلمان کی موت کا وقت جب قریب ہوتا ہے تو بشر برضوان اللہ وکرامتہ یعنی اللہ کی طرف سے بشارت دی جاتی ہے اور خدا کی رضامندی اور خدا کی جانب سے اعزاز کا اظہار کیا جاتا ہے، ان بشارتوں کو سنکر بندہ کو خدا کی لقاء کا شوق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی ملاقات کا شوق ظاہر کرتا ہے اور کافر کی موت کا وقت جب قریب ہوتا ہے تو اسکو عذاب الٰہی کی خبر دیجاتی ہے اور خدا کے غصہ سے اس کافر کو مطلع کیا جاتا ہے تو اس وقت کافر خدا کی ملاقات کو مکروہ سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اسکی لقاء کو ناپسند کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تردد کا دفعیہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ یا تو اپنے مخلص

بندے کو موت کے وقت اس قسم کی نعمتوں سے مشرف کرتے ہیں کہ وہ موت اس کو عزیز معلوم ہونے لگتی ہے اور یا پھر مصائب و آلام میں اتنا مبتلا کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی زندگی سے گھبرا کر موت کو محبوب سمجھتا ہے، اور اس طرح اسکی روح بھی قبض کر لیتے ہیں اور اس کو ناگوار بھی نہیں گذرتا۔ یہ ہیں وہ الطاف و کرم جو حضرت حق کی جانب سے اپنے مقبول بندوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ بحث تو دوران گفتگو میں آگئی تھی ورنہ اصل میں تو وآتٰکم من کلّ ما سألتموہ پر تقریر ہو رہی تھی۔ میں عرض کر رہا تھا کہ جو کچھ تم نے مانگا تھا وہ سب مل گیا مگر ہر شے میں سے تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت دیا گیا ہے۔ عربی میں تو اس مفہوم کو لفظ مِن کُلّ نے ادا کر دیا، لیکن اردو میں یہ بات اُلجھ گئی اور یہ امر مشکل ہو گیا کہ اس مفہوم کو کس طرح ادا کیا جائے۔ اِس اُلجھاؤ کو حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے الہامی ترجمہ میں جس طرح صاف کیا ہے وہ شاہ صاحبؒ ہی کا کمال ہے۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ شاہ صاحب کا کیا کمال جب بندہ سے حضرت حق کام لینا چاہتے ہیں تو اس سے خود ہی لے لیا کرتے ہیں۔ پردہ میں خود رہتے ہیں ظاہر میں وہ بندہ ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ خود ہی اُس کام کو انجام دیتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب تو حال کے لوگوں میں ہیں اسلامی تاریخ میں تو اس قسم کے ہزاروں مافوق الفطرت واقعات ہیں جو بظاہر انسان کی طاقت سے خارج معلوم ہوتے ہیں لیکن انسانوں ہی نے اُن واقعات کو انجام دیا ہے۔ آج کل کے ملحدین اقرار کریں یا انکار لیکن اس امر کے تسلیم کرنے سے کوئی

مفر نہیں کہ ایک ایسی خفیہ طاقت موجود ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی اور اپنی مخلوق کے قوائے عقلیہ اور قوائے ظاہریہ میں چھپی بیٹھی رہتی ہے اور جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو کر گذرتی ہے اور دنیا کے عقلاء کو محوِ حیرت بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ بہرحال شاہ صاحبؒ نے جو ترجمہ کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی۔ کیا خوب ترجمہ ہے۔ اس سے بہتر ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا یعنی سب میں سے بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا عطا فرما دیا۔ یہ اردو کا محاورہ اب بھی استعمال ہوتا ہے، آپ کے سامنے مثلاً دودھ رکھا ہے میں آپ سے کہوں۔ اس میں سے مجھے بھی پلاؤ، تو مطلب یہ ہوگا کہ اس دودھ کا بعض حصہ مجکو پلاؤ۔ میں سے یہ دو لفظ شاہ صاحب نے ایسے رکھے ہیں جو تمام عبارت کی جان ہیں۔

ایک اور شبہ کا جواب

آپ حضرات کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ ہم نے سوال کب کیا تھا، وہ ہماری درخواست ہم کو دکھائی جائے اور ہماری کوئی درخواست نہیں تو سالتموہ کیوں فرمایا تو بھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ضرورت کی تمام اشیاء مہیا فرمائیں، تم مانگو یا نہ مانگو، فقیر کی صورت سوال ہے۔ تم کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے تمہاری ضروریات کا خیال کیا اور ان تمام چیزوں سے بقدر ضرورت مہیا کر دیا جس کی ضرورت واقع ہونے والی تھی حتیٰ کہ جسمانی ضروریات کے ساتھ روحانی ضروریات کا سامان بھی مہیا فرمایا اور جس چیز کی ضرورت تم کو اس عالم میں پیش آنے والی تھی وہ تم کو عطا کر دی۔ چونکہ ہماری ضروریات کا شمار خود ہماری طاقت سے خارج ہے اور جب نعمتوں کا شمار ہی ناممکن ہے تو شکریہ ہر نعمت کا کس طرح ممکن ہو سکتا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ

نے گلستان کے دیباچہ میں اپنی بے بسی اور بے کسی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔ ہر نفسے کہ فرو میرود ممدِ حیات است وچوں برمی آید، مفرحِ ذات پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب:

جب ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں پنہاں ہیں تو بتائیے ایسے منعم کے انعامات کا کیا ٹھکانہ ہے اور جب کسی منعم کے احسانات اور کسی محسن کے انعامات حیطۂ شمار سے ہی باہر ہوں تو ان کا شکریہ کس طرح ادا ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بقیہ قصہ

الٰہی احسانات کی طرف حضرت موسیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا، الٰہی اوّل تو ان احسانات کا شمار ہی میری طاقت سے خارج ہے پھر یہ کہ اگر میں کسی نعمت کا شکریہ ادا بھی کروں تو یہ ایک مستقل احسان ہے کیونکہ نیک عمل کی توفیق دینا بھی تو احسان ہے۔ اور جب کسی نعمت کا شکریہ ادا کروں گا تو یہ شکریہ آپ کی توفیق پر موقوف ہوگا اور پھر اس توفیق کا شکریہ ادا کروں گا تو یہ بھی آپ کی عنایت اور توفیق پر موقوف ہوگا۔ اسی طرح لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔ ظاہری انعامات کے علاوہ کسی نیک عمل کی توفیق عطا فرمانا یہ بھی ایک مستقل نعمت ہے اور اس طرح اگر حساب لگاتے چلے جاؤ تو فریضۂ شکر کی ادائیگی قطعاً ناممکن ہو جاتی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس اعترافِ عجز کا جواب دیا گیا۔ موسیٰ! اگر کوئی بندہ اس امر کا اعتراف کرے کہ وہ ہمارے احسانات کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ اعتراف ہی ہمارے نزدیک ہماری تمام نعمتوں کا شکریہ ہے، گویا بندہ یہ کہہ دے کہ میں آپ کے احسانات و انعامات کا شکریہ

ادا کرنے سے عاجز ہوں تو اظہار عجز ہی شکریہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے اگرچہ یہ اعتراف بھی اُن ہی کی توفیق پر موقوف ہے۔

معاذ اللہ خدا سے شکوہ

ہاں صاحب! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مجکو تو حضرت حق سے کوئی شکوہ ہے نہیں۔ تم جانو اور وہ جانیں۔ میں نے تو تم کو قرآن کی آیت سُنادی تم تو اس آیت کا مطلب بھی نہ سمجھے ہوگے اور تم سمجھتے بھی کیسے جب تم کو قرآن و سُنّت سے دلچسپی ہی نہیں تو سمجھ کیسے سکتے ہو۔ ذرا وَلَوْلَا اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً پر غور کرو۔ اگر سب لوگ یکساں ہو جاتے یعنی اگر مسلمانوں کے کافر ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم کافروں کو بہت کچھ دیتے۔ اس کا مطلب ایک تو وہی ہے جو میں نے عرض کیا یعنی تم کو شکوہ ہے کہ سب کچھ غیروں کو دیدیا اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے جو دینا چاہتا تھا وہ نہیں دیا۔ خیر یہ مطلب تو ظاہر ہی ہے لیکن ایک بات اور بھی ہے جو میں کہنا نہیں چاہتا وہ بات شرم کی ہے تم کو تو شرمندگی ہو یا نہ ہو مگر ایک غیرت دار انسان کے لیے تو وہ بہت بڑی بات ہے اس آیت میں جو سب سے گہری بات ہے وہ یہ ہے کہ ہم پر بھی عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے اور ہمارے ایمان و استقلال کی کمزوری کا اظہار کیا گیا ہے گویا ہم ایسے ضعیف الاعتقاد ہیں کہ کافروں کی دولت و ثروت دیکھکر اُن کی طرف مائل ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے ہماری آبرو رکھی اور غیروں کے سامنے شرم رکھلی، اگر کافروں کو وہ سب کچھ مل جاتا جو وہ دینا چاہتے تھے تو نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہوتا وہ تو خدا نے خیر کی کہ غیروں کو وہ نہ دیا جو دینا چاہتے تھے ورنہ ہم اس دنیا کے پیچھے کافر ہو جاتے۔

بھائی بُرا ماننے کی بات نہیں، بات تو سچی ہے اگرچہ تلخ ہے، آیت کیا ہے ایک قسم کا ووٹ آف سینشر ہے اور اسکی ذمہ داری بھی ہم پر ہی عاید ہوتی ہے اگر ہمارے ایمان کمزور اور ضعیف نہ ہوتے تو ہمارے منہ سے ایسی بات ہی کیوں نکلتی۔ وہ مرزا داغ نے کیا خوب کہا ہے ؎

تری رنجش کھلی طرز بیان سے
نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زبان سے

تمہاری خفیف الحرکتی نے یہ سب کچھ سنوایا۔ اگر تم مضبوط ہوتے تو حضرت حق کیوں اس خطرہ کا اظہار کرتے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ آپ کو اس پر تعجب کیوں ہوا۔ آج مسلمان دنیا کے لالچ اور دولت کی محبت میں کیا کچھ نہیں کر رہے۔ ایک کفر ہی باقی رہ گیا ہے ورنہ آپ نے کون سا کام اُٹھا رکھا ہے، تمام فسق و فجور کے منازل آپ طے کرکے بیٹھے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تو کونسا بیجا فرمایا وہ کونسا گناہ ہے جو روپیہ کی خاطر آپ نہیں کرتے

عبادات سے زیادہ معاملات خراب ہیں

عبادات کا قصور تو ایک حد تک برداشت بھی کیا جاسکتا ہے لیکن معاملات کی کوتاہی تو ناقابل برداشت ہے، جھوٹی قسم آپ کھالیں، جھوٹی گواہی آپ دیدیں، کسی سے لیکر آپ دینا نہیں جانتے پھر لطف یہ ہے کہ مقروض ہوکر ایسا دھمکاتے ہیں جیسا کوئی قرض خواہ ڈانٹتا ہے۔

میرے عزیزو! معاف کرنا وہ کونسا جرم ہے وہ کونسی خطا ہے وہ کونسا گناہ ہے جو تم نے چھوڑ رکھا ہے، تمہارے اس لالچ نے تم کو یہ کڑوی بات سنوائی۔ یہ تو منافقوں کی حالت تھی کہ اُن کو روپیہ مل جائے تو وہ خوش ہیں

ورنہ سنہ بنائے بیٹھے ہیں۔ حضرت حق بعض منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون۔ منافقوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اے ہمارے پیغمبر آپ کو صدقات وخیرات اور مال غنیمت کی تقسیم پر عیب لگاتے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ ان کو کچھ دیدو تو راضی ہیں اور اگر نہ دو تو خفا ہو جاتے ہیں یہ حرکت تو منافقوں کی بیان کیگئی ہے۔ آج ہم سب کی یہی حالت ہے اللہ تعالیٰ دُنیا دیدیں تو خوش ہیں اسلام بہت اچھا مذہب ہے۔ اور اگر تنگدستی یا فقر سے واسطہ پڑجائے تو ناراض ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمام مسلمان ایسے ہی ہیں اگر مخلص بندے نہ ہوں تو دُنیا کس طرح قائم رہ سکتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسلمانوں کی عملی حالت خراب ہے جب مسلمان روپیہ کے لالچ میں فسق کر سکتا ہے تو کفر کرنے میں کون سی چیز مانع ہے، کیا آج صدہا مسلمان ملازمتوں کے لالچ میں قادیانی نہیں ہو رہے ہیں۔

چودھری ظفراللہ سے اختلاف

آپ کو معلوم ہے ہندوستان کے مسلمانوں نے چودھری ظفراللہ کے تقرر سے کیوں اختلاف کیا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ گورنمنٹ کا اس پر کیا اثر ہوا۔ آپ جانتے ہیں ہندوستان کی حکومت ایک اجنبی حکومت ہے، اس کو ہمارے جذبات کی پروا نہیں ہوتی وہ اپنی مصالح کے مقابلہ میں ہندوستان کی بڑی سے بڑی آواز کو ٹھکرا دیتی ہے اس لئے اس نے مسلمانوں کی چیخ وپکار کی کوئی پروا نہیں کی، اور ظفراللہ کو ایگزیکٹو کونسل کا ممبر مقرر کرلیا۔ میں اسوقت چودھری صاحب کی شخصیت سے بھی

بحث کرنا نہیں چاہتا، وہ بڑے سمجھدار سہی، قانون دان سہی اور بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ میاں سر فضل حسین کے آوردہ اور بے پالک سہی اور میاں صاحب اس وقت اُمت اسلامیہ کی کشتی کے ناخدا ہیں پھر اُن کے انتخاب پر اعتراض کرنا بھی سوء ادبی ہے۔ یہ سب کچھ سہی لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ قادیانی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں، قادیان کے باغیان رسالت کی جماعت کے ایک فرد ہیں جو جماعت ہمارے نقطۂ نگاہ سے کافر ہے۔ باغی رسالت کا اتنے بڑے عہدہ پر فائز ہونے کا مطلب ہے کہ تعلیمیافتہ طبقہ کو کفر کی دعوت دینا ہے۔ تعلیمیافتہ طبقہ جو پہلے ہی مذہب سے ناآشنا ہوتا ہے اس کو گمراہ کر لینا کچھ مشکل نہیں پھر اس کے ساتھ نوکریوں کا لالچ بھی ہو اور زمانہ بھی ایمان کی کمزوریوں کا ہو، ان حالات میں ان مشکلات کا تصور کرنا مشکل ہے جو چودھری صاحب کی ذات سے پیش آنے والی ہیں۔ چودھری ظفر اللہ کا برٹش ایمپائر میں حصہ دار بنجانا دجال کے خروج سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں ایکطرف سب کچھ ہے مگر ایمان نہیں ہے۔ دوسری طرف کچھ نہیں ہے۔ مگر ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ دیکھو سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہے

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند
جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

میں دانا نہ سہی، نادان سہی مجھے اپنی بے وقوفی کا خود ہی اعتراف ہے لیکن ہے

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو مے گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

آیت قرآنی کا مطلب

ہاں تو آیت قرآنی کے معنی پر بحث ہو رہی تھی۔ اور ہیں نے ایک عمیق معنی کی طرف اشارہ کیا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ وہ معنی آیت میں موجود ہیں اگرچہ یہ ضرور ہے کہ وہ معنی تمام مسلمانوں کے خلاف نہیں ہیں، سب مسلمان ہم جیسے تو نہیں ہیں۔ آخر اس دنیا میں اللہ کے وہ بندے بھی تو ہیں جو ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرتے ہیں اور ان کی تیوری پر بل نہیں پڑتا۔ انہوں نے دنیا میں کبھی راحت و آرام کی شکل نہیں دیکھی اور کبھی آج تک حرف شکایت زبان پر نہ لائے، سب دکھ برداشت کئے اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کئے، اُن کے منہ سے بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی

عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیرًا منہا انا الی ربنا راغبون عنقریب ہمارا پروردگار ہم کو اچھی حالت میں تبدیل کر دے گا، ہم تو اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ وہ آپ کے ملا عراقی نے کیا خوب کہا ہے

؎ نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ان پر تکالیف و مصائب کی بارش کی گئی لیکن انہوں نے اُف تک نہ کی انہوں نے قیصر و کسریٰ کے خزانے دیکھے مگر کبھی انپر للچائی ہوئی نظر نہیں ڈالی، اُن پر مرض کا حملہ ہوا، فاقے ہوئے، مختلف درد و دکھ میں مبتلا کئے گئے لیکن انہوں نے کبھی شکوہ شکایت کا ایک لفظ زبان سے نہ نکالا یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر ہر قسم کا اعتماد ہے ان کی پختہ ایمانی اور ان کے صبر و استقلال کا خود حضرت حق نے اعتراف فرمایا۔ سورہ انفال میں فرماتے ہیں اُولٰئک ھم المؤمنون حقًا یہی لوگ ایمان و اذعان کے

پختہ ہیں۔ سورۂ حج میں فرماتے ہیں وبشر المخبتین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم والصابرین علی ما اصابھم، ہمارے ان عاجز بندوں کو مبارکباد دیدیجئے جو بیچارے اپنی غربت اور فقر کی وجہ سے لاچار ہیں لیکن اُن کی حالت یہ ہے کہ جب اللہ کا نام اُن کے سامنے لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور ان کو جو مصیبت پہنچتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور فرمایا وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون، ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدیجئے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہا کرتے ہیں، ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ جب ان کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کیجاتی ہے تو یہ بجائے متأثر ہونے کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کا وظیفہ یہ ہوتا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل، ان کا ایمان واسلام اتنا پختہ اور مضبوط ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے مال غنیمت دوسروں کو دیا جاتا ہے اور ان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ ان کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ یہ ہوتے ہیں حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون ہم کو ہمارا اللہ کافی ہے ہم کو جو کچھ ملنا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول دیدے گا ہم تو ہر حال میں اپنے مولیٰ سے خوش ہیں اور اسی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

انصار کا واقعہ

اسی مال غنیمت کے سلسلے میں مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ طائف کی فتح کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور مجاہدین پر یہ

مال تقسیم کیا گیا تو بعض مصالح سیاسیہ کے اعتبار سے ان نو مسلموں کو کسی قدر زیادہ دیا جو اسلام میں نو وارد تھے۔ بعض منافقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا هذه المقسمة ما عدل فيها وما اريد بها وجه الله یہ ایسی تقسیم ہے جس میں انصاف سے کام نہیں لیا جا رہا ہے اور یہ تقسیم اللہ کے لئے نہیں ہو رہی ہے بلکہ معاذ اللہ اس میں شیطان کا حصہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کلمات پہونچے تو آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول بھی نا انصافی کرے تو پھر انصاف کون کرے گا۔ رحم الله علی اخی موسیٰ قد اوذی باکثر من هذا فصبر۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم کرے انکو تو ان معاملات میں مجھ سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی مگر انہوں نے صبر کیا

قبیلہ تمیم کا ایک منافق

قبیلہ تمیم کے ایک منافق نے جسکو ذوالخویصرہ کہا کرتے تھے کہا اور اعتراض کے لہجہ میں کہا اے محمد جو کچھ تم کر رہے ہو میں خوب سمجھ رہا ہوں، آپ نے فرمایا تو کیا سمجھ رہا ہے اُس مردود نے کہا کہ آپ نا انصافی کر رہے ہیں۔ مستحقین کو محروم کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر میں انصاف نکروں گا تو پھر کون انصاف کرنے آئے گا۔

اس گستاخ کی اس حرکت پر حضرت عمر نے اس منافق کے قتل کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا اے عمر ایسا نکرو ورنہ میرے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا جائے گا کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کراتا ہوں حضرت خالد نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ اس ملعون کو قتل کردوں، آپ نے فرمایا خالد یہ نماز پڑھتا ہے نماز پڑھنے والے کو کس طرح قتل کی اجازت

دیدوں ۔ حضرت خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ کہ مصل یقول بلسانہ مالیس فی قلوبہ بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ نماز ان کی زبان پر ہوتی ہے لیکن نماز کا کوئی اثر اُن کے قلب میں نہیں ہوتا ۔ اس کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیا وہ یہ تھا ۔ انی لم اومر ان انقب من قلوب الناس ولا اشق بطونہم لے خالد مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر اور ان کے سینے چیر کر دیکھا کروں بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس ذوالخویصرہ نے یہ بھی کہا اے محمد خدا سے ڈرو یہ جو کچھ کر رہے ہو سخت ناانصافی کر رہے ہو ۔ آپ نے اس گستاخ کے جواب میں فرمایا ۔ اگر میں بھی اللہ تعالیٰ کی معاذ اللہ نافرمانی کرنے لگوں تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا ، مجھکو اہل زمین اور اہل آسمان امین سمجھتے ہیں لیکن تم مجھ پر اطمینان نہیں کرتے آسمان میں مجھ کو امین سمجھا جاتا ہے میرے پاس صبح اور شام آسمان کی خبریں آتی ہیں لیکن تم میری امانت میں شک کرتے ہو ۔

انصار کے بعض نوجوانوں کی غلط فہمی

اس تقسیم کے چرچے اور بعض منافقین کے پروپگنڈے سے

انصار کے بعض ناتجربہ کار نوجوان بھی متاثر ہو گئے اور ان میں سے بعض نے کہا ان ھذا لھو العجب یعطی قریشا ویترکنا وسیوفنا تقطر من دمائھم یہ عجیب بات ہے مال غنیمت قریش کو دیا جا رہا ہے اور ہم کو نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ ہماری تلواریں ابھی خون سے خشک بھی نہیں ہوئیں ، ہماری تلواروں سے تو ابھی خون ٹپک رہا ہے ، اور مال غنیمت ہمارے غیروں کو دیا جا رہا ہے جب مصیبت کا وقت آتا ہے

تو ہم بلائے جاتے ہیں اور جب غنیمت کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو غیروں یعنی قریش کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ہماری تلواروں سے تو خون ٹپک رہا ہو، ہماری تلواریں تو خون سے رنگین ہوں اور مال دوسرے لیجائیں۔ اگر یہ تقسیم اللہ کے حکم سے کی گئی ہے تو ہم کو کوئی شکایت نہیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے ایسا کر رہے ہیں تو افسوس کے ہمارے لئے یہ تقسیم تکلیف دہ ہے۔

سعد بن عبادہ انصاری کی اطلاع

منافقین اور مخلصین کی اس تمام گفتگو کا خلاصہ سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور نہایت ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ انصار میں اس تقسیم کے متعلق سخت برہمی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تفصیلات معلوم کیں اور اس کے بعد سعد سے دریافت کیا اے سعد! تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟ تم اس تقسیم کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو؟ سعد نے نہایت ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ ما انا الا قومی یا رسول اللہ میں بھی آخر انصار کا ہی ایک فرد ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اچھا جاؤ تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کردو اور اس کا خیال رکھو کہ صرف انصار جمع ہوں۔ مہاجرین میں سے کوئی شخص اس جلسہ میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ سعد بن عبادہ نے تمام انصار کو ایک چمڑے کے خیمہ میں جمع کیا اور جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تشریف لے گئے جب آپ خیمہ میں پہونچے تو آپ نے بعض مہاجرین کو بھی وہاں دیکھا۔ چنانچہ آپ نے مہاجرین سے فرمایا کہ

تم یہاں سے چلے جاؤ مجھے انصار سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ مہاجرین وہاں سے چلے گئے پھر آپ نے فرمایا تم میں کوئی غیر انصاری تو نہیں ہے بعض لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ایک لڑکا ہے جو ہمارا بھانجہ ہوتا ہے یعنی ہے تو بہن کا لڑکا مگر وہ بہن مہاجر کی بیوی ہے۔ آپ نے فرمایا خیر بھانجہ تو قوم ہی میں سے ہوتا ہے اسے بیٹھا رہنے دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دردانگیز خطبہ

اس کے بعد آپ نے انصار کو مخاطب کرکے فرمایا۔ مجھے تمہاری طرف سے بعض الفاظ پہنچائے گئے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ تم کو میرے طرز عمل سے کوئی شکایت ہوئی ہے وہ کیا الفاظ ہیں جو تم نے کہے ہیں اور وہ کیا بات ہے جو مجھ تک پہنچی ہے یہ سنکر تمام انصار پر خاموشی چھا گئی۔ آپ نے پھر فرمایا بتاؤ وہ کیا بات ہے جو تم نے کہی ہے۔ اس کے بعد کسی نے کہا جو دانشمند آپ کو پہنچایا گیا ہے وہ صحیح ہے لیکن کسی بڑے آدمی نے کوئی بات نہیں کہی ہے بلکہ بعض ناتجربہ کار لڑکوں کے منہ سے کچھ نکل گیا ہے جس کا ہم سب کو افسوس ہے انہوں نے یہ الفاظ بیشک کہے ہیں یغفر اللہ تعالیٰ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ لعطی قریشا ویترکنا وسیوفنا تقطر من دمائھم یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمائے آپ نے ہم کو نظر انداز کردیا اور قریش کو ہوازن و ثقیف کی غنیمت عطا کی حالانکہ ہماری تلواریں کافروں کے خون سے تر ہیں اور تلواروں سے ہماری ان کا خون ٹپک رہا ہے جب آپ یہ الفاظ سن چکے تو آپ نے فرمایا

یا معشر الانصار الم اٰتکم ضلالا فھداکم اللہ بی وعالۃ

فاغناکم اللہ بی واعداءً فالّف بین قلوبکم وکنتم متفرقین فجمعکم اللہ بی یا معشر الانصار الویمن اللہ علیکم بالایمان وخصکم بالکرامۃ وسماکم باحسن الاسماء انصار اللہ وانصار رسولہ،

اے انصار کی جماعت کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میں جب تمہارے پاس آیا تو تمہاری حالت یہ تھی کہ تم سب گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو میری وجہ سے ہدایت عطا فرمائی کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میں جب مدینہ آیا تو تم سب محتاج ومفلس تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میری وجہ سے مالدار اور سرمایہ دار کردیا کیا یہ واقعہ نہیں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھا اور میرے آنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ومحبت پیدا کردی اور تم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوگئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم متفرق تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو جمع کردیا اور تمہاری پھوٹ دور ہوگئی اے انصار کیا یہ اللہ کا احسان نہیں ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی اور تم کو مسلمان بنایا اور تم کو شرافت وکرامت کے ساتھ مخصوص کیا اور تم کو بہترین لقب سے سرفراز فرمایا تمہارا نام انصار اللہ اور انصار رسول اللہ رکھا گیا۔ آپ نے یہ چند کلمات فرماکر سکوت اختیار کیا

انصار کا جواب

تو انصار نے کہا بیشک اللہ اور اس کے رسول کے احسانات کا ہم اعتراف کرتے ہیں، آپ جب تشریف لائے تو ہم مدینے والے کفر کی تاریکی میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ہم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کے نور میں داخل کیا۔ ہم دوزخ کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے ہم کو جہنم سے بچالیا، آپ جب تشریف لائے تو آپ نے ہم کو گمراہ پایا

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے ہم کو ہدایت عطا فرمائی۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے سے راضی ہیں اور آپ کے نبی اور رسول ہونے سے راضی ہیں، آپ کا جو دل چاہے وہ کیجئے ہماری طرف سے ہر قسم کی اجازت ہے احسان تو اصل میں اللہ اور اس کے رسول ہی کا کام ہے ہم کو اپنے محسن سے نہ شکوہ ہے نہ کوئی شکایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہر شخص کے لئے ہے وہ اپنا فضل ہم پر بھی کرتا ہے اور ہمارے غیروں پر بھی کرتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ

انصار کا یہ جواب سنکر پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جواب کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کیا جواب دیں ہمارے خیال میں جو بات تھی وہ ہم نے عرض کردی۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے جواب میں یہ کہہ سکتے ہو اتیتنا مکذبا فصدقناك ومخذولا فنصرناك وطريدًا فآويناك وعائلا فاغنيناك وخائفًا فامناك۔ آپ مدینہ میں جب آئے تو آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلا دیا تھا لیکن ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ ایسی حالت میں آئے تھے کہ آپ کا کوئی حمایتی نہیں تھا، ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ ایسی حالت میں آئے تھے کہ آپ کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، آپ کی قوم آپ کو مکہ میں رکھنے کی سخت خلاف تھی ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔ اور آپ کو مدینہ میں ٹھہرایا، آپ جب آئے تو آپ اور آپ کے ساتھی مفلس تھے، ہم نے اپنی دولت سے آپکو غنی اور مالدار بنادیا۔ آپ جب اپنی قوم سے روپوش ہوکر آئے تو آپ خوف زدہ تھے ہم نے آپ کو امن دیا اور آپ کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہوئے۔ اے انصار! اگر تم مجھکو یہ جواب دو تو دے سکتے ہو اور اگر تم مجھکو یہ جواب دو تو میں تمہاری

تصدیق کرونگا اور تم اس جواب میں سچے ہو گے۔

نومسلمونکی تالیف قلوب

اے انصار! اگر میں نے اسوقت قریش کو کچھ دیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے بعض نومسلمونکی "تالیف قلوب" کی وجہ سے میں نے دیا ہے، تم تھوڑی سی دنیا کا لالچ کرتے ہو لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ میں تمہارے اسلام پر اعتماد کرتا ہوں مجکو تمہاری پختہ ایمانی پر بھروسہ ہے جن کو میں دیتا ہوں اُن کے ایمان کو ضعیف خیال کرتا ہوں اور یہ سمجھ کر دیتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام سے روگردانی نہ اختیار کریں۔

اے انصار! کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ وہ لوگ اپنے گھروں کو بکریاں اور اونٹ لیکر جائیں اور تم اپنے گھروں کو جب جاؤ تو رسول اللہ کو لیکر جاؤ۔ خدا کی قسم اگر ہجرت مقدر نہ ہوتی تمیں بھی انصار میں سے ہی ہوتا۔ اگر لوگ ایک راستہ اختیار کریں اور انصار ایک راستہ اختیار کریں تو میں اس راہ پر چلونگا جس کو انصار اختیار کریں گے۔ یا اللہ! انصار پر رحم کر، یا اللہ انصار کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اسکی اولاد پر رحم فرما۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے تو انصار پر ایک کیفیت طاری تھی۔ تمام انصار چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ انصار میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے آنسو رخسار سے بہکر زمین پر نہ گرے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس درد انگیز خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں رَضِینَا بِرَسُولِ اللّٰہِ قِسْمًا وَحَظًّا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول سے ہر حالت میں راضی ہیں ہمیں کوئی تقسیم کے متعلق شکایت نہیں ہمیں مال کی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ہمارے حصہ میں آجانا ہی کافی ہے۔

حضرات! اس تقریر کا ایک ایک لفظ تشریح طلب ہے، میں کیا عرض کروں اس سمندر ناپیدا کنار میں کتنے جواہر اور کتنے دُرِ نایاب پنہاں ہیں، کاش وقت ہوتا اور مجھ میں طاقت ہوتی تو میں بتاتا کہ سیاسی اور مذہبی اور سوشل طریقہ سے یہ تقریر کتنی جامع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل، آپ کے صبر، آپ کی دُور اندیشی، آپ کی مآل اندیشی، آپ کے تدبر، آپ کی فہم و فراست، آپ کے اخلاق، آپ کی تواضع، آپ کی سیاست آپ کی صداقت و امانت، آپ کے عدل و انصاف، فوج کے کنٹرول کی خداداد قابلیت۔ ایجی ٹیشن کو دبانے کی صلاحیت، وفاداروں کی دلجوئی غرض کیا عرض کروں۔ اس تقریر میں کیا کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ رسالت کا تاج بلکہ ختم رسالت کا تاج اسی کو زیبا تھا جس کو اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب نے ازل میں یہ کہکر منتخب کیا تھا کہ اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ،

اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

عالم ہمہ یغمائے تو خلق خدا شیدائے تو
این نرگس رعنائے تو آوردہ رسم دلبری

ہرگز نیاید در نظر صورت زرویت خوبتر
شمسی ندانم یا قمر، یا زہرہ یا مشتری،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے کاذب اور مفتری اور دجال

انہ نبی کہتے ہوئے آئے لیکن وہ بات کہاں ؟ مسیلمہ کذاب سے لیکر مرزا غلام احمد قادیانی بلکہ اس نکٹے نبی تک جو سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں گواہی دینے آیا تھا۔ کتنے دجال پیدا ہوئے اور منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد کہتے ہوئے آئے لیکن آخر ذلت و رسوائی اور نکبت و فلاکت اور ہوان و خذلان کی موت مر گئے، آفتاب اپنی جگہ رہا اور یہ نجاست کے کیڑے نجاست ہی میں پیدا ہوئے اور نجاست ہی کی نذر ہو گئے، یہ کمبخت محمد و احمد تو کیا ہوتے ان بدنصیبوں کو تو اس ذات مقدس کی نقل کرنی بھی نہیں آئی۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ نے کیا صحیح ارشاد فرمایا ہے ؎

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست
کلاہ داری و آئین سروری داند

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

در آب دیدۂ خود غرق ام چہ چارہ کنم
کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند

اور ایک صاحب نے انہی جھوٹے نقالوں اور کاذب نبیوں کے متعلق فرمایا ہے

نہ ہر گیاہ کہ روید صنوبری داند
نہ ہر کہ خطبہ بخواند پیمبری داند

خیال سایہ نشینان قد یار جدا است
وگرنہ ہر شجرے سایہ گستری داند

مخلص مسلمانوں کا نظریہ

میرے معزز دوستو! عدم اعتماد کا اظہار تو اسی شخص پر کیا جاتا ہے جو اپنے اعتماد کو زائل کر چکا ہو اور جو جماعت اپنے اعتماد کو قائم کر چکی ہو اس پر عدم اطمینان کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے جو تمام مصائب کا مسرت آمیز استقبال کیا کرتے ہیں اُن کی طرف سے نہ تو یہ خطرہ ہے

کہ وہ کافروں کی دولت دیکھکر کافر ہوجائیں گے اور نہ وہ آیت ہیں داخل ہیں یہ ملامت کا ووٹ تو انہی نالائقوں کے لئے ہے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے رہتے ہیں اور کھاتے پیتے میاں کی نافرمانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں سب کچھ کافروں کو دیدیا مجھکو کچھ بھی نہیں دیا۔ جب ان نالائقوں کی اب یہ حالت ہے تو اگر واقعی کافروں کو کچھ ملجاتا تو یہ کفر قبول کر لیتے ہیں کون سی بات مانع تھی۔ کہاں ہم ناسپاس و ناشکرگذار اور کہاں وہ مخلص و وفا شعار جن کا تعارف ان الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ الصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ صبر کرنیوالے۔ سچ بولنے والے پرہیزگار اور قناعت، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور صبح کے وقت طلوع صبح صادق سے قبل استغفار کرنیوالے اور یہ استغفار بھی گناہوں پر نہیں کیونکہ اُن کے پاس گناہوں کے لئے وقت کہاں ہے بلکہ نیکیوں کی قلت اور نیک اعمال کی کوتاہی پر استغفار کرتے ہیں سورۂ ذاریات میں فرماتے ہیں گانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ رات کو بہت ہی قلیل عرصہ کے لئے اُن کی آنکھ جھپکتی ہے اور صبح سویرے اپنے خدا سے استغفار کرتے رہتے ہیں یہ استغفار یا تو اس بنا پر کہ تھوڑی دیر بھی کیوں سوئے یا اس بنا پر کہ رات بھر کی عبادت میں اگر کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو اسکو معاف کردیا جائے۔

سعید روحوں کا استقبال

برادران ملت! آپ کو معلوم نہیں جب ان صابرین اور مخلصین کی ارواح طیبہ اس عالم سے سفر کرتی ہیں تو ملاءِ اعلیٰ کی بسنے والی قوموں کو ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ ان سعید روحوں کا استقبال کرو اور ان کو ان کی شان کے قابل

اعزاز و اکرام سے لاؤ۔ ملأ اعلیٰ کے کروبی عرض کرتے ہیں الٰہی یہ کون لوگ ہیں جن کے استقبال کے لئے ہم کو بھیجا جاتا ہے۔ یہ زمین کے رہنے والے اور ہم آسمان کے باشندے ہم سے ان خاکی بندوں کا استقبال کیوں کرایا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تم کو خبر نہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں کبھی مسرت و خوشی کی شکل نہیں دیکھی۔ میں نے ان کی ہزاروں حسرتیں پامال کر دیں، ان کے افلاس اور ان کی غربت نے ان کی ایک تمنا بھی پوری نہ ہونے دی اور انہوں نے کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ یہ مرے تو ہزاروں حسرتیں سینے میں لیکر مرے اور ہزاروں تمنائیں ان کے ساتھ ان کی قبر میں دفن ہوئیں انہوں نے کبھی دنیا کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھا یہ فاقہ سے رہے اور ان کے پاس پیٹ بھرنے کو پیسہ نہ تھا یہ بیمار رہے اور اپنی غربت کے باعث دوا بھی نہ کر سکے۔ میں نے ان پر امتحانات و ابتلا کی بارش کی لیکن یہ آخر دم تک ثابت قدم رہے ملائکہ ان فضائل کو سنکر ان کی طرف دوڑتے ہیں اور نہایت ادب و احترام سے ان سعادتمند ارواح کا استقبال کرتے ہوئے کہتے ہیں سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ تم پر سلامتیاں نازل ہوں تم نے انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کیا تم کو آخرت کی خوبیاں اور بھلائیاں مبارک ہوں۔ بھلا ان معزز حضرات کے ایمان میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے بلکہ آیت میں جو کچھ فرمایا ہے اور جو تنبیہ کی گئی ہے وہ ہم ضعیف الاعتقاد لوگوں کو کی گئی ہے۔

ابن فارض رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرات! آپ کو تو دنیا کا گلہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے وہ مخلص بندے بھی ہیں جو جنت کا گلہ بھی نہیں کرتے تم ان کو کتنا ہی ذلیل اور حقیر سمجھو

لیکن تم کو معلوم نہیں اُنہی ضعفاء اور غرباء کے صدقہ میں تم کو رزق دیا جاتا ہے اور مشکلات میں تمہاری مدد کی جاتی ہے، انہی کی بدولت تم پر بارش کی جاتی ہے وہ نہ ہوں تو تم کو زندگی کا مزہ آجائے۔ رُبّ اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لابرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بہت سے پراگندہ حال اور خاک آلودہ لوگ جن کی ظاہری حالت بہت ہی شکستہ ہے کپڑے پھٹے ہوئے، جوتی ٹوٹی ہوئی، ظاہری حالت ایسی ہے کہ کسی مجلس میں جائیں تو کوئی یہ کہنے والا نہیں کہ تشریف لائیے اور اگر اُٹھکر چلے جائیں تو کوئی یہ کہنے والا نہیں کہ تشریف رکھئے ابھی کہاں جاتے ہیں، کہیں منگنی کا پیام دیں تو کوئی ان کو بیٹی نہ دے لیکن یہ شکستہ حال اور پراگندہ بال اللہ کے نزدیک ایسے ذی مرتبہ ہیں کہ اگر کسی معاملہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کردے اور ان کی قسم کی لاج رکھے یعنی مثلاً اگر اُن کے منہ سے نکل جائے کہ خدا کی قسم فلاں کام اس طرح ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کے باعث اس کام کو اسی طرح کردے۔ آپ کہتے ہیں دنیا نہیں ملتی میں کہتا ہوں وہ جنت نہیں لینا چاہتے۔ ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وفات کے وقت ان کے سامنے جنت اور جنت کی نعمتیں پیش کی گئیں تو انہوں نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا

شعر

ان کان منزلتی فی الحبّ عندکم

ما قد رأیت فقد ضیّعت ایّامی

فرماتے ہیں اگر میری محبّت کا یہی صلہ ہے جو مجکو دکھایا جارہا ہے تو میری تمام زندگی بیکار ہوگئی اور میری عمر ضائع ہوئی۔ مطلب ہے کہ ہمنے آپ سے محبت کی ہے آپ ہمیں جنت دینا چاہتے ہیں، ہمارا اصلی مقصد تو

آپ ہیں ہم ان جنات النعیم کو لیکر کیا کریں۔ حضرت رابعہؒ بعض دفعہ جذب میں فرمایا کرتی تھیں لوکانت الجنۃ نصیب المشتاقین بدون جمالہ فواویلاہ ولوکانت السقر نصیب العاشقین مع وصالہ فواشوقاہ اگر ہم بدقسمتوں کو جنت دی گئی اور آپ کا جمال میسّر نہوا تو ایسی جنت پر افسوس ہے اور اگر عاشقوں کی بدقسمتی سے ان کو دوزخ دی گئی لیکن دوزخ میں آپ کا وصال بھی میسّر ہو گیا تو یہ دوزخ عاشقوں کو جنت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز ہو گی۔ اللہ کے بندوں کا یہ مقدس گروہ اگرچہ آجکل ہماری بدقسمتی سے معدوم ہے لیکن خدا کی زمین اب بھی خالی نہیں ہے۔ یہ وہ ہیں جن سے عشق حقیقی کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔ ان کے سامنے دنیا اپنے بناؤ سنگار سے آراستہ ہو کر آئی لیکن انہوں نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا، جنت بہزار زیب وزینت پیش کی گئی لیکن انہوں نے اس کا رخ نکیا۔ مظاہر قدرت مختلف جلووں اور گوناگوں رنگتوں میں اُن کے سامنے آئے لیکن یہ اپنی جگہ کوہ استقلال بنے کھڑے رہے ہر قسم کے امتحانات کا بار گراں ان کے سر پر ڈالا گیا لیکن یہ ٹس سے مس نہ ہوئے انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی صحیح اتباع کی اور عشق الٰہی کا وہ منظر پیش کیا جو تعلیم الٰہی کا اصلی نقشہ تھا وہ فانی ہو جانے والی مخلوق کے پیچھے دیوانوں کی طرح سرگردان اور پریشان نہیں پھرتے، انہوں نے اپنے رُخ اور اپنی توجہ کا مرکز اس حیّ لایموت کو بنا لیا جو خود بھی زندہ ہے اور اپنے ساتھ محبت کرنیوالوں کو بھی ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار　　عشق را با حیّ وبا قیوم دار
عاشقی با مردگاں پایندہ نیست　　زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

غرق عشقے شو کہ غرق ست اندریں — عشقہائے اولین و آخریں
عاشقی پیداست از زاری دل — نیست بیماری چو بیماری دل
علت عاشق ز علتہا جداست — عشق اصطرلاب اسرار خداست

جو چیز فنا ہو جانے والی ہے اس سے تعلق رکھنے والے بھی فنا ہیں مولانا زندوں کو مردہ باعتبار استعداد کے فرما رہے ہیں زندہ ہیں وہ بالقوہ تو مردہ ہی ہیں اور چونکہ تمام مخلوق بالقوہ اس لئے مخلوق سے عشق کرنا گویا مردوں سے عشق کرنا ہے۔

حضرات! اگر مخلوق میں کوئی خوبی ہے بھی تو وہ عارضی ہے کیونکہ عارضی بھی اور بالعرض بھی ہے اور حضرت حق کے تمام کمالات ہیں یہی وجہ ہے حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ دیکھئے فطر السموت والارض کہکر مخلوق کے اوصاف کو بالعرض ثابت کیا اور پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا لفظ حنیفا اور بڑھایا تاکہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ میں نے اپنی ظاہری و باطنی توجہ کا مرکز ایسی ذات کو مقرر کر لیا ہے جو تمام اوصاف کمالیہ سے بالذات متصف ہے۔ آسمان و زمین کی چونکہ وہی ذات فاطر ہے اس لئے آسمان و زمین کے تمام اوصاف بھی اسی کے محتاج ہیں جب آسمان و زمین اپنے وجود ہی میں محتاج ہیں تو جو شے ذات میں محتاج ہے وہ صفات میں یقیناً محتاج ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک لفظ میں وہ سب کچھ کہدیا جو دفتروں میں بھی نہیں سما سکتا پھر لفظ حنیف فرما کر اس خیال کو اور قوی کیا کہ جب تمام مخلوق کے اوصاف بالعرض ہیں تو میں ان سب سے اعراض کر کے حقیقت کی جانب متوجہ کیوں

نہ ہو جاؤں یہ مظاہر پرستوں کا رد تھا اور اسی جملے آخر میں وما انا من
المشرکین فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر قسم کی توجہ الی الغیر کو
شرک سے تعبیر کیا۔ مخلوق کی طرف توجہ کرنا اور اوصاف عرفیہ سے محبت
کرنا ہی شرک ہے یہ اس توحید کے منافی ہے جس کا دوسرا نام عشق ہے
صاحبو! جس کو آپ توحید کہتے ہیں اسی کا نام تو صوفیہ کے نزدیک
عشق ہے۔ ابھی آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید اور حضرت
ابراہیمؑ کا عشق ملاحظہ کیا۔ اب اسی عشق کی حقیقت سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم کے انداز بیان میں دیکھئے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ صَلوٰتِی وَنُسُکِی
وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ یعنی میری نماز
اور میری تمام عبادتیں اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے
جو رب العالمین ہے اور جس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں ہے، بات
وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے کہی تھی لیکن اس انداز بیان کے قربان
جائیے حضرت خلیل نے جو کچھ کہا تھا اس سے بہت زائد کہا اور اس سے
مختصر الفاظ میں کہا پھر خلیل نے جو کچھ کہا تھا وہ خود کہا تھا اور یہاں جو کچھ
کہلوایا گیا وہ کہا۔ یہاں اگرچہ زبان تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے
لیکن واقعہ ہے کہ جذبات خود محبوب حقیقی کے ہیں گویا حضرت حق جل
مجدہٗ یہ چاہتے ہیں کہ صحیح محبت کرنے والوں کی محبت کا اندازہ یہ ہو کہ
ان کی زندگی کا ہر شعبہ ہمارے لئے وقف ہو۔ اسی عشق کی طرف مولانا نے
اشارہ فرمایا ہے ؎

۶۔ محتسبہ کا جنون عشق ستو کہ غرق ست اندریں

۷۔ پارہ عم میں تو ارشاد ہے اولین و آخرین ... میا ہم سے

اور چونکہ یہ مرتبہ بدون محبوب حقیقی کی توجہ اور التفات کے ناممکن ہے اس لئے فرماتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

ہمت سے کام لو اور ناامیدی کا اظہار مت کرو۔ کریموں کی درگاہ سے کوئی خالی نہیں آیا کرتا اور وہ تو کریم بھی ایسے ہیں کہ سائلوں کو خود ہی تلاش کرتے رہتے ہیں وہاں تو مایوسی سب سے بڑا گناہ ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حقیقی عشاق جنت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے بھلا وہ دنیا کا گلہ یا دنیا کی شکایت کب کر سکتے ہیں یہ چھوٹے عاشق ہیں جو ایک طرف اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ہم کو دنیا نہیں دی، دنیا ہمارے دشمنوں کو دیدی۔

رحمۃ للعالمین کی امت پر شفقت

برادران ملت یہ تمام مباحث درمیان میں آگئے تھے اور یہ مباحث نہ صرف پُر لطف تھے بلکہ اتنے بحث طلب بھی تھے کہ اگر میں انکو قصداً ترک نکروں تو یہ ختم ہی نہیں ہو سکتے۔ اصل گفتگو تو اس میں ہو رہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کس طرح فرمایا کہ جس قدر اذیتیں مجکو دی گئیں ہیں اتنی کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ اس شبہ کا جواب جب میں عرض کر رہا تھا کہ اذیت کے درجات متفاوت ہیں، باپ اگر بیٹے کو ایک طمانچہ مارے تو اس کی اور حیثیت ہے اور اگر بیٹا باپ کو مارے تو اسکی حیثیت اور ہے اس فرق کو ذکر کرتے ہوئے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تمام مخلوق کے اوصاف بالعموم ہیں رہتے تھے کہ جس طرح ہو سکے مسیحقیقت کی جانب متوجہ کیوں

اور اس فکر کا بعض دفعہ ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ جب توقعات پوری نہ ہوتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس صدمہ سے آپ کی وفات ہوجائیگی اس لئے بسا اوقات حضرت حق کی طرف سے آپ کی تسلّی و تشفی کیجاتی تھی اور جن الفاظ میں تسلی کیجاتی تھی اُن سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ انتہائی قلق میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فلا تذھب نفسك علیھم حسرات کہیں ان کا غم اُٹھاتے اُٹھاتے آپ کی جان نہ جاتی رہے، ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اس غم میں کہ یہ کافر ایمان نہیں لاتے ایسا نہو کہ آپ اپنی جان کھو بیٹھیں سورہ یونس میں فرماتے ہیں افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین کیا آپ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ سورہ حجر میں آپ کی تسلی کا سامان ان الفاظ میں مہیّا کیا ہے ولقد نعلم انك یضیق صدرك بما یقولون فسبح بحمد ربك وکن من السٰجدین۔ ان کفار کے استہزا اور ان کی بیہودگی سے جو آپ کو تکلیف ہوتی ہے اور آپ کا سینہ ان باتوں سے جس طرح تنگ ہوتا ہے اس سے ہم خوب واقف ہیں آپ اپنے رب کی تسبیح اور تحمید کیا کیجئے کیونکہ پریشانی کا علاج اس سے بہتر نہیں ہے اور سجدہ میں ہم سے مناجات کیا کیجئے اور یہ سجدہ بندہ کو ہم سے بہت ہی قریب کردیتا ہے اور پریشانی کے وقت صحیح حمایتی اور سچے مددگار کا قرب باعث اطمینان ہوتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

آیت میں جو ضیق صدر کا ذکر کیا گیا ہے اس پر یہ شبہ نکیا جائے کہ یہ شرح صدر کے منافی ہے۔ پارہ عم میں تو ارشاد فرماتے ہیں الم نشرح لك صدرك کیا ہم نے

آپ کو شرح صدر کی نعمت سے سرفراز نہیں کیا؟ اور یہاں فرماتے ہیں ولقد نعلم انك يضيق صدرك ہم اس ضیق صدر سے واقف ہیں جو آپ کو کفار کی دل آزاری اور طعن و تشنیع سے پیش آجاتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ شرح صدر تو ایک خاص مرتبہ کا نام ہے جس کی طرف سورۂ زمر میں اشارہ فرمایا ہے افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیا جاتا ہے تو اس کو اس کے پروردگار کی جانب سے ایک روشنی اور نور عطا کیا جاتا ہے، آٹھویں پارے میں فرماتے ہیں ومن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام حضرت حق جس کی ہدایت کا ارادہ فرما لیتے ہیں اس کا سینہ اسلام کیلئے کشادہ کر دیتے ہیں تو سینہ کی کشادگی اور روشنی کی عطا یہ ایک مرتبہ ہے جس کا سب سے اونچا درجہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے کسی کو طلب کے ساتھ ملتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ رب اشرح لى صدرى الہی میرا سینہ کھول دے اور کسی کو بدون طلب کے عطا کر دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا الم نشرح لك صدرك رہا حوادثات و واقعات کی بنا پر دل تنگ ہوتا جس کو ضیق صدر فرمایا ہے یہ اس مرتبہ کے منافی نہیں ہے۔ پھر معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ضیق صدر بھی ...... ایسا نہ تھا کہ جیسا ہم کو ہوتا ہے یعنی حوادثات کا اثر ایسا مستولی ہو جائے کہ کسی اور بات کا خیال ہی نہ آئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی غیر معمولی حوادثات کی بنا پر ضیق صدر بھی پیش آیا تو آپ کی فطرۃ سلیمہ کے مقابلہ میں مغلوب رہا اور اس معمولی ضیق صدر کا بھی علاج تجویز کر دیا گیا۔ اور یہ بتا دیا گیا کہ اول تو آپ کی صحیح فطرت خود ہی

اس کی معالج ہے اور طبیعت صحیحہ اور آپ کا مزاج اس مرض پر غالب رہتا ہے لیکن ہم دوا بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ جب حوادثات خارجیہ سے اس قسم کا ضیق صدر اور پریشانی پیش آئے تو آپ نماز کی نیت باندھ لیا کیجئے اور ہماری تسبیح و تحمید شروع کر دیا کیجئے۔ نماز میں اور بالخصوص سجدہ میں ہمارا قرب حاصل ہوتا ہے اور ہمارا قرب تمام امراض اور پریشانیوں کا مستقل علاج ہے پھر تسبیح و تحمید کا اثر بھی یہ ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی اطمینان قلب کا موجب ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بتقاضائے بشریت پیش آتی ہیں اور اُمت کے کاملین کو بھی پیش آتی ہیں اور یہ حالت شرح صدر اور منصب نبوۃ کے منافی نہیں ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما انا بشر اغضب کما یغضبون میں ایک بشر ہوں مجکو بھی غصّہ آتا ہے۔ جیسے دوسرے انسانوں کو غصّہ آتا ہے۔ کاملین کی بھی یہی حالت ہے کہ ان کو تمام معاملات پیش آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس لئے فوراً اُن کو تنبہ ہو جاتا ہے اور ان کی سلامتی طبع کا یہ اثر ہوتا ہے کہ مرض مغلوب ہو جاتا ہے ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون۔ کاملین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کبھی شیطان اُن پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تب ہی وہ ہشیار ہو جاتے ہیں اور ان کی بصیرۃ اور قلبی ادراک ان کو آگاہ کر دیتے ہیں ضیق صدر اگر ہوتا تھا تو مغلوب تھا پھر جب اُس کا علاج بھی تلقین کر دیا تو اب مطلب یہ ہوا کہ کفار کی اذیت کا اثر تو قلب پر ضرور ہوا کرتا تھا

لیکن جہاں حضرت حق کی طرف توجہ کی اور تسبیح و تحمید کی وہ اثر زائل ہو گیا۔

پریشانی کے وقت کا معمول

پریشانی کے وقت کا عمل بھی عام طور سے یہی تھا جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو فوراً نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور نماز میں سجدہ بہت طویل کرتے اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتے اور نماز سے جب فارغ ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ پریشانی کا کوئی اثر نہیں ہے اور اگر نماز کیلئے کھڑے نہ ہوتے تو دعا کرتے اور دعا بہت طویل کرتے تھے۔ کبھی کبھی پریشانی کے وقت یہ کلمات بھی فرماتے تھے۔ حَسْبِیَ الرَّبُّ مِنَ الْعِبَادِ حَسْبِیَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ حَسْبِیَ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوْقِیْنَ حَسْبِیَ اللّٰہُ الَّذِیْ ھُوَ حَسْبِیْ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ اذیت کے درجے متفاوت ہیں ایک غیر آدمی کا کہنا اتنا ناگوار نہیں ہوتا جتنا اپنوں کا برا کہنا برا معلوم ہوتا ہے جتنی کسی سے محبت زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کی تکالیف اور بیوفائی کا گلہ بھی زیادہ ہوگا۔ یہ امر تو تسلیم شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے بہت زیادہ شغف تھا اور یہ شغف اس درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ اور کسی نبی کی زندگی میں اتنی محبت اور اتنا شغف نہیں پایا جاتا۔

انبیاء علیہم السلام کی ایک مخصوص دعا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت کے سلسلہ میں ایک بات اور عرض کردوں۔ اگرچہ واقعات بہت ہیں اور مسئلہ

آننا صاحت اور مشہور ہے کہ دلائل و براہین کا محتاج بھی نہیں ہے لیکن باوجود اس کے بھی میں چاہتا ہوں کہ ایک بات آپ کے ذہن نشین کردوں حضرات انبیاء علیہم السلام کی یوں تو ہر دعا مقبول ہوتی ہے لیکن ہر پیغمبر سے ایک دعا کا خاص طور پر وعدہ کیا گیا ہے۔ یعنی ہر پیغمبر سے یہ کہا گیا ہو کہ ایک دعا تمہاری ضرور قبول کروں گا چنانچہ ہر نبی نے اپنی اپنی وہ دعا خرچ کردی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا کو محفوظ رکھا اور خرچ نہیں کیا۔ دیگر انبیاء علیہم السلام نے مخصوص دعا کو کس موقع پر استعمال کیا۔ اس کے متعلق کوئی آخری بات نہیں کہی جاسکتی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق تو یہی مشہور ہے کہ انہوں نے یہ دعا اپنی اُمت کو ہلاک کرنے کے لئے استعمال کی۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے کس موقع پر وہ دعا مانگی اور قبول ہوئی۔ البتہ مصابیح کے بعض شراح نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اس مستجاب دعا کو اپنی اپنی اُمت کی ہلاکت اور طلب عذاب کے لئے خرچ کردیا۔ قرآن شریف میں بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بد دعاؤں کے وہ الفاظ منقول ہیں جو انہوں نے اپنی اپنی اُمت کے استیصال کے لئے استعمال کئے ہیں مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے الفاظ تو مشہور ہی ہیں۔ رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا۔ الٰہی زمین پر کافروں کا ایک فرد بھی نہ چھوڑ اور ہر بسنے والے کافر کو ہلاک کردے۔ سورۂ قمر میں ہے رب انی مغلوب فانتصر اے میرے پروردگار کافروں نے مجھ پر غلبہ حاصل کرلیا ہے آپ میری مدد کیجئے۔ سورۂ شعرا میں ان کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں فافتح بینی وبینھم فتحا ونجنی و

من معی من المؤمنین یا اللہ میرے اور ان کافروں کے درمیان آخری حکم جاری کردے اور مجھکو اور میرے ساتھی مسلمانوں کو نجات دیدے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جو الفاظ فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:۔ ربّ نجنی واھلی مما یعملون اے میرے پروردگار مجھکو اور میرے متعلقین کو ان کافروں سے نجات دیدے۔ سورۂ عنکبوت میں فرماتے ہیں۔ رب انصرنی علی القوم المفسدین۔ اس مفسد قوم کے خلاف میری مدد فرمائیے۔

حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین اے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان آخری حکم کردے تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون نے جو کچھ کہا وہ حسب ذیل ہے۔ ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم۔ اے ربّ ہمارے ان قبطیوں کے قلوب کو سخت کردے اور ان کے مالوں کو تباہ کردے اور ان کو ایمان لانے کی توفیق ہی عطا نکر اگر یہ ایمان بھی لائیں تو ایسے وقت لائیں جب ان پر عذاب نازل ہو جائے تاکہ اس وقت کا ایمان ان کے لئے مفید ثابت نہو۔ قرآن میں یہ دعائیں ضرور مذکور ہیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ وہی مستجاب دعا ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ ہر پیغمبر نے اس مخصوص دعا کو خرچ کردیا۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو محفوظ رکھا اور اس دعا کو خرچ نہیں کیا۔ دوسرے نبیوں کا اپنی اپنی دعا کو صرف کردینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی دعا کو خرچ نکرنا اس واقعہ کو خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہیں۔ لکل نبیّ دعوۃ مستجابۃ فتعجّل کل نبیّ دعوتہ

وانی اختبأت دعوتی شفاعة لامتی الی یوم القیامة فھی نائلة
ان شاء اللہ تعالیٰ من مات من امتی لا یشرک باللہ۔

ہر پیغمبر کو ایک مقبول اور مستجاب دعا عطا کی گئی تھی۔ لیکن ہر پیغمبر نے
اس دعا کے خرچ کرنے میں جلدی کی البتہ میں نے اپنی اس دعا کو اپنی اُمت
کی شفاعت کے لئے روک لیا ہے۔ میں قیامت میں اپنی اُمت کی شفاعت
کروں گا اور میری شفاعت کا اثر اس شخص پر ہوگا جس نے اپنی زندگی میں
شرک نہیں کیا۔ اس واقعہ سے آپ کی اس محبت و شفقت کا پتہ چلتا ہے
اور اس خصوصیت کا حال معلوم ہوتا ہے جو سرکار کو اپنی اُمت سے تھی۔
آپ خیال کیجئے کہ دنیا میں آپ کو کتنے مصائب ایسے پیش آئے ہوں گے
جن پر واقعات و حالات نے آپ کو مجبور کیا ہوگا۔ کہ آپ اس مخصوص دعا
کو خرچ کریں لیکن آپ نے ان تمام مصائب پر قابو حاصل کیا اور آپ نے اس
دعا کو خرچ نہیں کیا جو آپ کو حضرت حق کی طرف سے عطا کی گئی تھی۔
دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حوادثات و مصائب کا اُس قوت کے ساتھ
مقابلہ نکر سکے۔ جس قوت کے ساتھ سرکار نے مقابلہ کیا۔ دیگر انبیاء علیہم السلام
اپنی اپنی دعا صرف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا اور اس دعا کو خرچ نہیں کیا۔ علامہ
ابن حجر نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو معاملہ اور
بھی اہم ہو جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
نے اُمت کی ہلاکت اور عذاب کو طلب کرنے میں اپنی اپنی دعاؤں کو خرچ
کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی نجات اور قیامت میں شفاعت
کی غرض سے اس دعا کو محفوظ رکھا۔ اس تقریر کے بعد آپ اس فرق کو

اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کے مابین ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہو گی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے کس قدر محبت ہے اور یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی بیوفائی بھی زیادہ تکلیف دیتی ہے ہے چونکہ آپ کو اپنی اُمت سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں محبت زیادہ ہے اس لئے اُمت کے ستانے کا اثر بھی آپ پر زیادہ ہوتا ہے اور یہی مطلب ہے ما اوذی نبیؐ ما اوذیت کا - اگرچہ آپ کی عمر شریف دیگر انبیاء علیہم السلام سے کم تھی لیکن پھر بھی آپ کو جو اذیتیں اس عرصہ میں پہونچیں وہ دیگر انبیاء علیہم السلام سے زائد تھیں

ایک اور شبہ کا اندفاع

ممکن ہے آپ کو یہ شبہ ہو کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب کسی منافق نے اعتراض کیا تھا تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا رحم اللہ علی اخی موسیٰ علیہ السلام لقد اوذی باکثر من ھذا فصبر یعنی اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ ستایا گیا مگر انہوں نے صبر کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے زیادہ تکلیف پہونچائی ہے تو بھائی اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ممکن ہے اس قسم کے مالی معاملات میں بنی اسرائیل کی تکالیف کفار سے زیادہ ہوں اور اس خاص شعبہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ ستائے گئے ہوں لیکن گفتگو تو مجموعی حیثیت میں ہے اور مجموعی حیثیت سے یہ امر ثابت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کی جانب سے

جس قدر تکالیف ....

پہنچائی گئیں وہ ان تکالیف سے بہت زیادہ ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو اپنی اپنی اُمت سے پہونچی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب کی وجہ

حضرت حق کی طرف سے کفار کو جو جواب ملا تھا

اس کا حاصل اور خلاصہ یہ تھا کہ رحمۃ للعالمین کی موجودگی میں کفار پر کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جاسکتا جو اُمت کے استیصال کا موجب ہو۔ اس جواب کا کفار پر جو اثر ہوا ہوگا وہ تو نہیں کہا جاسکتا لیکن مسلمانوں پر اس کا جو کچھ اثر ہوا وہ تو یہی تھا کہ مسلمان اس جواب سے بہت خوش اور مسرور ہوئے کیونکہ یہ جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ عامہ کا حقیقۃً اعلان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان اس جواب سے بہت خوش تھے لیکن اس جواب کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جو کچھ اثر ہوا وہ نہ صرف آپ کے لئے تعجب انگیز ہے بلکہ اس سے صحابہ کرام بھی متاثر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پریشانی اور اضطراب کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ سرکار نے فرمایا تم اس آیت کو سُنکر خوش کیوں ہوئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس آیت سے آپ کے اس بلند مرتبہ کا اظہار ہو رہا ہے جو آج تک کسی نبی کے لئے نہیں ہوا۔ دوسرے انبیاء کا وجود انہی اپنی امتوں کے لئے موجب عذاب ہوا اور ان کی امتیں ہلاک کی گئیں لیکن آپ کی ذات موجب رحمت و شفقت قرار دی گئی اور باوجود اُمت کے عذاب و ہلاکت طلب کرنیکے یہ جواب دیا گیا کہ جب تک آپ جیسا مجسمۂ رحمت ان میں موجود ہے ان پر کوئی عذاب نہیں آسکتا، چونکہ یہ آیت آپ کے مرتبے اور آپ کی

شان رحمت کا اعلان کرتی ہے اس لئے اس آیت کے نزول سے ہم کو خوشی اور مسرت ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ اس آیت میں میری ذات کو باعث دفع عذاب قرار دیا ہے لیکن یہ تو بتاؤ جب میری ذات نہ ہوگی اور میری وفات ہو چکی ہوگی اس وقت اس اُمت کی حفاظت اور دفع عذاب کی شکل کیا ہوگی۔ مجھے اس خیال نے مضطرب کر دیا ہے میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ میرے بعد میری اُمت کا نگہبان کون ہوگا اور ان کو عذاب سے بچانے والی کیا چیز ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پریشانی اور اضطراب کا اظہار فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آیت کا آخری حصہ حضور کو سنا کر اطمینان دلایا اور فرمایا وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون جس طرح اللہ تعالیٰ آپ کی موجودگی میں عذاب سے حفاظت کا وعدہ کرتا ہے اسی طرح اس کا یہ بھی وعدہ ہے کہ جب تک یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں گے تب تک ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا۔ اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا اور اس سے بخشش طلب کرنا یہ ایسی چیز ہے کہ عذاب الٰہی کو روکتی ہے جب تک خدا کے بندے استغفار کرتے رہتے ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کا احاطہ نہیں کرتا، استغفار کے فضائل احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو عام وظیفہ ہی استغفار تھا۔ شاید ہی کوئی مجلس ایسی ہوتی ہو کہ جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شرکت فرماتے اور اس میں دس بیس مرتبہ استغفار نہ پڑھیں۔ مجالس میں حضور کا عام قاعدہ یہ تھا کہ آپ رَبِّ اغْفِرْ لِی وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ

فرمایا کرتے تھے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ موقع اس بحث کا نہیں ہے۔ اس کو پھر کسی صحبت پر موقوف رکھئے اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ دیکھا جائے گا۔ اگر آپ سیّد الاستغفار یاد کرلیں تو میں آپ کو بتا دوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے اذعان و یقین کے ساتھ سیّد الاستغفار دن میں پڑھا اور وہ شام سے پہلے مرگیا تو جنت میں جائے گا اور اگر رات کو پڑھا اور صبح سے پہلے مرگیا تو جنتی ہے۔ اس استغفار کے الفاظ کچھ مشکل نہیں ہیں اگر آپ یاد کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ لیجئے سنئے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

یہ استغفار مختصر بھی ہے اور آسان بھی۔ اس کو یاد کرا ور تین دفعہ دن کو اور تین دفعہ رات کو پڑھ لیا کرو۔ اور ذرا صدق دل سے پڑھا کرو پھر انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں جانے سے تمہیں کوئی چیز روک نہ سکیگی۔

حضرت ابراہیمؑ اور حکومتِ بابل

بہر حال یہ مباحث تو درمیان میں آگئے تھے۔ ورنہ اصل گفتگو تو انبیاء کے اذعان و یقین میں ہورہی تھی اور ان کے عزم و استقلال کی بحث تھی۔ اسی سلسلے میں میں نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا تھا اور شاید آپ کو یاد ہو میں نے یہ بھی کہا تھا کہ حق بات کہنا آنا مشکل نہیں ہے جتنا حق پر قایم رکھنا مشکل ہے۔ بڑی سے بڑی قوت کے مقابلہ میں بھی

حق پر قائم رہنا یہ اسی شخص کا حصہ ہو سکتا ہے جو اپنے اعتقاد میں جازم اور اپنے خیالات میں پختہ ہو اور یہ چیز صرف انبیاء علیہم السلام ہی کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر قوت سے ٹکرا جاتے ہیں اور بڑی سے بڑی مادی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کسی جابر ظالم کا رعب و استبداد ان کو اپنی جگہ سے ہٹانا تو کیا ہلا بھی نہیں سکتا۔

یہ اذعان و استقلال ہی کی قوت تھی جس نے تمام قوم کے مقابلہ میں سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ الفاظ کہلائے کہ انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین میں نے تو تمام مخلوق کی طرف سے ہٹا کر اپنا چہرہ اور اپنا منہ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جو زمین و آسمان کی خالق ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ پوری قوم کی مخالفت کوئی آسان کام نہ تھی لیکن حضرت خلیل نے بلا خوف و خطر سب کو چیلنج دیدیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ایک دن اس زمانہ کے بادشاہ اور طاغوتی حکومت کے سامنے پیشی کی نوبت آئی لیکن بھلا ان اذعان و یقین کے دیوتاؤں پر کسی مادی طاقت کا کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ اس ظالم کے سامنے بھی اسی بے تکلفی کے ساتھ فرمایا ربی الذی یحیی و یمیت میرا ربّ تو وہی ہے جو زندگی اور موت کا مالک ہے یہ بے وقوف جو ہدایت کی روشنی سے محروم تھا۔ حضرت ابراہیم کے اعلان کا مطلب یہ سمجھا کہ کسی بے گناہ کو قتل کر دینا اور کسی واجب القتل کو رہا کر دینا اسی کا نام مارنا اور جلانا ہے، گویا دو زندوں میں سے ایک کا قتل اور ایک کی جاں بخشی کا نام ہی احیاء اور اماتت ہے۔ اتنی صاف

[illegible] ہو سکتا ہے جسکو

مبدء فیاض نے ہر قسم کی روشنی سے محروم کر دیا ہو ومن لم یجعل اللہ له نوراً فما له من نور جس کو حضرت حق جل مجدہٗ روحانی روشنی اور روحانی نور سے محروم کر دیں اس کو روشنی میسر ہی نہیں آسکتی اور طغیانی اور سرکشی کی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا اور مارا مارا پھرا کرتا ہے ویمدهم فی طغیانهم یعمهون اور ترقی دیتا ہے انکو ان کی سرکشی میں اور حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔ اس نے اپنی حماقت سے حضرت ابراہیم کی دلیل پر یہ کہکر نقض وارد کیا کہ جناب آپ کا صغریٰ غلط ہے انا أحیی وأمیت زندہ کرنا اور موت دینا صرف آپ کے رب کا ہی کام نہیں ہے بلکہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔

نمرود کا دعویٰ

بابل کے ظالم بادشاہ نے نقض ایسے الفاظ میں کیا جو خود ایک مستقل دعویٰ کو مستلزم تھے یعنی انا أحیی وأمیت خود ایک مستقل دعویٰ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس دعویٰ کا ثبوت مانگ لیا اور یہ ثبوت اس لئے نہیں مانگا کہ مناظرہ کا مجادلہ بدلنا مقصود تھا بلکہ اس لئے مانگا کہ اپنے صغریٰ کو مضبوط کرنا مقصود تھا اور یہ اس امر پر موقوف تھا کہ اس کا نقض باطل ہو جائے گویا اس کے نقض پر منع تھا جس کی صورت یہ پیش آئی کہ اس نے ایک مستقل دعویٰ کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعویٰ کا ثبوت طلب کر لیا۔ اس منع میں جہاں نمرود کا عاجز کرنا مطلوب تھا وہاں کواکب پرستوں کا بطلان بھی پیش نظر تھا چنانچہ فرمایا فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب اللہ تعالیٰ تو آفتاب کو روز مشرق سے زندہ کرتا ہے اور مغرب کے میدانوں میں موت دیکر دفن کرتا ہے تو اگر اپنے دعوی میں

سچا ہے تو آفتاب کو مرنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔ جب خدا اسکو
موت دیکر مغرب کے گورستان میں دفن کر چکے تو تو اسی قبرستان سے
اسکو واپس لے آ۔ نمرود یہ سنکر ہکا بکا رہ گیا۔

آفتاب کا زندہ ہونا

اس مناظرہ کا جو مطلب میں نے عرض کیا اس سے وہ تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں
جو بعض طالب علموں کو مناظرے کی مصطلحات کی وجہ سے پیش آیا کرتے
ہیں۔ رہی یہ بات کہ آفتاب کے طلوع کو زندگی اور اس کے غروب کو موت
سے تعبیر کرنا یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں
سیار بن سلامہ اور محمد بن عمرو بن الحسن کی روایتوں میں والشمس حیّۃ
کے الفاظ موجود ہیں۔ عصر کی نماز کے وقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرتے تھے کہ آفتاب زندہ ہوا کرتا تھا۔
شارحین حدیث نے اسی الشمس حیۃ کے تحت میں فرمایا ہے فان کل
شئی ضعفت قوتہ فکانہ قد مات جس شے کی قوت کمزور ہو جائے
تو گویا وہ مر گئی بعض روایتوں میں الشمس مرتفعۃ بھی آیا ہے۔ دونوں
روایتوں کو ملانے کے بعد مطلب صاف ہو جاتا ہے یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین ارتفاع شمس کو زندگی سے تعبیر کرتے تھے اس تقدیر پر یہ مطلب
سمجھ ہے کہ صبح کو مشرق سے آفتاب زندہ ہوتا ہے اور شام کو مغرب کی
وادیوں میں موت کی نذر ہو جاتا ہے اور جب ہم طلوع و غروب کو زندگی
اور موت سے تعبیر کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استدلال بالکل صاف
و مصطلحات مناظرہ کے بالکل موافق ہے۔ بہر حال حضرت ابراہیم نے
بھرے دربار میں جس قوت و طاقت سے نمرود کا مقابلہ کیا اور آیندہ جس

خندہ پیشانی سے نمرود کے مظالم کو برداشت کیا وہ اسی اذعان ویقین کا اثر تھا جو حضرات انبیاء کرام کا خاص حصہ ہے، کیا آپ اس مقدس جماعت کا مقابلہ یورپ کے اُن فلاسفہ اور یونان کے اُن حکماء سے کیا کرتے ہیں جو ہر روز اپنی رائے کو بدلتے اور نئی نئی تھیوریاں پیش کیا کرتے ہیں؟ -

حکومت بابل کا انتقام

اس گفتگو کے بعد جس کو ہم نے مناظرہ سے تعبیر کیا ہے حکومت بابل کی جانب سے جو منتقمانہ کارروائیاں ہوئیں وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ کونسا ظلم تھا جو ان ظالموں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نہیں کیا۔ اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کے ساتھ وہ سب کچھ کیا گیا جو طاقتور کمزوروں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اہل باطل اہل حق کے ساتھ جو وحشیانہ برتاؤ کیا کرتے ہیں وہ حضرت حق کے اس مخصوص بندے کے ساتھ کیا گیا اور دشمنی کی وجہ کوئی دریافت کرے تو وہ ایسی نامعقول کہ اس کو سُنکر آپ میں سے ہر شخص کو افسوس ہو وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد الذى له ملك السموات والارض اس دشمنی اور انتقام کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلمان اس اللہ پر کیوں ایمان لائے جو تمام قوتوں کا مالک اور تمام خوبیوں اور محامد کا مستحق ہے اور جو آسمان وزمین کا بادشاہ ہے سبحان اللہ دیکھا آپ نے حضرت ابراہیم کا کیسا زبردست قصور تھا، گویا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اللہ پر ایمان کیوں رکھتے ہیں، اس جرم کی پاداش میں اُن کے لئے ہر قسم کی اذیتیں جائز سمجھی گئیں حتی کہ اُن کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ جیل خانہ میں رکھا گیا، اُن پر مقدمہ چلایا گیا اور بالآخر ترک وطن اور ہجرت پر مجبور کر دیا گیا اور سیدنا ابراہیم

علیہ السلام مع اپنے متعلقین کے بابل سے نکل کر شام کے علاقہ میں تشریف لیگئے ونجینٰہ و لوطًا الی الارض التی بٰرکنا فیھا للعلمین اور بچا نکالا ہم نے اس کو اور لوط کو اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے۔

ایک شبہ کا ازالہ

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی بحث میں ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ اگر انبیاء علیہم السلام اذعان ویقین کے مجسمے ہوا کرتے ہیں اور ان کو کبھی ذات و صفات اور عالم برزخ کے شک وشبہ نہیں ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کے زندہ ہونے کی خواہش کیوں کی تھی اور یہ کیوں کہا تھا۔ ربّ ارنی کیف تحی الموتیٰ اے میرے پروردگار تو مجھے دکھلا دے تو مردے کس طرح زندہ کرے گا۔ یہ ایک شبہ ہے جو بعض طالب علم کیا کرتے ہیں حالانکہ اس شبہ کا جواب خود قرآن ہی میں موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیاء موتیٰ پر کوئی شبہ نہیں کیا بلکہ محض کیفیت احیاء کا مطالبہ ان کی جانب سے کیا گیا۔ احیاء موتیٰ کے متعلق خود ان کا جواب قرآن میں مذکور ہے جب حضرت حق نے فرمایا کیا تم کو احیاء موتیٰ کا یقین نہیں ہے انہوں نے جواب دیا مجھکو احیاء موتیٰ پر تو یقین ہے لیکن میں تو کیفیت احیاء کو دیکھنا چاہتا ہوں یہ ایک طبعی امر ہے اور تقاضائے بشریت ہے کہ مردوں کا زندہ ہونا اور اس زندگی کی کیفیت آنکھ سے دیکھنے کو جی چاہتا ہے، اسی طبعی مطالبہ کی تکمیل کو اطمینان قلب سے تعبیر فرمایا ہے، اس سے زیادہ اس شبہ کی اور کچھ حقیقت نہیں ہے

ادعان ویقین کا بڑا ثبوت

بڑی چیز جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کے اذعان ویقین پر دلالت کرتی ہے وہ ان کی زندگی کا استقلال اور اپنی رائے پر اعتماد ہے، نبوت ملنے کے وقت سے تا دم وفات اور تا دم مرگ کبھی ایک لمحہ اور ایک سکنڈ کے لیے بھی ان کی رائے میں تزلزل نہیں واقع ہوتا بڑے بڑے ملحد اور بددین اور منکرین خدا کو ہم نے دیکھا ہے کہ مصائب وآلام کے وقت وہ اپنی رائے اور اپنے خیالات سے تائب ہوجاتے ہیں، دنیا کو غلط نظریوں کی تعلیم دینے والے اور خدا کی مخلوق کو دھوکہ دینے والے مرتے وقت اپنے خیالات کی غلطی کا اقرار کرلیا کرتے ہیں۔ جن کا مبنی ظن اور تخمین ہو وہ کس طرح آخر وقت تک اپنی رائے پر قائم رہ سکتے ہیں۔ حکمائے یونان سے لیکر یورپ کے بڑے بڑے فلاسفہ کی زندگیاں آپ کے سامنے ہیں، ان میں کون ایسا ہے جس نے زندگی میں باربار اپنے نظریوں کی تبدیلی کا اعلان نہیں کیا اور کون ایسا ہے جو مرتے دم تک الٰہیات کے معاملہ میں اپنی ابتدائی رائے پر قائم رہا ہے۔ مسئلہ برزخ ہی کو لے لیجئے۔ جتنے آدمی اتنی رائیں، بیسیوں مرتبہ اپنی رائے کا اعلان کیا اور سینکڑوں مرتبہ اس سے رجوع کیا لیکن آپ نے انبیاء علیہم السلام کی کبھی دو رائیں نہ سنی ہونگی۔ حضرت آدمؑ سے لیکر جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک اتنے بڑے گروہ کا مسئلہ الٰہیات اور عالم برزخ وقیامت میں متفق اللفظ اور متفق اللسان ہونا ہی اس گروہ کی صداقت وحقانیت کی صاف اور صریح دلیل ہے پھر یہی نہیں کہ یہ حضرات اپنی زندگی میں ایک رائے پر قائم رہے بلکہ وفات اور اپنی جان جان آفرین کو سپرد کرتے وقت بھی وہی کہتے تھے جو زندگی میں

کہا کرتے تھے۔ موت کا وقت ایک ایسا نازک اور ایسے امتحان کا وقت ہے جس وقت بڑے بڑے سورما اور بڑے بڑے بہادروں کا ثبات و استقلال لغزش و تزلزل سے تبدیل ہوجاتا ہے۔ مرتے وقت ہر شخص سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ قانون میں بھی مرتے وقت کی شہادت کو معتبر سمجھا جاتا ہے لیکن خدا کے مقدس گروہ کی یہ حالت ہے کہ ان کے پائے استقلال و ثبات میں ذرا جنبش نہیں ہوتی وہ جہاں ابتدائے نبوت کے دن ہوتے ہیں وہیں دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی ہوا کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی وفات

حضرت نوح علیہ السلام ان پیغمبروں میں سے ہیں جن کا ذکر ہر آسمانی کتاب میں ملتا ہے انہوں نے کم و بیش ایک ہزار سال تک دین الٰہی کی تبلیغ کی ہے۔ ان کی تقریر کے بعض حصے قرآن میں جا بجا نقل کیے گئے ہیں اُن کی قوم کے مظالم قوم کی جہالت، خباثت غرور و تکبر، حسد و کینہ بت پرستی اور سنگدلی بھی قرآن میں مذکور ہے یہی حضرت نوح زندگی میں تو جو کچھ کہتے رہے وہ تو ظاہر ہی ہے۔ ان کا اعتماد تو آپ کو اسی ایک فقرے سے معلوم ہو جائے گا جو طوفان کے وقت انہوں نے اپنے نالایق لڑکے کے جواب میں کہا تھا۔ جب یہ اپنے لڑکے کو طوفان کے وقت کشتی میں آنے کی دعوت دے رہے تھے تو اس بدبخت نے کہا تھا۔ ساوی الی جبل یعصمنی من الماء میں کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھکو پانی سے بچا لے گا۔ بت پرست کے منہ سے بچانے کی نسبت غیر کی طرف نکلی لیکن اللہ کے پیغمبر نے جو اذعان و یقین کا مجسمہ تھا کہا اور بے ساختہ کہا، کہا اور پورے یقین کے ساتھ کہا لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم بیٹا!

اس خیال میں نہ رہو کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا ہے، آج تو وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کسی انسانی مجرم کو تو خدا پناہ دے سکتا ہے لیکن خدائی مجرم کو خدا کے سوائے کون بچا سکتا ہے، دیکھا آپ نے یہ ہے پیغمبر کا ایمان، یہ ہے وہ اذعان و یقین جس سے دنیا کے فلاسفر محروم ہیں یہ انبیاء کا حصہ ہے اور صرف انبیاء ہی کا حصہ ہے

حضرت نوح کی وصیت

بہر حال میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اس مقدس گروہ کی جو حالت زندگی میں تھی وہی وفات کے وقت تھی اور یہی ان کی صداقت کی روشن دلیل ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو اپنے پاس جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں میرے بچو تم کو دو باتوں کا امر کرتا ہوں اور دو باتوں سے تم کو منع کرتا ہوں، دیکھو ایک تو کبھی خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا، اور ایک کبھی خدا کے سوا کسی دوسرے پر اعتماد و بھروسہ نہ کرنا۔ جن دو باتوں کا امر کرتا ہوں ان میں سے ایک تو کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے یہ ایسا کلمہ ہے کہ اس کلمہ کو عرش تک جانے میں آسمان بھی نہیں روک سکتے اور دوسرا کلمہ سبحان اللہ وبحمدہ ہے یہ ایسا وزنی کلمہ ہے کہ اس کے وزن کا کوئی دوسرا کلمہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت نوح کی اس وصیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اپنے پروگرام پر کتنا یقین تھا کہ وفات کے وقت بھی اس میں کوئی شک یا شبہ پیدا نہیں ہوا

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی جو تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے اور ان کی نبوت و سلطنت کے واقعات سے آسمانی کتابیں لبریز ہیں اپنی وفات کے وقت اپنے یقین کا ثبوت جن الفاظ

میں پیش کرتے ہیں وہ بھی سُن لیجئے - ارشاد ہوتا ہے فاطر السموات والارض انت ولیّ فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلماً وّالحقنی بالصّٰلحین اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا تو ہی میرا دنیا میں بھی مددگار ہے اور تو ہی میرا آخرت میں بھی معین ہے - مجکو اسلام پر وفات دے اور مجھے اپنے نیک بندوں میں ملا دے -

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی وصیت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی وفات کیوقت اپنے بیٹوں اور پوتوں کو جو وصیت کی وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے - یٰبنیّ انّ اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتنّ الّا وانتم مسلمون اے میرے بچّو اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھرانے کو ایک مخصوص دین کے لئے منتخب کر لیا ہے اب دیکھو اس دین کا پاس رکھنا اور تم میں کسی کو موت نہ آئے مگر اسلام ہی پر دم نکلے اور مسلمان ہی مرنا -

حضرت یعقوب علیہ السّلام کی وصیت

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد سے اپنی وفات کے وقت دریافت کیا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے اور جب سب بچّوں نے یقین دلایا کہ ہم اُسی معبود برحق کی عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا معبود ہے تو حضرت یعقوب کو اطمینان ہوا - قرآن نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک واِلٰہ اٰبائک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰہاً واحداً ونحن لہ مسلمون

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی موت کے وقت اپنے لڑکوں سے دریافت کیا اے میرے بچو تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے متفقہ جواب دیا ہم اسی خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق کا معبود ہے اور جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات تو مشہور ہی ہیں۔ زمانہ علالت میں جو وصیتیں فرماتے رہے وہ تو اسلام اور احکام اسلام کی پابندی ہی کی تاکید تھی۔ لیکن وفات سے تھوڑی دیر پیشتر اپنی تمنا کا جن الفاظ میں اظہار کیا وہ یہ تھے الرفیق الاعلےٰ اور اسالک الرفیق الاعلےٰ اور اللھم اسالک الرفیق الاعلےٰ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پیغمبروں کو وفات کے وقت یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ دنیا میں رہنا چاہیں تو ان کو دنیا کی زندگی اختیار کر لینی چاہیے اور اگر وہ عالم بالا میں آنا چاہیں تو موت اور انتقال کو اختیار کریں۔ گویا انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سرکار نے الرفیق الاعلیٰ کے الفاظ فرمائے تو میں سمجھ گئی کہ سرکار کی وفات کا وقت قریب ہے اور آپ نے بجائے دنیاوی زندگی کے رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل

جس طرح حضور کا آخری کلمہ الرفیق الاعلےٰ تھا اسی طرح

آپ کا آخری فعل مسواک تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میرے بھائی حجرہ میں آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی سرکار بار بار مسواک کی طرف دیکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مسواک کی ضرورت ہے، آپ نے ضعف کی وجہ سے زبان سے کچھ نہیں فرمایا بلکہ سر کا اشارہ کیا۔ میں نے بھائی سے مسواک لیکر حضور کو دیدی اور آپ نے مسواک کرنی شروع کی میں نے دیکھا کہ مسواک کرنے میں صعوبت محسوس کر رہے تھے۔ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ اگر مسواک سخت ہو تو نرم کر دوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سر مبارک سے اشارہ کیا اور میں نے آپ کے دست مبارک سے لیکر مسواک کو چبایا یہاں تک کہ مسواک نرم ہو گئی۔ جب نرم ہو گئی تو میں نے حضور کو دیدی، آپ مسواک کرتے رہے اور اسی حالت میں میں نے دیکھا کہ آپ کا دست مبارک ڈھل گیا میں نے دیکھا تو روح مبارک رفیق اعلیٰ کے پاس جا چکی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی کلمہ

چونکہ اس بحث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور آپ کے آخری کلمات کا ذکر آگیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تکمیل مضمون کی غرض سے یہ بھی بتا دوں کہ آپ نے زمانۂ طفولیت میں جب آپ حلیمہ کی گود میں تربیت پا رہے تھے سب سے پہلے کیا فرمایا تھا۔ ہمارے ہاں بچہ جب بولنے لگتا ہے تو اس کو ابا اور اماں کہنا سکھاتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدون کسی اتالیق اور بغیر کسی انسانی تعلیم کے سب سے پہلی بات اور سب سے پہلا کلمہ جو تکلم کی صلاحیت پیدا ہوتے ہی زبان سے نکالا وہ اللّٰہ اکبر تھا۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے جس کا پہلا کلمہ اللہ اکبر، اور آخری کلمہ الرفیق الاعلیٰ ہو۔ اسکی تمام زندگی کتنی پاکیزہ اور کتنی بلند

اور دنیا کے لئے کس قدر بہترین نمونہ ہوگی اللھم صل علیٰ سیدنا وعلیٰ آل سیدنا محمد و بارک وسلم

نوجوانوں سے آخری خطاب

میرے عزیزو! میں نے بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا اس لئے آپ کے سامنے تذکرہ کر دیا تاکہ آپ سمجھ لیں کہ وہ نہ تو خود ساختہ انسان ہوتے ہیں اور نہ ان کی تعلیم کا مبنیٰ محض ظنّیات و تجربات پر ہوتا ہے بلکہ وہ خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ پورے یقین و وثوق کے ساتھ کہتے ہیں۔ ان کی رائے میں کسی وقت بھی تزلزل یا تبدیلی کا امکان نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا تو یہ اعلان ہوتا ہے اور اُن کا کیا اعلان ہوتا ہے بلکہ اُن سے یہ اعلان کرایا جاتا ہے۔ قل انني هدٰني ربي الی صراط مستقیم دینا قیما ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین قل ان صلاتي ونسکي ومحیاي ومماتي لله رب العلمین لا شریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین

یعنی آپ اعلان کر دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھکو راہ مستقیم پر قائم کر دیا ہے میں اس دین پر ہوں جو حضرت ابراہیم کی ملت تھی۔ اور وہ ابراہیم ایک ہی کے ہو رہے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے اور یہ بھی اعلان کر دیجئے کہ میری نماز اور میری تمام عبادت اور میرا مرنا اور جینا غرض سب کچھ اللہ رب العلمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں اور فرمانبرداروں میں سب سے پہلا مسلمان اور فرمانبردار ہوں۔

میرے دوستو! اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ پیغمبر کسے کہتے ہیں اور کیا۔

کسی پیغمبر کو پیغمبر تسلیم کرنے کے بعد بھی وہ اس قایل ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل میں چون و چرا کیا جائے۔

ہندوؤں سے خطاب

میں آخر میں ہندو دوستوں سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جو کچھ سیرت کے متعلق کہنا چاہتے ہیں وہ یہ سمجھ کر فرمایئے کہ آپ محمد رسول اللہ کے متعلق کہہ رہے ہیں یہ سمجھ کر نہ فرمایئے کہ آپ محمد بن عبد اللہ کی سیرت بیان کر رہے ہیں اسلئے کہ محمد بن عبد اللہ کی ذات زیر بحث نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی مخالف ہے ہم تو جو کچھ کہہ رہے ہیں اور سیرت کے اجتماع کا جو کچھ مقصد ہے وہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے دنیا کو آشنا بنایا جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

حضرت سحبان الہند مولانا الحاج حافظ احمد سعید صاحب

کی

پہلی تقریر سیرت

یہ تقریر حضرت مولانا کی بے شمار تقریروں کا ایک نادر مجموعہ ہے جس میں شریعت مقدسہ کے نہایت ادق مسائل و دشوار نکات اس طرح پیش کئے گئے ہیں کہ ہر عالم و عامی ان کو سمجھ سکتا ہے اور ان سے استفادہ کر سکتا ہے حضرت مولانا کے انداز بیان اور خوبی زبان کی تمام خصوصیات اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں جس کے متعلق ہندوستان کے اکثر سربرآوردہ اخبارات اور رسائل نے بہترین آراء کا اظہار کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن قریب الختم ہے جو حضرات فوراً نہ منگائیں گے انھیں دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔

معارف لکھتا ہے۔ تقریر مجموعی حیثیت سے بیحد دلچسپ اور مطالعہ کے قابل ہے۔

مدینہ لکھتا ہے۔ جو حضرات سیرت نبوی کیساتھ حالات حاضرہ پر نہایت دلفریب تبصرہ ملاحظہ فرمانا چاہیں وہ اس تقریر کو منگا کر ضرور مطالعہ فرمائیں۔

جامعہ لکھتا ہے۔ مولانا نے نہایت شگفتہ اور اچھوتے انداز میں آنحضرتؐ کی سیرت قوم کے سامنے پیش کی ہے۔

خلافت لکھتا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان گھر میں پہنچائی جائے۔

پوری کتاب دو سو صفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ ہے۔

مینجر انصاری بلیماران دہلی سے طلب فرمائیے

ساوتری

... ایک ... قرآن مجید سنتا۔ اس کی کشش سے متاثر ہونا۔ اسلام کی محبت کو ... کرتا تھا۔ یہ خیال ستاسیوں اور ظالم و جابر عزیز و اقارب کے ... استقامت کے ساتھ برداشت کرنا۔ اور ایک مرتبہ اسلام کی ... پر ایمان لے آنا اور ہر قسم کے مصائب میں صرف خدا پر ... کام نہ تھا۔ مگر ساوتری نے یہ سب کچھ کر دکھایا۔ بے شک ... جب ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ... کے تمام دلائل کو رد کر دینا اگر اسلامی معجزہ نہیں تو اور کیا تھا۔ ... اس کتاب کو نہیں پڑھا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ اسکی ایک ... پاس رکھیں ممکن نہیں کہ ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد اس کو ختم ... پر مجبور ... ہیں۔

... کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا اب ... ایڈیشن پہلے کی نسبت زیادہ تعداد میں چھپوایا گیا ہے جو حضرات فوراً فرمائش ... نہیں فرمائیں گے اور فرمائش بھیجنے میں تاخیر سے کام لیں گے انہیں تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت صرف ۸ر علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ — دہلی

منیجر انصاری بلیماران دہلی